ماہنامہ
حنا
اگست 2017ء

هر گھر کیلئے

ماھنامہ

حنا

جلد 39 شمارہ 7
اگست 2017ء
قیمت -/60 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکمل ناول

انشاء نامہ

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! اگست 2017ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

14 اگست 1947ء وہ تاریخ ہے جب ایک شاعر کا خواب حقیقت بن گیا اور برصغیر کے مسلمانوں کو اپنا وطن اور آزادی نصیب ہوئی۔ آزادی دنیا کی سب سے بڑی نعمت جس کے لئے آج لاکھوں انسان جدوجہد میں مصروف ہیں۔ فلسطین، کشمیر، عراق اور افغانستان میں ہزاروں انسان اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ پاکستان کا قیام دوقومی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا۔ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں جن کا مذہب، تہذیب وثقافت، رسم ورواج، کھانا پینا سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہندو آج بھی ذات پات کی بناء پر اپنے ہم مذہب انسانوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو مسلمانوں کے لئے تو ایسا سوچنا بھی محال تھا۔ ہندوؤں کی مسلمانوں سے نفرت بھی چھپی ہوئی نہ تھی۔ مسلم دانشوروں نے اس صورت حال کو بھانپ لیا تھا۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا اور برصغیر کے مسلمانوں نے متحد ہو کر ان کا ساتھ دیا۔

مسلمانوں نے آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنی جانوں، اپنے مال اور اپنے گھروں کی قربانی دی تھی۔ قدرت نے اس کے صلے میں انہیں آزادی کے ساتھ ساتھ بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ ان پر اپنے خزانے کھول دیے، لیکن پاکستان کی بدنصیبی یہ رہی کہ اسے قائداعظم کے بعد اچھی قیادت میسر نہ آسکی۔ مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ اس لئے کیا تھا کہ اس خطہ زمین پر اسلامی اصولوں کے مطابق ایک مملکت کا قیام عمل میں آسکے۔ افسوس کہ ہم وہ مقصد آج بھی پوری طرح حاصل کرنے میں ناکام ہیں۔ غربت، تعلیم کی کمی اور کرپشن نے پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کردی ہیں۔ آج تمام تر وسائل کے باوجود پاکستان ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے ہے۔

اس سال جشن آزادی مناتے ہوئے آیئے عہد کریں کہ تمام تعصبات بالائے طاق رکھ کر قومی یکجہتی کے جذبہ کو فروغ دیں گے۔ ہم ایک قوم ہیں، ہماری شناخت ہمارا مذہب اسلام اور ہمارا وطن پاکستان ہے۔

قارئین کو حنا کی جانب سے جشن آزادی مبارک۔

اس شمارے میں:۔ ام مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناول، بشریٰ سیال، مبشرہ انصاری اور سباس گل کے ناولٹ، ثناء کنول، تابندہ جاوید اور رمشا احمد کے مکمل ناول، صدف آصف، رابعہ عمران چوہدری اور سیما بنت عاصم کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ

گلشن میں ہر جگہ تیرا رنگ جمال دیکھا
ہر روپ ہر طرح سے تیرا بے مثال دیکھا

تو ضوفشاں ہے چاند ستاروں میں رات کو
خورشید میں درخشاں تجھے ذوالجلال دیکھا

تجھ کو تو اس گھڑی بھی پکارا ہے المدد
جب بھی غم زماں سے برا اپنا حال دیکھا

دریا کرم کا جوش میں چھلکے ہے ہر طرف
پھیلا ہوا جو تو نے بھی دست سوال دیکھا

عظمت پہ تیری پختہ وہیں ایمان ہو گا
پتھر میں جب کرم کو بھی فیض کمال دیکھا

سہراب نے جب حمد کے موتی لٹائے ہیں
در رحمتوں کا اس پہ کھلا بے مثال دیکھا

تنویر پھول

نعت رسول مقبول ﷺ

ہم کو جو کچھ خدا سے ملتا ہے
دست خیر الوریٰ سے ملتا ہے

جس کو ایمان لوگ کہتے ہیں
الفت مصطفیٰ سے ملتا ہے

ہر بھلائی کا راستہ ہم کو
آپؐ کے نقش پا سے ملتا ہے

آدمی کو مقام قرب خدا
ورد صلے علیٰ سے ملتا ہے

اس کو ملتا ہے اوج لافانی !
جو حبیبؐ خدا سے ملتا ہے

سیرت مصطفیٰ میں اے اعجاز
حسن خلق ابتدا سے ملتا ہے

اعجاز رحمانی

ادارہ

ایک قوم سے لڑائی کا بیان

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''تم لوگ قیامت کے قریب ایسے لوگوں سے لڑو گے، جن کے جوتے، بالوں کے ہوں گے، ان کے منہ گویا ڈھالیں ہیں چوڑی، ان کے چہرے سرخ ہیں اور آنکھیں چھوٹی ہیں''
(صحیح مسلم)

قحطان کے آدمی کا بیان

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ (قبیلہ قحطان کا) ایک شخص نکلے گا جو لوگوں کو اپنی لکڑی سے ہانکے گا۔''
(صحیح مسلم)

جہجاہ کا بیان

سیدنا ابوہررہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔
''دن اور رات ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ ایک شخص بادشاہ ہوگا جس کو جہجاں کہیں گے۔''
(صحیح مسلم)

یمن کی ہوا کا بیان

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:
''اللہ تعالیٰ ریشم سے زیادہ نرم ہوا یمن سے بھیجے گا جو کسی آدمی کو نہ چھوڑے گی جس میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔''
(صحیح مسلم)

قیامت شریر لوگوں پر قائم ہوگی

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔''
(صحیح مسلم)

جھوٹے دجال

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔
''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے دجال پیدا نہ ہوں گے۔ (دجال کے معنی مکار، فریبی ہیں) اور ہر ایک یہ کہے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔''
(صحیح مسلم)

یہودیوں سے جنگ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ مسلمان یہود سے لڑیں گے پھر مسلمان ان کو قتل کریں گے، یہاں تک کہ یہودی کسی پتھر یا درخت کی آڑ میں چھپے گا تو وہ پتھر یا درخت بولے گا کہ ''اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے ایک یہودی ہے، ادھر آؤ اور اس کو قتل کر دے مگر غرقد کا درخت نہ بولے گا، (وہ ایک کانٹے دار درخت ہے جو بیت المقدس کی طرف بہت زیادہ ہوتا ہے) وہ یہود کا درخت ہے۔''

(صحیح مسلم)

عیسائیوں کی تعداد

موسیٰ بن علی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ مستورد قرشی نے کہا کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ۔

''قیامت اس وقت قائم ہوگی جب نصاریٰ سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔'' (یعنی ہندو اور مسلمانوں سے)

سیدنا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ''دیکھ تو کیا کہتا ہے؟''

مستورد نے کہا کہ ''میں تو وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔''

سیدنا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ''اگر تو کہتا ہے (تو سچ ہے) کیونکہ نصاریٰ میں چار خصلتیں ہیں، وہ مصیبت کے وقت نہایت حوصلہ والے ہیں اور مصیبت کے بعد سب سے جلدی ہوشیار ہوتے ہیں اور بھاگنے کے بعد سب سے پہلے حملہ کرتے ہیں اور سب لوگوں میں مسکین، یتیم اور ضعیف کے لئے بہتر ہیں اور ایک پانچویں خصلت ہے جو سب لوگوں سے نہایت عمدہ ہے کہ وہ بادشاہوں کے ظلم کو روکتے ہیں۔''

(صحیح مسلم)

قیامت سے پہلے قتل وخون

سیدنا یسیر بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار کوفہ میں لال آندھی آئی، ایک شخص آیا جس کا تکیہ کلام یہی تھا کہ اے عبداللہ بن مسعود قیامت آئی، یہ سن کر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھ گئے اور پہلے وہ تکیہ لگائے ہوئے تھے، انہوں نے کہا۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ترکہ نہ بٹے گا اور لوٹ سے خوشی نہ ہوگی'' (کیونکہ جب کوئی وارث ہی نہ رہے گا تو ترکہ کون بانٹے گا اور جب کوئی لڑائی سے زندہ نہ بچے گا تو لوٹ کی کیا خوشی ہوگی) پھر اپنے ہاتھ سے شام کے ملک کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ ''دشمن (نصاریٰ) مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جمع ہوں گے اور مسلمان بھی ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوں گے۔''

میں نے کہا کہ ''دشمن سے تمہاری مراد نصاریٰ ہیں؟''

انہوں نے کہا کہ ''ہاں اور اس وقت سخت لڑائی شروع ہوگی، مسلمان ایک لشکر کو آگے بھیجیں گے جو مرنے کے لئے آگے بڑھے گا اور بغیر غلبہ کے نہ لوٹے گا۔

(یعنی اس قصد سے جائے گا کہ لڑ کر مر جائیں گے یا فتح کر کے آئیں گے) پھر دونوں فرقے لڑیں گے یہاں تک کہ رات ہو جائے گی اور دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی

کو غلبہ نہ ہوگا اور جو لشکر لڑائی کے لئے بڑھا تھا وہ بالکل فنا ہو جائے گا، (یعنی اس کے سب لوگ قتل ہو جائیں گے)۔

دوسرے دن پھر مسلمان ایک لشکر آگے بڑھائیں گے جو مرنے کے لئے یا غالب ہونے کے لئے جائے گا اور لڑائی رہے گی یہاں تک کہ رات ہو جائے گی پھر دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہوگا اور جو لشکر آگے بڑھا تھا وہ بالکل فنا ہو جائے گا۔

جب چوتھا دن ہوگا تو جتنے مسلمان باقی رہ گئے ہوں گے وہ سب آگے بڑھیں گے اور اس دن اللہ تعالیٰ کافروں کو شکست دے گا اور ایسی لڑائی ہوگی کہ ویسی کوئی نہ دیکھے گا یا ویسی لڑائی کسی نے نہیں دیکھی ہوگی یہاں تک کہ پرندہ ان کے اوپر یا ان کے بدن پر اڑے گا پھر آگے نہیں بڑھے گا کہ وہ مردہ ہو کر گر جائے گا۔

ایک جدی لوگ جو گنتی میں سو ہوں گے ان میں سے ایک شخص بچے گا، (یعنی ننانوے فیصد آدمی مارے جائیں گے اور ایک باقی رہ جائے گا) ایسی حالت میں مال غنیمت کی کون سی خوشی حاصل ہوگی اور کون سا ترکہ بانٹا جائے گا؟ پھر مسلمان اسی حالت میں ہوں گے کہ ایک اور بڑی آفت کی خبر سنیں گے، ایک پکار ان کو آئے گی کہ دجال ان کے پیچھے ان کے بال بچوں میں آ گیا، یہ سنتے ہی جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہوگا اس کو چھوڑ کر روانہ ہوں گے اور دس سواروں کو جاسوسی کے طور پر روانہ کریں گے۔'' (دجال کی خبر لانے کے لئے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میں ان سواروں کے اور ان کے باپوں کے نام جانتا ہوں اور ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتا ہوں اور وہ اس دن ساری زمین کے بہتر سوار ہوں گے یا اس دن بہتر سواروں میں سے ہوں گے۔''

(صحیح مسلم)

دجال سے پہلے مسلمانوں کی فتوحات

سیدنا نافع بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ لوگ مغرب کی طرف سے آئے جو اون کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک ٹیلے کے پاس ملے وہ لوگ کھڑے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے تھے۔

میرے دل نے کہا کہ تو چلا جا اور ان لوگوں کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان میں کھڑا رہ، ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ فریب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مار ڈالیں، پھر میرے دل نے کہا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چپکے سے کچھ باتیں ان سے کرتے ہوں (اور میرا جانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گزرے) پھر میں گیا اور ان لوگوں کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان میں کھڑا ہو گیا، میں نے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چار باتیں یاد کیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ہاتھ پر گنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

''پہلے عرب کے جزیرہ میں (کافروں سے) جہاد کرو گے، اللہ تعالیٰ اس کو فتح کر دے گا پھر فارس سے جہاد کرو گے، اللہ تعالیٰ اس پر بھی فتح کر دے گا، پھر نصاریٰ سے لڑو گے، روم والوں سے اللہ تعالیٰ روم کو بھی فتح کر دے گا، پھر دجال سے لڑو گے اللہ تعالیٰ اس کو بھی فتح کر دے گا۔'' (یہ

حدیث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا معجزہ ہے)

نافع نے کہا کہ "اے جابر بن سمرہ! ہم سمجھتے ہیں کہ دجال اس کے بعد نکلے جب روم کا ملک فتح ہو جائے گا۔"

(صحیح مسلم)

قسطنطنیہ کی فتح کے متعلق

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ روم کے نصاریٰ کا لشکر اعماق میں یا دابق میں اترے گا، (یہ دونوں مقام شام میں ہیں حلب کے قریب) پھر مدینہ میں ایک لشکر نکلے گا ان کی طرف جوان دنوں تمام زمین والوں میں بہتر ہو گا، جب دونوں لشکر صف باندھیں گے تو نصاریٰ کہیں گے کہ تم ان لوگوں (یعنی مسلمانوں) سے الگ ہو جاؤ، جنہوں نے ہماری بیویاں اور لڑکے پکڑے اور لونڈی غلام بنائے ہم ان سے لڑیں گے، مسلمان کہیں گے کہ نہیں اللہ کی قسم ہم کبھی اپنے بھائیوں سے نہ الگ ہوں گے، پھر لڑائی ہو گی تو مسلمانوں کا ایک تہائی لشکر بھاگ نکلے گا ان کی توبہ اللہ تعالیٰ کبھی قبول نہ کرے گا اور تہائی لشکر مارا جائے گا وہ اللہ کے پاس سب شہیدوں میں افضل ہوں گے اور تہائی لشکر کی فتح ہوگی وہ عمر بھر کبھی فتنے اور بلا میں نہ پڑیں گے۔

پھر وہ قسطنطنیہ (استنبول) کو فتح کریں گے، (جو مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا ہوگا اب تک یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں ہے) تو وہ مال غنیمت کو بانٹ رہے ہوں گے اور اپنی تلواروں کو زیتون کے درختوں پر لٹکا دیا ہوگا، اتنے میں شیطان آواز دے گا کہ دجال تمہارے پیچھے تمہارے بال بچوں میں آپڑا تو مسلمان وہاں سے نکلیں گے حالانکہ یہ خبر جھوٹ ہوگی، جب شام کے ملک میں پہنچیں گے تب دجال نکلے گا پس جس وقت مسلمان لڑائی کے لئے مستعد ہو کر صفیں باندھتے ہوں گے نماز کی تیاری ہوگی اسی وقت سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتریں گے اور امام بن کر نماز پڑھائیں گے پھر جب اللہ تعالیٰ کا دشمن دجال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو اس طرح ڈر سے گھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے اور جو عیسیٰ علیہ السلام اس کو یونہی چھوڑ دیں تب بھی وہ خود بخود گھل کر ہلاک ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں پر قتل کرے گا اور لوگوں کو اس کا خون عیسیٰ علیہ السلام کی برچھی میں دکھلائے گا۔"

(صحیح مسلم)

لشکر کا دھنس جانا

عبید اللہ بن قبطیہ سے روایت ہے کہ حارث بن ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان دونوں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس گئے، میں بھی ان کے ساتھ تھا، انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس لشکر کے بارے میں پوچھا جو دھنس جائے گا اور یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ کے حاکم تھے انہوں نے کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"پناہ لے گا ایک پناہ لینے والا، خانہ کعبہ کی (مراد مہدی علیہ السلام ہیں) اس کی طرف لشکر بھیجا جائے گا وہ جب ایک میدان میں پہنچ جائیں گے تو دھنس جائیں گے۔"

میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم جو شخص زبردستی اس لشکر کے ساتھ ہو؟" (دل میں برا جان کر)
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ بھی ان کے ساتھ دھنس جائے گا، لیکن قیامت کے دن اپنی نیت پر اٹھے گا۔" ابو جعفر نے کہا کہ مراد مدینہ کا میدان ہے۔

(صحیح مسلم)

قیامت سے پہلے مدینہ کے گھر اور آبادی کے متعلق

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے قریب) "مدینہ کے گھر اہاب یا یہاب تک پہنچ جائیں گے۔"
زہیر نے کہا کہ "میں نے سہیل سے کہا کہ "اہاب مدینہ سے کتنے فاصلے پر ہے؟"
انہوں نے کہا کہ "اتنے میل پر" (یعنی کافی میل دور ہے)

(صحیح مسلم)

عراق کے اپنے درہم روک لینے کے متعلق

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔
"عراق کا ملک اپنے درہم اور قفیز کو روکے گا اور شام کا ملک اپنے مدی اور دینار کو روکے گا اور مصر کا ملک اپنے اردب اور دینار کو روکے گا اور تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے پہلے تھے اور تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے پہلے تھے اور تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے پہلے تھے۔"
پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"اس حدیث پر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا گوشت اور خون گواہی دیتا ہے۔" (یعنی اس میں کچھ شک نہیں)

(صحیح مسلم)

قیامت کی نشانیاں

سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آئے اور ہم باتیں کر رہے تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تم کیا باتیں کرتے تھے؟" ہم نے کہا کہ "قیامت کا ذکر کرتے تھے۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ دس نشانیاں اس سے پہلے نہیں دیکھ لوگے، پھر ذکر کیا دھوئیں کا اور دجال کا اور زمین کے جانور کا اور سورج کے مغرب سے نکلنے کا اور عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کا اور یاجوج ماجوج کے نکلنے کا اور تین جگہ خسف ہونا یعنی زمین کا دھنسنا، ایک مشرق میں، دوسرے مغرب میں، تیسرے جزیرہ عرب میں اور ان سب نشانیوں کے بعد ایک آگ پیدا ہوگی جو لوگوں کو یمن سے نکالے گی اور ہانکتی ہوئی محشر کی طرف لے جائے گی۔" (محشر شام کی زمین ہے)

(صحیح مسلم)

☆☆☆

ابن انشاء

تینوں دسیا تے توں ہسنا اے
اسیں تینوں کجھ نئیں دسنا اے

بس اگ اپنی وچ جلنا اے
اور آپے پکھا جھلنا اے
اسیں کچے آں تو خام کڑے
کجھ ہویا نئیں کی ہونا سی

اک دن دا ہسنا رونا سی
اوہ ساگر چھلاں ایویں سی

اوہ ساریاں گلاں ایویں سی
پر چرچا کرنا تمام کڑے

اسیں کہندے کہندے مر جانا
توں ہسدے ہسدے مر جانا

اسیں اجڑے اجڑے رہ جانا
توں وسدے وسدے مر جانا

ہاں سوچ لیا انجام کڑے
اک گھر وچ دیوا بلدا ای

کی دیکھ سنہیے گھلدا ای
کیوں پورب پچھم جالی ایں

کیوں من اپلسی بھٹکنی ایں
گھر آ جا پے گئی شام کڑے

دل گزیدہ

ام مریم

بیسویں قسط کا خلاصہ

منیب چوہدری سے اس کے بڑے بھائی حرم کی شادی کی تاریخ کا تقاضا کرتے ہیں، م
کچھ دنوں تک جواب دینے کا کہتا ہے اور گویا غانیہ کی جان سولی پہ لٹک جاتی ہے۔

پرسرار عورت کو محبوب کے کھونے کا ملال دھیرے دھیرے زندگی سے دور کرتا نشہ کا عاد
چکا ہے، محبوب کی کمی کے ساتھ اک اور ملال بھی اس کے لئے اذیت کا باعث ہے، ایمان ک
دینے کا ملال۔

یارمن کا شانزے کے رشتے سے انکار غانیہ کے لئے مزید مشکلات کھڑی کرنے کا باعث
ہے۔

اکیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے

''آپ کے بیٹے کا دماغ خراب ہوگیا ہے؟''
ماحول کے اس پر ہول سناٹے کو شانزے کی ہیجان آمیز چنگھاڑتی آواز نے توڑا، غانیہ چونک گئی، بلکہ سہم گئیں، سہم کر اسے دیکھنے لگیں، ایسے خوفزدہ بچے کی مانند جو ریت کا گھروندا تو بنا لیتا ہے مگر اپنی ناتوانی سے آگاہ ہے، خود سے زور آور شریر بچوں کے سامنے اپنے گھروندے کے گرد اپنے دونوں کمزور ہاتھوں کی آڑ بناتا ہے، بچاؤ کو مگر جانتا بھی ہے، بچاؤ ناممکن ہے گھر ٹوٹنے کا اندیشہ اور خوف بہت بڑا خوف ہے، اس خوف سے وہ آگاہ تھی، بہت اچھی طرح آگاہ جس نے لمحہ لمحہ بیس سال اسی خوف کی نذر کر کے بتائے تھے، خوف پھر بھی قائم تھا، سہم اپنی جگہ سے ذرا نہ ہلا تھا، وہ بوڑھی ہو رہی تھی مگر گھر کا گھر والے کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام تھی، اس سے بڑھ کر بھی کوئی دکھ ہو سکتا، شاید اس سے بڑھ کے کوئی دکھ نہیں ہوتا ایک باوفا عورت کے لئے کہ وہ اپنی دیانت وفا داری ایثار اور قربانیوں کے باوجود بھی اپنے شوہر کا دل اس کا اعتماد نہ جیت سکے، اس کی محبت نہ حاصل کر پائے۔
''میں پوچھتی ہوں، اسے جرأت کیسے ہوئی یہ بات کہنے کی، اپنی اوقات بھول گیا ہے، میں اگر ابھی ماموں کو بتاؤں، دو کوڑی کا کر کے رکھ دیں وہ اسے لمحوں میں، یا میں کھڑے کھڑے ان سے نکاح کا تقاضا کر دوں تب بھی وہ دم نہیں مار سکے گا ان کے سامنے، اپنے بیٹے کو اچھی طرح سے یہ سمجھا دیجئے گا کہ اسے شانزے کے علاوہ کسی اور کا ہونا نصیب نہیں ہونا، اسے میرے قدموں میں ہی جھکنا ہے، جلد یا بدیر، سو اپنی راہوں میں کانٹے نہ بوئے تو بہتر ہے، کیونکہ میں معاف کرنے والوں میں سے ہوں نہ ہی اس کی بے اعتنائی کا حساب بھلا رہی ہوں۔'' وہ یونہی چیختی چنگھاڑتی دھپ دھپ کرتی واپس اندر چلی گئی، حرم گنگ تھی تو حجاب کا چہرہ پارۂ طیش کے سرخ ہو چکا تھا، مٹھیاں بھینچے ہونٹ چباتی ہوئی وہ غیر یقینی نظروں سے ماں کو دیکھتی تھی۔
''اس کا رویہ نیا تو نہیں ہوگا مما! یعنی وہ ہمیشہ سے آپ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کر رہی ہے؟''
وہ ششدر تھی اور غانیہ ایسی مجرم جس کے پاس اپنی صفائی کو بھی ایک لفظ موجود نہیں تھا، نم آنکھوں میں بے بسی کا رنگ اتنا واضح تھا کہ حرم سے دیکھا نہ جا سکا۔
''آپ نے ہم سے یہ سب کچھ کیوں چھپایا آخر۔'' ملال تھا کہ ختم نہ ہوتا تھا، حجاب کا شکوہ بے جا تو نہ تھا۔
''اگر پتا چل جاتا تو کیا کر لیتی تم؟'' نا چاہتے ہوئے بھی حرم کا لہجہ طنزیہ ہوا، حجاب نے طیش کے عالم میں ہاتھ مارا تو ٹرے میں دھرا گلاس زمین بوس ہو گیا تھا۔
''میں پپا سے بات کروں گی، وہ خود کو کیا سمجھ رہی ہے۔'' وہ ضبط کھو کر چلائی، غانیہ نے بے ساختہ اسے دیکھا تھا، انداز ایک بار پھر تادیبی ہوا۔
''بیٹے آپ کچھ نہیں بولو گی، میں خود ہینڈل کروں گی اس معاملے کو، شانزے کی جہاں تک بات ہے وہ ذرا جذباتی ہے، بے وقوف ہے، اس کی بات کا کیا برا ماننا جو بنا سوچے سمجھ بولنے کی عادی ہو، دل برا نہیں ہے اس کا میں جانتی ہوں۔''
زندگی کے ہر موڑ کی طرح اس موڑ پہ بھی غانیہ کی بردباری تحمل اور رسان اس کے ہمراہ تھا،

بچیاں اس مجبوری کو کہاں پہنچی تھیں، جو معاملہ سمجھتیں، الٹا شاکی ہو گئیں، حرم جتنی بھی مضطرب ہوئی ہو بولی البتہ کچھ نہیں، ہونٹ بھینچے سر جھکائے بیٹھی رہی، حجاب کو مگر چپ کون کراتا، جو سخت احتجاج پہ اتر آئی تھی۔

''دس از ناٹ فیئر مما! یہ تو سراسر زیادتی ہے، آپ کی خود اپنے ساتھ بھی اور بھائی کے سر تو آپ عمر بھر کا عذاب ڈال رہی ہیں، آپ نے دیکھا وہ خود کتنے نالاں ہیں، ساری زندگی اس سائیکی عورت کے ساتھ کیسے گزاریں گے، آپ کو کم از کم ان کا ضرور سوچنا چاہیے اور معذرت کے ساتھ، آپ کی یہ شانزے کے معاملے پہ برتی چشم پوشی یا پھر خاموشی اسے اتنی شہہ دے چکی ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ساتھ ہم سب کے بھی سر پہ چڑھ کے ناچنے لگی۔'' غانیہ کی تادیب بھری نظریں اس کی سرزنش کرتی ٹوکتی ''حجاب...... حجاب'' کی آواز کو نظر انداز کیے اپنی بات مکمل کر کے ہی خاموش ہوئی تھی تو غانیہ کو اپنی طرف بہت متاسفانہ نظروں سے دیکھتے پا کر بھی خفت زدہ نہیں ہوئی، بلکہ گہرا سانس بھرا خود کو قدرے کمپوز کیا اور انہیں پاس آ کے کاندھے سے نرمی سے تھامتی ہوئی بے حد نرمی سے بے حد ملائمت سے سمجھانے لگی تھی۔

''آپ ہمیں جتنا بھی بے خبر رکھتی رہی ہیں مما! مگر بے خبر نہیں تھے ہم، ساری نہیں تو آپ کی بہت ساری اذیتوں کے گواہ ہم بھی رہے ہیں، حرم کو بھی غور سے دیکھا آپ نے؟ وہ اتنی گم صم کیوں رہتی ہے؟ اور اگر میں ضرورت سے زیادہ بولڈ ہو گئی ہوں تو اس کے پیچھے وجہ کیا ہے؟ مما! مجھے یہ جبر گوارا نہیں، نہ آپ کے لئے نہ ہی بھائی اور حرم کے لئے اور کوئی بھلے کچھ نہ کہے، مگر میں خاموش نہیں رہوں گی، میں پپا سے ضرور بات کروں گی، انہیں ان کے غلط فیصلوں سے باز رکھنے کو مجھے......'' اس کے منہ پہ غانیہ نے اپنا ہاتھ رکھ دیا، ہونٹ دبا دیئے، وہ سرتاپا لرزتی تھیں، آنکھیں یکا یک پانیوں سے لبریز ہو گئیں، وہ رو رہی تھیں، اس کی ماں رو رہی تھی، اس کی وجہ سے رو رہی تھی، حجاب کو دکھ ہوا، بہت دکھ ہوا اس نے ہولے سے انہیں بانہوں میں بھر لیا، نرمی سے تھپکا۔

''وعدہ کرتی ہوں آپ سے...... سب ٹھیک کروں گی انشاء اللہ بھائی اگر یہ کریں گے مما تو آپ کی تربیت پہ حرف آئے گا، میں......''

''تم کچھ نہیں سمجھو گی، کبھی نہیں سمجھو گی بیٹے، گزارش سمجھ لو، کچھ نہ کرنا، خاموش رہو، اگر کرنی ہے تو دعا کرو، اللہ سے بڑھ کر کوئی مددگار نہیں، خدارا بات کو سمجھو، شانزے مجھے اپنا دشمن سمجھے یہ مجھے گوارا نہیں، جبکہ اللہ گواہ ہے میں اس کا برا نہیں چاہتی، اس کی ہدایت کے لئے دعا گو ہوں۔'' غانیہ ہنوز کانپ رہی تھیں، حجاب ڈھیلی پڑ گئی، اپنا جسم اسے یکدم سست اور بے جان محسوس ہوا، اسے لگا وہ جنگ لڑے بغیر ہار گئی ہے، ہتھیار اٹھائے بغیر پسپا کر دی گئی ہے، عجیب سا اضطراب وجود کا احاطہ کرتا چلا گیا۔

بعض رشتے بہت بے بس کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، غانیہ ہی حیثیت رکھتی تھی اس کے لئے۔

(تو طے ہوتا عمر کہ تمہیں حاصل کرنا بھی ناگزیر ہوا، جب مقابلہ نہیں تو فتح کیسی؟ اللہ بے بسی سے آگاہ ہے)۔

اس نے نم پلکیں جھپکیں اور سر جھکا لیا۔
"ٹھیک ہے مما! بے فکر رہیں، کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گی کبھی۔" اس کی آواز بھراہٹ سمیٹ لائی بے بسی کا مظہر چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا، جذبات کی یورش سے، غانیہ نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔
"جیتی رہو، خدا نیک نصیب کرے۔" اب کے انہوں نے خود اسے گلے لگایا، ماتھا چوما، حجاب کچھ نہ بولی، خاموش رہی، حرم کا سر جھکا تھا، جھکا رہا، البتہ مشکل سے ضبط کیے آنسوؤں پہ ضبط کا ہر بندھ ٹوٹ گیا، خاموش بہتے آنسو اس پہ اس کا مستقبل عیاں کر کے دکھ رہے تھے، جو بہت بھیانک تھا جو بہت سراسیمہ کر دینے والا تھا، کیا وہ پھر بھی ضبط قائم رکھ سکتی تھی، نہیں وہ ضبط قائم نہیں رکھ سکتی تھی، اب یہ محال تھا، بہت محال۔

☆☆☆

کبھی رک گئے کبھی چل دیئے
کبھی چلتے چلتے بھٹک گئے
یونہی عمر ساری گزار دی
یونہی زندگی کے ستم سہے
کبھی نیند میں کبھی ہوش میں
تو جہاں ملا تجھے دیکھ کر
نہ نظر ملی نہ زباں ہلی
یونہی سر جھکا کے گزر گئے
کبھی زلف پر کبھی چشم پر
کبھی تیرے حسیں وجود پر
جو پسند تھے میری کتاب میں
وہ شعر سارے بکھر گئے
مجھے یاد ہے کبھی ایک تھے
مگر آج ہم میں جدا جدا
وہ جدا ہوئے تو سنور گئے
ہم جدا ہوئے تو بکھر گئے
کبھی عرش پر کبھی فرش پر
کبھی ان کے در کبھی در بدر
غم عاشقی تیرا شکریہ
ہم کہاں کہاں سے گزر گئے

وہ مضطرب تھا اور چلتا جا رہا تھا، بنا رکے بنا ٹھہرے، نہر کا کنارہ پرسکون ٹھنڈک کا احساس لئے ہوئے تھا، ہوا بہت دھیمی تھی، بلا کی خوشگواریت لئے ہوئے، نہر کے دونوں کنارے لمبے سرسبز

درختوں سے بھرے تھے، سبز لمبی گھاس اپنا مخملیں پیراہن سنبھالے نہر کے مٹیالے پانیوں کو چھو رہی تھی، گھاس میں سر اٹھائے ننھے منے سفید اور کاسنی پھول اس کے پیروں تلے آ کر مسلے جاتے تھے، نم ہوا سر سبز درختوں میں سرسراتی نہر کے پانیوں میں بھنور ڈال رہی تھی، اس کا ذہن تنا ہوا تھا، ہاتھوں کی مٹھیاں بار بار شدت غیض سے بھینچے جاتیں، شانزے کا ہر روپ قابل نفرت تھا، اس پہ ستم وہ اس کے لئے زندگی کا انتخاب بھی، اسے پپا سے زیادہ مما سے گلہ محسوس ہوا، پپا تو شروع سے بے حس تھے، مما تو اس کا احساس کرتی تھیں، پھر اسی خاموشی کی وجہ۔

کیا اولاد قربان کرنے کے لئے ہوتی ہے اور خاص کر بیٹی......حرم...... وہ مرد تھا کسی نہ کسی طور زندگی کا سفر طے کر لیتا، حرم کیا کرتی، اس کی زندگی تو خود غانیہ سے بھی زیادہ کربناک اور دشوار ہو سکتی تھی اور کیا یہ سچ تھا؟

اس کے اندر نفرت کا شدید احساس اٹڈا اور زہر بن کر پورے وجود میں بکھرتا چلا گیا، وہ اسے اس کی بہن کے خلاف کرنا چاہتی تھی، اسے ورغلانا چاہتی تھی، وہ تلخ منظر پھر اس کی یاداشت کے پردے پہ روشن ہوا۔

ابھی دن کا آغاز تھا مگر دھوپ پوری طرح پھیل چکی تھی، فضا میں حبس اور تپش تھی، اپریل کا آغاز ہی گرمی کا عروج ثابت ہو چکا تھا، رات وہ بہت دیر سے سو سکا تھا، جبھی صبح ٹائم پہ آنکھ نہ کھلی جب نماز نہیں پڑھ سکا تو پھر بستر سے بھی نہ نکلا، اب لائٹ بند ہوئی تو آنکھ خود بخود کھل گئی تھی، کسلمندی سے بیڈ سے اٹھ کر کھڑکی تک آیا تھا، جب اس کی نظر اپنے کمرے سے نکلتی شانزے پہ پڑی، اس بے ارادی نظر کو وہ فی الفور ہٹا لیتا اگر اس کی حرکات وسکنات نارمل ہوتیں۔

میں امب چوپن لئی گئی
باغ وچ پھڑی گئی
میں تاں بڑا رولا پایا
ماہی باز نہ آیا
اونے کھچ کے تے بانہہ چم لئی
باغ وچ پھڑی گئی
ہائے ہائے باغ وچ پھڑی گئی

وہ مٹک مٹک رہی تھی، لہک رہی تھی، حمدان کی اسے دیکھتی نظروں میں واضح ناگواری در آئی، یہ ناگواری یا پھر تاسف وہیں صحن میں موجود اس کی سمت متوجہ ہو جانے والی غانیہ اور دونوں لڑکیوں کے چہرے پہ بھی نظر آ رہا تھا، مگر بولنا کسی نے بھی مناسب نہ جانا، یہ خاموشی کچھ ہضم نہ ہوئی تھی، شانزے سے تبھی یونہی لپکتی حرم کے بالکل نزدیک آ کر جم کر اکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

میں تاں بڑا رولا پایا
ماہی باز نہ آیا
اونے کھچ کے تے بانہہ چم لئی
باغ وچ پھڑی گئی

وہ بار بار ایک ہی تان اڑا رہی تھی، گردان کررہی تھی، گویا کچھ جتا رہی ہو یا پھر کوئی راز طشت ازبام کرنا چاہتی ہو، عین ممکن ہے مقصد حرم کو خائف کرنا ڈرانا بھی ہو اور وہ کچھ اتنا نا کام بھی نہیں رہی تھی، حرم کا رنگ پہلے اڑا تھا پھر بالکل پیلا پڑ گیا، وہ فق چہرے کے ساتھ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی، معاً خود کو سنبھال کر اٹھی ارادہ وہاں سے یقیناً ہٹ جانے کا تھا مگر شانزے نے بہت بدتمیز انداز میں نہ صرف اس کی کلائی پکڑی بلکہ اسے دونوں ہاتھوں سے جھٹکا بھی دیا تھا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' حجاب سے بالآخر برداشت نہ ہوا تو چیخ پڑی، حرم تو جیسے کسی بھی لمحے رو پڑنے کو تیار تھی۔

''تم کیا سمجھتی ہو؟ اس طرح راہ فرار اختیار کرکے تم اپنے عیبوں پہ پردہ ڈال لوگی؟ اگر ایسا سمجھتی ہو تو یہ بھول ہے تمہاری۔'' وہ غرائی تھی اور حرم کا ضبط رخصت ہوگیا، وہ بے ساختہ و بے اختیار ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر رو دی۔

''واٹ نان سینس یہ کیا فضولیات ہے؟ تم تمیز سے بات نہیں کرسکتیں؟'' اس سے قبل کہ کوئی کچھ بولتا حمدان خود عجلت میں کمرے سے نکل آیا، شرٹ اس کے ہاتھ میں تھی، جسے پہننے کا بھی موقع نہ ملا تھا بلکہ دیا نہ گیا تھا، عجلت میں کمرے سے نکلتا ہوا وہ بس شرٹ اٹھا سکا تھا، شانزے نے چونک کر اسے دیکھا، بلکہ اس کے مضبوط شاندار کسرتی وجود کو بھرپور نظروں سے دیکھا مسکرائی، یہ مسکراہٹ بہت پراسرار قسم کی تھی۔

''مجھ سے یہ سوال کرنے کی بجائے اپنی بہن سے کرو، جسے تم بہت پارسا سمجھتے ہو۔'' اس کا لہجہ و انداز متنفرانہ تھا، مضحکہ اڑاتا ہوا تھا، حمدان نے ایک نظر حرم کو دیکھا جو بے حد مضطرب اور ڈسٹرب نظر آرہی تھی۔

''اگر تمہیں بے کار کا تجسس ہی پھیلانا ہے تو یہاں تمہارا کوئی کام نہیں، جاسکتی ہو۔'' اب وہ شرٹ پہن رہا تھا، اطمینان سے کہہ کر اسے آگ لگا گیا۔

''سارا طنطنہ بھٹی میں جلے گا، یہ ویڈیو تو دیکھو ذرا۔'' اس نے ٹھسے سے کہتے اپنا مہنگا ترین موبائل جو منیب سے فرمائش کرکے لیا تھا اس کی جانب بڑی ادا سے تھمایا، گویا اپنی فتح اپنی کامرانی کا پورا بھروسہ ہو، حمدان شرٹ پہن چکا تھا، آخری بٹن بند کرتے اسے ایک نظر دیکھا، یہ نظر بہت عام بہت سرسری تھی، ہرگز اہمیت نہ دینے والی، ہرگز قابل درخواعتنا نہ جاننے والی۔

''کیسی ویڈیو؟'' وہ اب بھی اسی اطمینان سے بولا تھا، فون لینے کو ہاتھ بھی نہیں بڑھایا۔

''دیکھ لو، دیکھو گے تو خود ہی معلوم ہوجائے گا، میری بات کا تو شاید اعتبار نہ آئے تمہیں۔'' اس کے لہجے میں طنزیہ کاٹ تھی، حمدان نے ہنکارا بھرا، ایک نظر بہت سرد قسم کی اس پہ ڈالی۔

''اگر تمہاری بات کی کوئی وقعت نہیں مجھ پہ تو اس ویڈیو کی کیا ہوگی۔'' اس کی مسکراہٹ اب آگ لگا دینے والی تھی، جو اسے بہت آسانی سے لگ بھی گئی۔

''ہاں بھلا تم کیوں اپنی بہن کے کالے کرتوتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی ہمت......''

''شٹ اپ...... روک لو اپنی واہیات زبان ورنہ۔'' حمدان کا اس پہ ہاتھ اٹھتا اٹھتا رہ گیا، شانزے غم و غصے سے پاگل ہونے لگی، حمدان نے موبائل اس کے ہاتھ سے جھپٹا اور ویڈیو آن کر

دی، کچھ دیر موبائل کی اسکرین پہ نظریں جمائے کھڑا رہا پھر سرخ چہرے کے ساتھ بند کر ڈالی، اس دوران شانزے کا انداز فاتحانہ تفرانہ اور طنز آمیز تھا، جبکہ غانیہ اور حجاب خاموش تماشائی تھیں، جو فکر مند بھی تھیں مگر حرم کا تو یہ حال تھا گویا بدن سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا ہو، معاً وہ یکدم اسے نیچے بیٹھ گئی گویا بدن نے ٹانگوں کا مزید بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا ہو، حجاب نے گھبرا کر اسے سہارا دیا۔

''ہوں۔'' حمدان شانزے کی سمت متوجہ ہوا اور محض ہنکارا بھرا۔

''یہ تم نے خود بنائی؟'' وہ بہت معتدل تھا، عجیب انداز میں سوال کر رہا تھا، شانزے پہلی مرتبہ گڑبڑائی اور سر بے ساختہ نفی میں ہلایا۔

''پھر کس نے بھیجی؟''

وہ اگلا سوال کر رہا تھا، انداز ہنوز تھا، حجاب اور غانیہ اب تشویش کا شکار متفکر نظروں سے باری باری دونوں کے چہرے دیکھتی تھیں اور جیسے کسی نتیجے پہ پہنچنے سے قاصر تھیں۔

''عباس نے۔'' شانزے نے اپنا اعتماد بحال کرنا چاہا، جو بہر حال حمدان کی نظروں اور اس کے سوالات نے زائل کر دیا تھا۔

''عباس نے۔'' حمدان پھر ہنکارا بھر کے رہ گیا، نظریں اسی پہ جمی تھیں جن میں بلا کی سرد مہری تھی۔

''عباس نے کیوں تمہیں بھیجی؟ یہ آگ لگانے کو یا محض انجوائے کرنے کو؟ ان سوالوں کو بھی بھاڑ میں جھونکو، عزیزی شانزے یہ بتاؤ اس کے ٹرمز تم سے اتنے سو کولڈ ہیں کہ وہ ساری فیملی کو چھوڑ کر تمہیں ایسا مواد بھیجنے لگا، یا پھر اس بھڑکائی ہوئی آگ میں تمہارا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ہے؟'' وہ لفظ چبا رہا تھا، پھنکار رہا تھا، غانیہ صورتحال سے پوری طرح باخبر نہیں تھی مگر بہن کا دفاع کرتا ہوا بیٹا اس کی تقویت کا باعث ضرور ثابت ہوا، مرتی ہوئی امید پھر سے زندہ ہوئی انہیں لگا وہ کھڑی رہ سکیں گی، ورنہ شاید زمین بوس ہو جاتیں، شانزے کا رنگ بدلا بالکل متغیر ہوا، اسے گمان نہ تھا شاید کہ بازی اس پہ بھی الٹ سکتی ہے۔

''یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟'' اپنی غلطی چھپانے کا بہترین حل چلانا تھا، سو وہ زور سے چلائی، حمدان نے اسے بری طرح گھر کا۔

''شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ، اپنی آواز کا والیوم نہ بڑھاؤ کہ اس کا فائدہ حاصل ہونے والا نہیں کوئی تمہیں، اور یہ تھرڈ کلاس بلیک میلنگ بھی کہیں اور جا کے کرو، تمہیں بتاؤں میں کہ اس سے تم نے خود اپنا تعارف پیش کیا ہے میرے سامنے، ورنہ میں عقل کا اتنا اندھا نہیں کہ ان خرافات پہ اعتبار کر کے بیٹھ جاؤں۔'' وہ انگلی اٹھا کر پھنکارا تھا، شانزے اس دوران خود کو سنبھال چکی تھی، نہ صرف سنبھال چکی تھی بلکہ اگلا حربہ بھی سوچ چکی تھی، جبھی ایکدم چھکوں پھکوں رونے میں تاخیر نہ کی، شور مچانے کا انداز میں کیا جاہلانہ تھا۔

''تم الزام لگا رہے ہو مجھ پہ، وہ بھی اپنی بہن کے کالے کرتوت چھپانے کے لئے، میں تمہیں اس کا مزا ضرور چکھاؤں گی حمدان منیب، اپنے نام کے بالکل الٹ ثابت ہوئے تم تو، ارے تف

ہے تم پہ۔'' وہ ہاتھ فضا میں لہرا لہرا کر آنکھیں نکالتے غرا رہی تھی، حمدان نے متنفرانہ نگاہ اس پہ ڈالی اور چہرے کا رخ پھیر لیا۔

''تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو، میں ایسے اوچھے ہتھکنڈوں سے خائف ہونے والا نہیں۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ واپس کمرے میں چلا گیا تھا، الماری سے استری کیا ہوا سوٹ لیا اور نہانے گھس گیا، باہر آیا تو غانیہ کو ناشتے سمیت اپنا منتظر پایا تھا، ٹرے سامنے رکھے وہ گم صم متفکر و مضطرب نظر آئی تھیں، حمدان نے تولیے سے بال خشک کیے اور برش اٹھا کر بال سنوارنے لگا۔

''وہ سب کیا تھا حمدان؟'' ان کے سامنے آ کر بیٹھا تو انہوں نے اضطراب کے عالم میں سوال کیا۔

''محض ایک ڈرامہ، وہ بھی بری طرح کا بوگس، سوڈونٹ وری۔'' وہ ناشتے کی سمیت متوجہ تھا، گلاس میں پہلے ان کے لئے جوس نکالا گلاس ان کی سمت بڑھایا، تب وہ بری طرح چونکیں۔

''مگر بیٹے!''

''پریشان نہ ہوں، میں ہوں نا مما!'' اس نے بے ساختہ ان کے ہاتھ تھام لئے اس سے بھی زیادہ بے ساختگی میں غانیہ کے آنسو مچلے اور گالوں پہ پھیل گئے، حمدان نے بہت دکھ کے عالم میں ان آنسوؤں کو دیکھا انہیں اپنی پوروں پہ سمیٹا تھا۔

''جب میں چھوٹا تھا آپ کو اکیلے آزمائش میں مبتلا دیکھتا تو سوچتا تھا زیادہ وقت نہیں ہے بیچ میں، پھر میں بڑا ہو جاؤں گا، بہت مضبوط بہت اسٹرانگ، آپ کا ستون آپ کی آڑ بن جاؤں گا مگر آج مجھے لگا میں ہار گیا ہوں ممی، آپ کے آنسو میری ہار کے واضح غماز ہیں۔'' وہ اتنا مضمحل تھا کہ آواز بالکل پست ہو گئی تھی، غانیہ نے تڑپ کر اسے گلے لگا لیا۔

''آئی ایم سوری بیٹے، بہت معذرت خود کو سنبھال نہ سکی، دراصل انسان خود ہر آزمائش سے گزار لیتا ہے خود کو مگر اولاد ایسی کمزوری ہے کہ......''

''میں سمجھ سکتا ہوں، مجھے اندازہ ہے ممی، آپ بالکل ٹینس نہ ہوں، میں حرم کو اس آزمائش سے بچانے کے لئے ہر بھگتان بھگتوں گا۔'' وہ پر عزم تھا، غانیہ اسے دیکھتی رہیں، پھر نم آنکھوں سے مسکرا دیں۔

''جیتے رہو، اللہ نیک نصیب عطا فرمائے میرے بچے۔''

ہوا اب گرم ہو گئی تھی، نہر کے پانی ساکن تھے، آسمان شدید دھوپ برساتا تھا، فضا خاموش اور دور تک پھیلے کھیتوں کے سلسلے میں گرد آلود ہوا کے بگولے ناچتے نظر آتے تھے یا کوئی اکا دکا راہ گیر، وہ تھک کر ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا، اس کا ذہن تنا ہوا تھا، غانیہ سے کہہ تو دیا تھا بھگتان بھگتنے کو تیار ہے مگر یہ بھگتان شانزے کی صورت تھا تو اک عذاب تھا، پھر یہ نیا انکشاف کہ اس کے عباس جیسے اوباش انسان سے بھی تعلقات تھے، چاہے جس نوعیت کے بھی ہوں چاہے جس مقصد سے بھی ہوں، نیا ڈبونے والے سہارا دینے والے کب بنتے ہیں، بنیادیں گرانے والوں کو محافظ سمجھنا دانائی تو نہیں کہی جا سکتی، وہ اس کی نسل کی امین ٹھہرانے کے لائق نہ تھی، دل میں تو جگہ بنا نہ سکی، نظروں سے بھی خود کو گرا لیا پھر خانہ آبادی کا تصور کیونکر محال نہ لگتا، اسے لگا وہ عجیب

مشکل میں پھنس گیا ہے، بلکہ مکڑی کے جال میں الجھ گیا ہے، یہ الجھن اضطراب کا باعث تھی، دکھ میں مبتلا کرتی تھی، وہ دکھ میں مبتلا تھا۔

☆☆☆

تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی
محبت کی راہوں میں آ کر تو دیکھو
تڑپنے پہ میرے نہ پھر تم ہنسو گے
کبھی دل کسی سے لگا کر تو دیکھو

اس نے کھڑکی کھولی تو ہوا کے دوش پہ لہراتی آواز سماعتوں میں از خود جگہ بنانے لگی، اس کا معصوم دل کچھ اور معصوم ہوا، سر کھڑکی کی سلائیڈ سے ٹکاتے نظریں بے کار سامنے دوڑانے لگی۔

وفاؤں کی ہم سے توقع نہیں ہے
مگر ایک بار آزما کے تو دیکھو
زمانے کو اپنا بنا کر تو دیکھا
ہمیں بھی تم اپنا بنا کر تو دیکھو
تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی
محبت کی راہوں میں آ کر تو دیکھو

دروازہ ہولے سے کھلتا چلا گیا، قدم بڑھاتی وہ بے مقصد باہر آئی، آواز یہاں اور بھی واضح تھی دردناک آواز المیہ شاعری اس کا دل ہم آہنگ کیفیت سمیت گداز ہوا تو آنکھیں نمی سمیٹ لائیں، دھول اور پتوں سے بھرا صحن نظر کے سامنے تھا، خزاں کا موسم تو نہیں تھا پھر بھی اتنے سوکھے پتے، دھوپ ابھی رخصت نہ ہوئی تھی، گرم دن اور ویران گھر نے اس کی آسیب زدہ دل کو کچھ اور بھی وحشت سے بھر دیا۔

خدا کے لئے چھوڑ دو اب یہ پردہ
کہ ہیں آج ہم تم نہیں غیر کوئی
شب وصل بھی ہے حجاب اس قدر کیوں
ذرا رخ سے آنچل ہٹا کر تو دیکھو
تڑپنے پہ میرے نہ پھر تم ہنسو گے
ذرا دل کسی سے لگا کر تو دیکھو
تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی

وہ ایک جگہ آ کے تھم گئی، گلاب اور موتیے کے پودے کیاریوں میں بہار دکھا رہے تھے مگر کیاریاں سوکھی ہوئی اور خشک تھیں، موتیے کی سفید پھولی پھولی کلیوں میں تتلیاں منڈلا رہی تھیں، ہوا کی ہلکی سی چھیڑ خانی لیموں کی ہلکی لرزش مہک پھیلی وہیں کچھ کلیاں بھی بکھر گئیں، وہ خود بھی ان بکھری کلیوں کی نازک نازک پتیوں میں الجھ رہی تھی، اسے بھی اپنا آپ ان کلیوں کی طرح بکھرا ہوا اور بے مایا لگ رہا تھا۔

جفائیں بہت کیں بہت ظلم ڈھائے
کبھی اک نگاہ کرم اس پہ بھی
ہمیشہ ہوتے دیکھ کر مجھ کو برہم
ذرا سا کبھی مسکرا کر تو دیکھو
تڑپنے پہ میرے نہ پھر تم ہنسو گے
کبھی دل کسی سے لگا کر تو دیکھو

اس کی آنکھیں جانے کس کس خیال سے نمی سمیٹ لائیں، دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر بھینچنے لگا، اسے عجیب سی وحشت نے گھیرا۔

''کیا وہ تسلیم کرلیں گی؟ کیا وہ مکر جائیں گی؟ کاش مکر جائیں۔'' اس کا دل بے ساختہ ملتجی ہوا۔

اگرچہ کسی بات پر وہ خفا ہیں
تو اچھا ہی ہے تم اپنا سی کر لو
وہ مانیں نہ مانیں یہ مرضی ہے ان کی
مگر ان کو پر تم منا کر تو دیکھو
تڑپنے پہ میرے نہ پھر تم ہنسو گے
محبت کی راہوں میں آ کر تو دیکھو

دوپہر تو ڈھل چکی تھی مگر ابھی دھوپ کا روشن نکھار زوال پذیر نہ ہوا تھا، پہاڑیوں کے درمیان اور ان کی ڈھلوانوں پر قدیم طرز کے کہنہ مکانات آپس میں جڑے دکھائی دے رہے تھے، اس نے ایک بار پھر گھڑی دیکھی، انتظار کا تو دوسرا نام ہی کوفت اور اضطراب ہے، اگر یہ طویل ہو جائے تو پھر کیا کہنے، وہ چلتی ہوں آہنی چوڑی دیوار کے قریب آئی، اب باہر کا منظر واضح تھا، جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی وہاں عین سامنے ایک مقامی پروویژن سٹور کے گدلے شیشوں کے پیچھے ایک نوجوان جمائیاں لیتا دکھائی دے رہا تھا، سائے اب طویل ہونے لگے تھے، سامنے سبزے میں گھری ایک کچی پکی سڑک تھی، جو کہیں ادھڑ جاتی کہیں سیمنٹ شدہ کچھ حصے نظر آ جاتے، دائیں جانب سڑک سے ذرا ہٹ کر تین چار منزلہ سرکاری عمارت تھی، جو خستہ اور بے آباد نظر آتی تھی، معاً اس کی آنکھوں میں ایک دم سے اک امید لہرائی، دھوپ میں سلگتی کھجوروں کے تناور بلند قامت اور ٹھگنے، گھنے اور چھدرے درختوں کے درمیان پوشیدہ روپوشی اک سکوت بھری خاموشی میں گھری سڑک جہاں ہوا کا چلنا بھی موقوف تھا، صرف دھوپ درختوں میں سے اترتی تھی، قیمتی چمکتی گاڑی دور سے آتی دیکھی جا سکتی تھی، وہ بلا جھجک کہہ سکتی تھی، اس گاڑی میں موجود ہستی اس کی ماں کے سوا کوئی اور نہ تھی، اس نے گہرا سانس بھرا اور ستون کے ساتھ پڑے پرانے مونڈھے پہ ٹک گئی، اب انتظار اختتام کی جانب تھا، چند لمحے گزرتے اور وہ عورت اس کے سامنے ہوتی جسے اپنا انتظار کرانے کی عادت پختہ تھی، کچھ لمحے گزرے اور وہ واقعی اندر آ گئیں۔

گاڑی میں بیٹھی وہ عورت واقعی راج کماری لگ رہی تھی، وائیٹ شیفون کی نازک کڑھائی

والی ساڑھی ڈائمنڈ کی نازک جیولری پہنے بے حد قیمتی سن گلاسز لگائے تمکنت سے اٹھی راج ہنس کی طرح اٹھی گردن، وہ بالکل سامنے دیکھ رہی تھی، حسن و بے نیازی کا ایسا مرقع جسے کوئی پہلی بار لاشعوری نظر سے دیکھنے کے بعد دوسری بار دیکھنے کی ہمت نہ کر پائے، دعوت حسن مقابل کی ہمت اور حوصلوں کو مسمار کرنے کو کافی تھے، وہ اسے دیکھتی رہی، دونوں ماں بیٹی میں زمین آسمان کا فرق تھا، مشرق مغرب کا فرق تھا، وہ جتنی حسین تھیں، وہ اتنی ہی عام سی، بالکل قبول صورت کوئی بھی انہیں ماں بیٹی کے رشتے میں آسانی سے قبول نہ کر پاتا، ان کی بیٹی کی حیثیت سے وہ ہمیشہ حیرت کا سامنا کرتی آئی تھی، اس کی ماں بہت خاص ہستی تھی اور وہ خود کچھ بھی نہیں، جیسے زندگی کی اس اہم بساط پہ اس کی ماں پھر اس سے جیت گئی، وسیع گیٹ پورا کھلا تھا، گاڑی سے نکلتے انہیں کیاریوں میں منہ مارتی بکریاں نظر آئیں، یہ وہ بکریاں تھیں جو سارا دن گاؤں کی گلیوں میں آوارہ پھرتیں، جس گھر کا دروازہ کھلا ملتا اس میں گھس کر حسب خواہش جو نظر آتا اس کی جگالی کر جاتیں، انہوں نے شکار کر بکریوں کو نکالا اور پلٹ کر خود گیٹ بند کیا، آدھا صحن دھوپ سے بھرا تھا اور آدھے پہ سائے جھک آئے تھے، یہ اپریل کا وسط تھا، فضا میں گرمی کی شدت بڑھ گئی تھی، مگر اس کونے میں جہاں لیموں کی شاخیں اور موتیے کا جھاڑ پھیلا تھا ٹھنڈی میٹھی سی ٹھنڈک میں موڑھے پہ بیٹھی لڑکی انہیں بے تاثر نظروں سے دیکھتی تھی، سالوں بعد ملنے پہ سامنا ہونے پہ بھی اس کی نظریں سالوں قبل بچھڑتے وقت کی طرح انہیں شاکی لگیں، پتا نہیں کیوں شاکی لگیں۔

''کیسی ہو ڈیئرسٹ! سویٹ ہارٹ!'' وہ خود نزدیک آ گئیں، خود اس کے پاس ٹک کر چٹ چٹ اس کے گال چومے۔

''اس انسان سے احوال پوچھنا تو سراسر اخلاقیات کی توہین ہوئی ناما م! جس کی بے خبری میں اس کے گھر پہ اس کی آخری پونجی پہ آپ شب خون مار چکے ہوں۔'' وہ جیسے بے تاثر نظر آتی تھی ویسے ہی بے تاثر نظر آئی، مگر اس کے الفاظ انگارے چباتے تھے، سلگتے تھے جھلساتے تھے، وہ چونک گئیں۔

''پھر کوئی شکوہ، تمہاری ناراضگی کبھی ختم بھی ہو گی سویٹی؟'' وہ یکا یک تھک گئیں، اندر جانا چاہتی تھیں مگر وہیں ٹھہر کے بات چیت کو ترجیح دی، شاید اندر جانے مل بیٹھنے کی نوبت نہیں آنے والی تھی۔

''نہیں...... کیونکہ آپ نے کبھی ختم کرنے والا کوئی کام ہی نہیں کیا۔'' وہ طنزیہ پھنکاری، راجکماری نظر آتی عورت نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''خود بھی وضاحت بھی کر دو۔'' اب کے اس کا غرور اس کی بیٹی کے سامنے بھی سر بلند نظر آیا۔

''آپ کہہ دیں کہ یہ جھوٹ ہے، سلمان خان سے آپ کا اسکینڈل جھوٹ ہے، وہ شخص جو ہوش سنبھالتے ہی میرے حواسوں پہ چھا گیا، جو پاس آنے کی اجازت نہیں دیتا نہ دور جانے دیتا ہے، پتا نہیں اس شخص کے گریز میں بھی کیسی مقناطیسی کشش ہے کہ میں ہر شے کو فراموش کر گئی، کیا کیا بتاؤں کہ میں نے ان کے حصول کی خاطر کیا کچھ کیا ساحل اور سمندر کا یہ کھیل برسوں سے جاری تھا کہ آپ مجھ پہ کیا قہر برپا کرنے لگیں، میری ماں ہو کر، آپ میری ماں ہیں تو مجھے اس اذیت سے

بچالیں۔'' وہ گڑگڑا رہی تھی، یونہی گڑگڑاتے ہوئے ان کے قدموں میں گر گئی، راجکماری نظر آتی عورت کے چہرے پہ بلا کا تغیر برپا ہوا، وہ ششدر سی ششدر نظر آنے لگی تھی۔

''میں خود آگاہ ہوں، خود سے واقف ہوں، جانتی ہوں وہ آسمان جیسا شخص میرا نصیب نہیں بن سکتا مگر...... مام!...... اس رشتے کے ساتھ نتھی کر کے مجھ پہ ایسی اذیت مسلط مت کریں، آپ ساحرہ ہیں، جو چاہتی ہیں کر لیتی ہیں، پیچھے ہٹ جائیں، خدارا ہٹ جائیں۔'' وہ آنسوؤں میں بہہ رہی تھی، دھیرے دھیرے گھلتی جا رہی تھی، راجکماری کے ساکن وجود میں جنبش ہوئی، دو قدم پیچھے ہٹ گئی، گرد آلود کچی زمین پہ اس کے نوک دار ایڑی کے جوتے کا نشان بے دردی سے ثبت ہوا۔

''میں یہ نہیں پوچھوں گی، یہ سب کیونکر معلوم ہوا، میں بس یہ کہوں گی جس سے تم رحم کی بھیک مانگنے آئی ہو وہاں خود تمنائی ایسی ہے کہ کسی کی خاطر کبھی کچھ قربان نہیں ہوا، مجھے خود سے بڑھ کر کسی سے محبت نہیں، تم سے بھی نہیں، اٹھو اور واپس لوٹ جاؤ، تم سے بھی قیمتی بہت کچھ راہوں میں لٹا کے یہاں پہنچی ہوں، میں تمہارے خالی کاسے میں سلیمان خان نہیں ڈال سکتی، کیسے ڈال دوں وہ قیمتی شخص جو خود میری برسوں کی ریاضتوں کا ثمر ہے، اتنی فیاض تو میں کبھی نہیں تھی۔'' پھر کسی تاخیر کے راجکماری پلٹی اور گاڑی میں بیٹھتے ہی دیکھتے دیکھتے نظروں سے اوجھل ہوگئی، وہ جس زاویے پہ تھی، اس زاویے پہ ساکن ہوگئی، بے یقین، ششدر، بھونچکی۔

روشنی نیم تاریکی میں گھلتی جا رہی تھی، سورج مکمل ڈوب چکا تھا، اس کی امید کا بھی، اس کی آس کا بھی، رشتوں کا بھرم ٹوٹ چکا تھا، مکمل ٹوٹ چکا تھا، جو لولا لنگڑا رشتہ تھا وہ بھی آج اپنی موت آپ مرا، کیا کسی نفرت کا کسی انتقام کا نقطہ آغاز ہو رہا تھا؟

☆☆☆

کس قدر صاحب جمال ہے تو
حد ہے اندھیر ہے کمال ہے تو
چوم لوں ہاتھ اس عناع گر کے
جس کی رعنائی خیال سے تو
کیا تو خود اتنا خوب صورت ہے
یا میری واردات حال ہے تو

وہ مسکرا رہا تھا، گنگنا رہا تھا، قدر سنجیدہ تھی، سنجیدہ رہی، علی شیر نے بغور اسے دیکھا، گویا موڈ کا اندازہ کرنا چاہا۔

مسکراہٹ ہے حسن کا زیور
مسکرانا نہ بھول جایا کرو

اب کے وہ شریر انداز میں کھنکارا، قدر نے ناراضگی سے اسے دیکھا تھا۔

''کیوں بلایا ہے مجھے یہاں؟'' وہ ہنوز روٹھی بیٹھی تھی، آج کل موڈ عجیب سا ہو رہا تھا۔

''کیا میں تم سے نہیں مل سکتا ہوں قدر، گھر میں ملنے پہ تم نے پابندی لگا دی۔''

''وجہ آپا ماں ہیں، بیک ورڈ ہیں جانتے تو ہو تم انہیں، پسند نہیں کرتیں ان باتوں کو۔'' قدر کو نہ

چاہتے ہوئے بھی وضاحت دینا پڑی، علی شیر کی تیوری چڑھ گئی تھی۔
''انہیں اتنی اہمیت دینے کا مقصد؟ ملازمہ ہیں وہ تمہاری، ماں نہیں۔'' وہ پھنکارنے لگا تھا حسب معمول۔
''پپا تو انہیں مگر اپنی ماں کی طرح ہی عزیز رکھتے ہیں۔'' وہ مسکرائی گویا اسے چڑایا، علی شیر نے سر زور سے ناگواری سے جھٹکا۔
''ایک تو مجھے تمہارے باپ کی سمجھ نہیں آتی، ایسا عجیب بندہ اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا۔'' وہ تلخ ہو رہا تھا، قدر نے اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا۔
''یہ تم پپا کے لئے کیسے الفاظ استعمال کر رہے ہو علی۔'' علی نے جواب نہیں دیا، وہ جس زاویے سے بیٹھا تھا، زرد نارنجی سورج کی شعاعوں میں پورے کا پورا نہایا ہوا سورج پہ ہی نظریں گاڑھے بیٹھا تھا، اس بات کے جواب میں رخ پھیر کر اس کی جانب پلٹا تو نارنجی شعاعیں اس کی اطراف سے کھل کر اس کی آنکھوں میں ڈوبنے لگیں، یہ منظر اسے مزید خوبرو بنا کر دکھانے لگا تھا، قدر نے نگاہ پھیر لی۔
''ہماری پہلے بھی اسی وجہ سے تلخ کلامی ہو چکی ہے غالباً۔''
''غالباً نہیں یقیناً۔'' قدر کا لہجہ طنزیہ ہوا، معاً وہ مزید گویا ہوئی۔
''کیا تمہیں اس کے بعد احتیاط سے کام نہیں لینا چاہیے تھا؟'' علی شیر کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے۔
''اگر تم مجھ سے معمولی اور بے کار باتوں پہ الجھنے کی نیت سے ہی آئی ہو تو میرا خیال ہے یہاں رکنا بے کار ہے، ہمیں فی الفور واپس چلنا چاہیے۔'' وہ کاٹ کھانے والے انداز میں کہتا پلٹ کر چل پڑا، قدر اسے گھبرا کر دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی، وہ جس جگہ جا کے مڑا اور نظروں سے اوجھل ہوا، وہاں سامنے دو دھول آلود راستے تھے، ان راستوں پر کہیں چھاؤں تھی، کہیں تیز دھوپ، چھاؤں وہاں تھی جہاں نیم اور دھریک کے پستہ قدم درخت سایہ کرتے تھے۔
وہ اسے کہاں لے آیا تھا اور اب یوں اچانک چھوڑ کر کیسے کیونکر چلا گیا تھا وہ بھونچکی کھڑی تھی، بالکل ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ جب ایک بائیک زن سے اس کے پاس سے گزری، کچھ فاصلے پر جا کر ٹرن ہوئی اور پھر سے اس کے پاس آ کر رکی، قدر نے گھبرا کر مضطرب نظریں اٹھائیں۔
''آپ...... یہاں؟'' وہ کتنا حیران تھا، اس سے بڑھ کر حیران تھا، قدر اس قدر خالی الذہن ہو رہی تھی کہ اسے پہچاننے سے قاصر رہی۔
''آپ اکیلی ہیں؟'' وہ جو بائیک سے ایک پیر اتارے زمین پہ ٹکائے آنکھوں میں حیرانی کا تاثر لئے استفسار کر رہا تھا ہمدردی سے بولا کہ اس سوال کے جواب میں قدر کی آنکھیں یکلخت پانیوں سے بھر کر چھلکنے کے قریب ہو گئی تھیں۔
''وہ...... یہیں ہو گا، میں دیکھتی ہوں، ایسے مجھے چھوڑ کے وہ کیسے جا سکتا ہے بھلا؟'' قدم بڑھاتے نظریں اطراف میں بھٹکاتی، وہ خود کلامی کے انداز میں بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی،

حمدان نے اس سے نگاہ ہٹا کر دور تک دھول اڑاتے خالی ویران راستوں کو دیکھا پھر دوبارہ اسے دیکھنے لگا۔

''آپ کے ساتھ کون تھا یہاں؟ آئی مین آپ کس کے ساتھ آئی ہیں؟'' ایک بار پھر سوال ہوا، ایک بار پھر توہین سبکی اور خفت کا احساس گہرا ہوا، وہ جو یقین کر پائی تھی کہ وہ واقعی جا چکا ہے، اب یقین کر پائی تھی کہ نظریں چراتی سر جھکائے پلکیں جھپک جھپک آنسو اندر اتارنے لگی۔

''قدر بی بی۔'' وہ گویا اس کے جواب کا منتظر تھا، متوجہ کرکے کھنکارا تو اسے یکدم جلال آ گیا۔

''تم کیوں انوالو ہو رہے ہو مسٹر، اپنا راستہ ناپو۔'' اس کا انداز مخصوص تھا، بے لحاظ بے دید اور بدتمیزانہ، حمدان نے گہرا سانس بھرا۔

''آیئے چھوڑ دوں آپ کو۔''

''میں خود جا سکتی ہوں، ٹانگیں سلامت ہیں میری۔'' اسے گھورتی وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی، حمدان نے گہرا سانس بھرا، مسکراہٹ ضبط کی۔

''مجبوری سمجھ لیں، آپ کو یوں بیچ راہ بے یارو مددگار نہیں چھوڑ سکتا، آپ کو زحمت تو کرنا پڑے گی۔'' اپنے پیچھے بائیک کی سیٹ کی جانب اشارہ کرتا وہ قطعی انداز میں گویا ہوا تو قدر واقعی جھنجھلا گئی تھی، چہرہ جانے کیوں سرخ ہوا، یعنی بے یارو مددگار چھوڑ جانے والا اس کا کچھ نہیں لگتا تھا اور یہ سب کچھ ہو گیا، اسے پھر عجیب سی توہین نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''تم مسلط کیوں ہو جاتے ہو آخر؟ جان چھوڑ بھی دیا کرو۔''

''تھنک گاڈ! اس کا مطلب بالآخر آپ نے پہچان لیا مجھے۔'' قدر جتنا تلخ ہوئی جواباً وہ اس قدر سکون واطمینان سے بولا تھا، قدر دانت بھینچے اسے گھورتی رہی، اسے مستقل جمے پا کر ہار قدر کو ہی ماننا پڑی تھی، طوعاً وکرہاً سہی اس کے ساتھ بائیک پہ بیٹھ گئی تھی۔

''اس اعزاز کو بخشنے پہ شکریہ ادا نہیں کروں گا، دھیان سے بیٹھیے گا، بائیک تیز چلانے کی عادت نہیں مرض ہے مجھے اور مرض مرضی سے نہیں چھٹتے۔'' بائیک کو کک لگاتے ہوئے قدر کو لگا وہ مسکرایا بھی ہے، اس کا دل تاؤ سے لبریز ہو گیا، جی چاہا اس کی چوڑی پشت پہ زوردار گھونسا مارے یا اور کچھ نہیں تو اس کے بہت اسٹائل میں بنے گھنیرے بالوں کو ضرور نوچ لے۔

گلابی شام دھیرے دھیرے دھرتی پہ اترتی جا رہی تھی، ارد گرد ٹریفک کا ہجوم تھا، اشیاء کے انبار تھے، سجے سنورے چہرے، منظر ایک کے بعد ایک بدلتے گئے، ان کے پاس سے پھول بیچنے والا آواز لگاتے گزرا، گلاب اور چنبیلی کی مہک نے قدر کو اپنے حصار میں جکڑ لیا۔

''صاحب! پھول لے لو بیگم صاحبہ کے لئے؟'' بائیک سگنل پر رکی ہوئی تھی، پھولوں والا لڑکا قریب آ کر رک گیا۔

''معذرت ینگ مین، ہم بیگم صاحبہ نہیں رکھتے سو پھول بھی نہیں لے سکتے۔'' جیب سے ایک لال نوٹ نکال کر نو عمر لڑکے کو زبردستی تھماتا وہ مسکرا کر گویا ہوا اور بائیک کو کک لگا دی، اشارہ بند ہو چکا تھا، پیچھے پھولوں والا لڑکا حیران نظر آتا مسلسل کچھ کہہ رہا تھا، جو دونوں نے نہیں سنا، بائیک آگے بڑھ گئی تھی۔

''جب فیاضی دکھا دی تھی تو پھول بھی لے لیتے، شکل سے دیکھنے میں تو بچوں والے بھی لگتے ہو، اونہہ پتہ نہیں لوگوں کو جھوٹ بول کے مل کیا جاتا ہے آخر۔'' حمدان نے اس کی آواز سنی تھی اور بے ساختہ مسکراہٹ ضبط کی۔

''دل پہ نہ لیں جان تو پہلے ہی بہت زیادہ نہیں مزید خود کو ہلکان کریں گی تو بالکل دھان پان سے جائیں گی۔'' اس نے صاف صاف اسے چھیڑا، جانے کیوں موڈ ایک دم سے خوش گوار ہو گیا تھا، ایسے گویا چلچلاتی دھوپ میں اچانک ریشمی رنگین آنچل نے اپنے نرم ٹھنڈک بھرے حصار میں لے کر تھپک دیا ہو تھکے ماندے اعصاب کو، وہ شعلہ جیسی لڑکی آج شبنم کے قطرے کی مانند شفاف اور تسکین آمیز تھی۔

''شٹ اپ۔'' وہ اتنا جھنجلائی کہ غرا اٹھی، پھر اس کی شرٹ کالر سے کھینچ ہوتے خراب موڈ میں گویا ہوئی۔

''اتار دو مجھے یہاں، راستہ پتا ہے خود چلی جاؤں گی۔''

''بہت معذرت میم! مجھے اپنے کام ادھورے رکھنے کی عادت نہیں اور راستے میں چھوڑ جانے والوں کے تو سخت خلاف ہوں قسم سے۔'' اب کے وہ بہت نخوت سے بہت اٹل لہجے میں جتا چکا تھا، قدر کا غصہ سر چڑھ کے بولا۔

''میں نے تمہارا مزاج نہیں پوچھا جو اپنی تعریفوں میں رطب اللسان ہو گئے ہو سمجھے۔'' اس کے لہجے سے دبا دبا غصہ اور شدید خفگی مترشح تھی۔

''خفا کیوں ہوتی ہیں، میں نے تو اپنے تئیں آپ کو منزل مقصود تک پہنچانے کی نوید دی ہے۔'' حمدان کا لہجہ اس کا انداز پھر بدل گیا، پھر خوش گوار ہو گیا، قدر البتہ بہت چڑی تھی پھر بھی۔

''ہر لڑکی کو اپنی زندگی کے معاملات میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، خاص کر کسی بھی مرد کے معاملے میں، بی کوز ہر ساتھ چلنے والا مخلص نہیں ہو سکتا۔'' بائیک روکتے ہوئے اس نے بہت پریشان انداز میں نصیحت ضروری سمجھی، قدر کا چہرہ پھر سرخ ہوا۔

''ہاں بالکل...... جیسے تم۔'' وہ پھنکاری، اسے باقاعدہ گھور رہی تھی، حمدان محض مسکرایا۔

''سر کو میرا اسلام پیش کیجئے گا۔'' بائیک موڑتے ہوئے وہ کچھ اور کہہ رہا تھا، قدر پھر بھی بہت تپ اٹھی۔

''میں اتنے بھاری بوجھ نہیں لادا کرتی، تمہاری زبان ٹوٹی ہوئی نہیں ہے، خود دے دینا۔'' قدر اپنے مخصوص غصیلے اور گھن گرج کے انداز میں تڑخ کر کہہ گئی تو حمدان نے جواباً مسکراہٹ پاس کرتے ہوئے اسے بے حد شریر نظروں سے دیکھا تھا۔

''بجا فرمایا، بالکل سلامت ہے، لیکن سوچ لیں، اس کے لئے مجھے آپ کے گھر آنا پڑے گا جو بہر حال آپ کے لئے ہی مشکلات اور مسائل کا باعث ہو سکتا ہے۔''

صاف ظاہر تھا، وہ اسے تنگ کر رہا ہے، ستا رہا ہے، چڑا رہا ہے، قدر کی گلابی رنگت تمتما اٹھی، آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔

''تم...... دفع ہو جاؤ۔'' دانت بھینچ کر وہ بھینچی ہوئی آواز میں ہی بولی تھی، حمدان نے اس کی

تپی رنگت کو جی بھر کے دیکھا، مزا لیا اور سرخم کرتا اگلے لمحے بائیک بھگا کرلے گیا، قدر اٹھتی دھول کو دیکھتی کتنی دیر بعد تک بھی دانت کچکچاتی رہی تھی، تلملاتی رہی تھی۔

☆☆☆

چاند کا چوما ہوا
سرخ گلابی چہرہ
ایسی ٹھنڈک ہے
جو آگ لگا دیتی ہے

دونوں بازو سر کے نیچے ٹکائے نیم دراز وہ وہاں موجود ہو کے بھی گویا موجود نہیں تھا، نظروں میں اس کا وہی چہرہ تھا، تپا تپا، خفا خفا۔

شبنم اور شعلہ جیسی لڑکی دل کے بہت قریب محسوس ہوئی، دل کو دکھاتی ہوئی کسک میں مبتلا کرتی ہوئی، ہونٹوں سے مسکراہٹ اسی دل میں اٹھتے درد نے دھیرے دھیرے نوچی تھی، اس کے ہاتھ اضطراری کیفیت کے زیر اثر سگریٹ سلگانے لگے، ایک کے بعد دوسرا کش، اور پھیلتا ہوا دھواں۔

وہ خود فراموشی کی کیفیت میں جانا چاہتا تھا مگر دروازے پہ دستک ہونے لگی وہ چونکا اور سنبھل کر سگریٹ بجھا ڈالا، مگر دھواں اتنی جلدی غائب ہو سکتا تھا نہ تمبا کو کی مخصوص خوشبو، وہ بوکھلا کر اٹھا، اس کے سامنے حرم کھڑی تھی۔

''آپ سگریٹ کب سے پینے لگے؟'' وہ متفکر نظر آ رہی تھی۔

''یہ اتنی قابل تشویش بات نہیں سویٹ ہارٹ، تم کہو خیریت ہے؟'' اس کا جوابی انداز ہلکا پھلکا تھا، حرم نے طویل سرد آہ بھری۔

''اس دن شانزے نے جو۔''

''یہ اتنی اہم بات تو ہرگز نہیں ہے حرم۔'' حمدان نے ٹوک کر اسے ریلیکس کرنا چاہا۔

''میرے لئے بہت ہے بھائی، پلیز۔'' اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں، حمدان کو عجیب سے دکھ نے آن لیا، لڑکیاں اپنا بھرم اپنا پندار عزیز رکھتی ہی اچھی لگتی ہیں، اسے خوشی ہوئی اس کی بہن اتنی باوقار تھی۔

''میں جانتا ہوں حرم گڑیا کہ تم بے گناہ ہو، صرف ایک بات کا جواب دو اور کوئی وضاحت ضروری نہیں، بتاؤ عباس جیسے لڑکے کو شریک حیات کے طور پہ قبول کرتی ہو تم؟'' وہ بے حد سنجیدہ تھا، کتنے دنوں سے یہ بات اس سے کرنا چاہ رہا تھا۔

''اسے اس حوالے سے پپا میرے لئے برسوں قبل منتخب کر چکے ہیں بھائی۔'' حرم کا لہجہ سپاٹ ہوا، حمدان نے زور سے سر جھٹکا۔

''میں تم سے کر رہا ہوں یہ سوال، تم اپنی مرضی بتاؤ گی مجھے۔'' وہ ٹوک کر مگر نرمی سے استفسار کر رہا تھا۔

(جاری ہے)

سردیوں کی شام تھی، آسمان پر کالے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے، خون جمانے والی سردی تھی، سب ایسے موسم میں گرم کمروں میں گم تھے پر ایک وجود ایسا بھی تھا جس پر ایسی ٹھنڈی ہوائیں بھی کوئی اثر نہ چھوڑ رہی تھیں۔

وہ اپنے اردگرد سے بیگانہ تھی، بغیر سویٹر اور گرم شال کے وہ لینن کے سوٹ میں ملبوس تھی، اس کے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا جو شاید کچھ دیر پہلے بنایا گیا تھا، اب اس کی بے اعتنائی کا شکار ہوئے ٹھنڈا ہو گیا ہوا تھا۔

عابدہ بیگم کوریڈور سے گزریں تو ان کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ ایک دم سردی سے کانپ اٹھیں اور بے اختیار اسے پکار بیٹھیں۔

''عائزہ!'' انہوں نے اسے آواز دی۔

''بیٹا اتنی سردی میں کیوں بیٹھی ہو، نہ کوئی سوئیٹر اور نہ کوئی گرم شال، ایسے تو ٹھنڈ لگ جائے گی، کیوں تم اپنا خیال نہیں کرتی ایسے تو بیمار پڑ جاؤ گی؟'' عابدہ بیگم نے فکرمندی سے کہا۔

''بس تائی اماں میں اٹھ رہی تھی، موسم بہت پیارا تھا تو دل کیا کچھ دیر ادھر بیٹھ جاؤں، آپ کو تو پتہ مجھے ایسا موسم بہت پسند ہے؟'' عائزہ نے چونکتے ہوئے وضاحت دی۔

''اچھا...... اچھا اٹھ کے اندر چلو اور سوئیٹر پہنو اور اب کمرے سے باہر نہ آنا میں تمہارے لئے گرم گرم چائے بھجواتی ہوں۔'' تائی اماں نے پیار کرتے ہوئے کہا۔

''جی تائی اماں جا رہی ہوں، آپ کے بس میں ہو تو آپ مجھے کوئی کام کرنے ہی نہ دیں بس

مکمل ناول

کہیں کہ آرام کرتی رہو۔'' عائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اندر کو چل دی۔

''اللہ تعالیٰ اس بچی کی تمام مشکلیں دور فرمائے اور اسے اس کے نصیب کی خوشیاں نصیب فرمائے آمین۔'' انہوں نے عائزہ کو دعا دی اور کچن کی طرف چل دیں تاکہ عائزہ کو گرم گرم چائے بھجوا سکیں۔

☆☆☆

''ایکسیکوزمی مس عائزہ!'' پیچھے سے آتی آواز پر عائزہ ایک دم چونک کے رک گئی، وہ عبید تھا اس کا کلاس فیلو تھا اور خاصا ذہین اور شریف لڑکا تھا، عائزہ نے آج تک اسے خواہ مخواہ کسی لڑکی سے فری ہوتے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی اس کی عائزہ سے کوئی بے تکلفی تھی، اس لئے عائزہ کو اس کو مخاطب کرنا ایک دم حیران کر گیا۔

''جی......؟'' عائزہ نے حیرانگی سے جواب دیا۔

''مس عائزہ میں آپ سے کوئی دنوں سے کچھ کہنا چاہتا تھا پر ہمت ہی نہیں ہو پا رہی تھی، کیا آپ کچھ دیر بیٹھ کے آرام سے میری بات سن لیں گی؟'' عبید نے تھوڑا کنفیوژ ہوتے ہوئے کہا۔

''جی چلیے کیفے ٹیریا چلتے ہیں۔'' عائزہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

عائزہ ایم ایس سی فزکس کر رہی تھی اور یہ اس کا لاسٹ سمسٹر تھا، آج کل سب دلجمعی سے پڑھنے میں مصروف تھے، جو اسٹوڈنٹ سارا سمسٹر نہ پڑھتے تھے وہ بھی آج کل لائبریری اور گراؤنڈ میں ڈسکشن کرنے اور نوٹس بناتے ہوئے پائے جاتے ہیں تاکہ اچھے نمبر لے سکیں۔

''جی بولیں عبید آپ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' عائزہ نے کیفے ٹیریا میں آ کے پوچھا۔

''کیا خیال ہے پہلے کافی کا آرڈر کر لیا جائے؟ موسم بھی تھوڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' عبید نے اب کے تھوڑی بے تکلفی دکھائی۔

''نہیں پلیز عبید مجھے یہ سب پسند نہیں، آپ ایک شریف انسان ہیں اس لئے میں آپ کی بات سننے کے لئے آئی ہوں، ورنہ آپ جانتے ہیں کہ میں کسی سے زیادہ بات نہیں کرتی ہوں۔'' عائزہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''وہ دراصل بات یہ ہے کہ......'' عبید گلا کھنگارتے ہوئے بولا، وہ عائزہ کے دوٹوک انداز پر تھوڑا گھبرا گیا۔

''عبید ذرا جلدی بات کریں میرا ڈرائیور آنے والا ہوگا۔'' عائزہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں اپنے پیرنٹس کو آپ کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں تو میں چاہ رہا تھا ایک بار آپ سے آپ کی رائے جان لوں۔'' عبید نے جلدی سے کہا، عائزہ تو یہ سنتے ہی حیرانگی سے دیکھنے لگی۔

''میں آپ کو کیسا لگتا ہوں عائزہ کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی۔'' عبید نے شرارتی انداز میں پوچھا۔

''میں چلتی ہوں۔'' عائزہ ایک دم ہوش میں آتے ہوئے کہا۔

''میری بات کا جواب تو دے دیں، عائزہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' عبید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا عبید صاحب جیسا آپ سوچ رہے ہیں۔'' عائزہ نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا عائزہ، کیا کمی ہے مجھ میں، ہینڈسم ہوں، اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟'' عبید نے ہلکی

سی بے بسی سے کہا۔

''نہیں۔'' عائزہ نے نفی میں جواب دیا۔

''میرا نکاح بہت پہلے میرے کزن سے ہو چکا ہے۔'' عائزہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور چل دی، پیچھے عبید شاکڈ کیفیت میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

عائزہ یونیورسٹی سے گھر آئی تو بہت دکھی تھی، دکھ عبید کو انکار کرنے کا نہیں تھا بلکہ جو بات اتنے سال سے ہو چکی تھی، اس کی اذیت اسے آج اتنے سالوں کے بعد بھی اتنی ہی شدت سے محسوس ہوتی تھی جیسے وہ ابھی کی بات ہو۔

''آ گیا میرا بیٹا۔'' تایا ابو نے عائزہ کو دیکھتے ہی پیار سے کہا۔

''جی تایا ابو، آپ نے میڈیسن لے لی؟'' عائزہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

اس وقت وہ کسی کے پاس بھی بیٹھنا نہیں چاہتی تھی وہ صرف اور صرف تنہائی چاہتی تھی۔

''ہاں بیٹا! تمہاری تائی اماں کدھر جان چھوڑتی ہیں۔'' تایا ابو نے بظاہر شرارتی لہجے میں کہا پر ان کی آنکھیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں اور عائزہ ان کو دیکھنے کا وقت ہی نہیں دینا چاہتی تھیں، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ دنیا میں ایک تایا ابو ہی ایسے ہیں جو اس کے اندر تک پڑھ سکتے ہیں۔

''تایا ابو میں فریش ہو کر آتی ہوں، آج بہت تھک گئی ہوں میں۔'' عائزہ جلدی جلدی بولتے سیڑھیوں پر چڑھ گئی تاکہ اپنے کمرے میں جا سکے اور پیچھے اسے تایا ابو کی کھوجتی نگاہیں محسوس ہو رہی تھیں پر جنہیں اگنور کرتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

عائزہ اپنے کمرے میں بیٹھی اپنی اسائنمنٹ بنا رہی تھی، اس اسائنمنٹ کی آخری تاریخ دو دن کے بعد تھی اور ابھی تک اس نے اسائنمنٹ پر کوئی کام نہیں کیا تھا، جب تائی اماں دروازہ ناک کرتی اندر آئیں۔

''یہ لو بیٹا چائے لو اور کچھ چاہیے ہو تو مجھے بتا دو۔'' تائی اماں نے پیار سے چائے میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں تائی اماں آپ نے کیوں تکلیف کی؟ میں بس نیچے آنے ہی والی تھی، پھر چائے بھی بنا لیتی آپ کو کتنی بار کہا ہے کہ آپ اتنا کام نہ کیا کریں پر آپ میری بالکل نہیں سنتی ہیں۔'' عائزہ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔

''سارا کام تم کرتی ہو، بلکہ سارا گھر ہی تم نے سنبھالا ہوا ہے جو تھوڑا بہت کرتی ہوں مجھے کرنے دیا کرو ایسے تو میں بیٹھ بیٹھ کر بالکل ہی ناکارہ ہو جاؤں گی۔'' تائی اماں اس کی محبت پر مسکرا دیں۔

''تو اچھا ہے نہ آپ بس آرام کیا کریں، آپ کی بیٹی ہے نا آپ کی فکر کرنے کے لئے اور گھر کے تمام کام کرنے کے لئے۔'' عائزہ نے پیار سے انہیں اپنے پاس بٹھایا۔

''لو...... میں تو بھول ہی گئی کہ تمہارے تایا ابو تمہیں یاد کر رہے ہیں، تمہیں پتہ تو ہے ان کا دل نہیں تمہارے بغیر لگتا، تھوڑی دیر نظروں سے اِدھر اُدھر ہو تو بے چین ہو جاتے ہیں۔'' تائی اماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عائزہ جانتی تھی کہ ان دونوں کی محبتوں کو اور تھا ہی کون عائزہ کا؟

''آپ چلیں میں کچھ دیر میں آتی ہوں بس تھوڑی سی اسائنمنٹ مکمل کر لوں پرسوں جمع کرانی ہے اور آپ کو پتہ ہے آپ کی بیٹی کتنی سست ہے ابھی تک ذرا کام نہیں کیا ہوا۔'' عائزہ نے تھوڑی

فکر مندی سے کہا۔

''اچھا چلو اب ٹینشن کو سر پر سوار نہ کر لینا، آگے اتنی کمزور ہو گئی ہو، اچھا بیٹا میں تم سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔'' انہوں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''تائی اماں آپ جو کہنا چاہتیں ہیں میں اچھے سے جانتی ہوں پلیز یہ بات آپ نہ کریں میں آپ کو منع نہیں کرنا چاہتی، آپ کو انکار کر کے مجھے خود تکلیف ہوتی پر میں خود کو تیار نہیں کر پا رہی ہوں مجھے آپ کی محبتوں پر شک نہیں ہے پر اس معاملے میں، میں خود کو مجبور سمجھتی ہوں۔'' عائزہ نے بات کاٹتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔

''جب ہماری محبتوں کو مانتی ہو تو پھر سب کچھ ہم پر کیوں نہیں چھوڑ دیتی ہو؟ ہم اپنی بیٹی کا برا چاہیں گے؟'' تائی اماں نے اسے پیار سے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''پلیز تائی اماں...... ابھی نہ کریں یہ بات...... مجھے سمجھیں میں......''

''اچھا چلو چھوڑو تم پریشان نہ ہو اور جلدی کام سمیٹو اور نیچے آ جاؤ ہم تو تمہاری شکل دیکھنے کو ہی ترس جاتے ہیں۔'' تائی اماں نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''جی آپ چلیں میں آتی ہوں۔'' عائزہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

تائی اماں کے جاتے ہی عائزہ جو ہمت کا مظاہرہ کر رہی تھی ایک دم ڈھے سی گئی وہ کیسے سمجھائے کہ دل کو سمجھانا اس کے بس میں نہیں ہے انسان پیار کے بغیر تو رہ لیتا ہے پر عزت کے بغیر نہیں رہ پاتا، کسی کے دل میں زبردستی جگہ نہیں لے سکتے اور کسی پر زبردستی مسلط ہونا عائزہ کو گوارہ نہیں تھا، عائزہ کب سوچتے سوچتے ماضی کی وادیوں میں کھوئی اسے خود پتہ نہ لگا۔

☆☆☆

یہ گھر جہاں عائزہ رہتی تھی یہ اس کے دادا حشمت علی کا گھر تھا جن کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھیں، احمد علی، واجد علی اور شہریار علی، ان کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی صفیہ بیگم تھیں، احمد علی کے چار بچے تھے، روما اور ارما دو بیٹیاں اور ہارون اور زارون دو بیٹے تھے، واحد علی کے دو بچے تھے ایک بیٹا دانش اور ایک ہی بیٹی صومیہ تھی اور شہریار علی کے گھر ایک ہی بیٹی ہوئی جس کی پیدائش پر ان کی بیوی ان سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئی، یہ حشمت ولا پر بہت برا دھچکا تھا سب اس چھوٹی سی بچی کو تو بھول ہی گئے، شہریار صاحب تو ایسے غافل ہوئے کہ انہیں اپنی چھوٹی سی بیٹی کی بھی کوئی فکر نہ رہی، عابدہ بیگم جو کہ احمد علی کی بیوی تھیں انہوں نے ہی عائزہ کو سنبھالا اور اس کا نام عائزہ رکھا، عائزہ بھی شروع سے ہی اپنی تائی اماں کے ساتھ بہت اٹیچ رہی۔

واجد علی کی بیوی رابعہ بیگم بہت موڈی اور جھگڑالو تھیں ہر ایک پر طنز کرنا ان کا پسندیدہ کام تھا، عابدہ بیگم کی بھی ان سے عابدہ بیگم کی سلجھی ہوئی طبیعت کی وجہ سے بنتی تھی اور ان کی کبھی بھی عائزہ کی ماں سے نہیں بنی تھی، اسی بنا پر ان کو عائزہ سے شروع سے ہی بلاوجہ کی چڑ تھی وہ صرف اپنے سسر حشمت علی کے ڈر سے تھوڑا چپ رہتی تھیں، روما اور ارما، عائزہ کا بہت خیال کرتیں، روما، عائزہ سے چھ سال بڑی تھی اور ارما ایک سال، ہارون بچوں میں سے سب سے بڑا تھا اور زارون عائزہ سے چار سال بڑا تھا، صومیہ ماں کی نسبت اچھی تھی اور عائزہ کی ہم عمر ہونے کی وجہ سے عائزہ کے ساتھ کھیلتی بھی تھی، جبکہ دانش اپنے میں مگن رہنے والا بچہ تھا۔

صفیہ بیگم کی شادی بہت امیر اور قدرے

چھچھورے، لوگوں میں ہوئی تھی ان کے دو ہی بچے تھے عروسہ اور دانیال۔

☆☆☆

عائزہ شروع سے ہی بہت حساس اور چپ رہنے والی بچی تھی، جیسے جیسے وہ بڑی ہو رہی تھی ویسے وہ اپنے باپ کی بے اعتنائی کو بھی محسوس کر رہی تھی۔

جب وہ چار سال کی ہوئی تو اس کے دادا کا انتقال ہو گیا، عائزہ کے دادا اس کے لئے ایک بہترین ڈھال تھے سب ان کا لحاظ کرتے تھے۔
حشمت علی کی وفات کے بعد شہریار علی نے دوسری شادی کر لی اور اپنی نئی بیوی نائلہ کو گھر لے آئے، نائلہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور بہت شاطر ذہن کی مالک تھی، اس نے شہریار کو اپنی حسین اداؤں میں پھنسایا اور اب اتنے بڑے گھر کے مالکوں میں سے تھی۔

نائلہ، عائزہ کے لئے ویسی ہی ماں بنی جیسی کہ کوئی بھی سوتیلی ماں ہو سکتی تھی، اس نے بھی عائزہ کی پرواہ نہ کی اور شہریار کو اکسایا کہ وہ اپنی جائیداد الگ کریں اور ادھر سے دور چلے جائیں، نائلہ کے خیال میں ان کے بھائی جائیداد کا بھی حصہ نہیں کریں گے اور احمد علی چاہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ان کے ماتحت رہیں، شہریار تو ویسے ہی کانوں کے کچے تھے انہوں نے اپنا حصہ لینے کی بات کی تو سب حیران رہ گئے۔

احمد علی کب سے نائلہ کے طور طریقے دیکھ رہے تھے، انہوں نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے آرام سے ان کا حصہ الگ کر دیا اور تین پورشن الگ کر دیئے اور کاروبار کا بھی حصہ کر دیا، نائلہ کو اب عائزہ کا وجود بھی کھٹکنے لگا وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح اس سے جان چھوٹ جائے، عائزہ تو ماں کو پا کے ہی بہت خوش تھی، نائلہ کی بے اعتنائی کے بعد بھی اس کے آگے پیچھے پھرتی، اس کو سجتے سنورتے دیکھ کر خوش ہوتی۔

''ماما! آپ ریڈ کلر میں بہت پیاری لگتی ہیں۔'' عائزہ نے اشتیاق سے نائلہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا۔'' نائلہ نے نخوت سے عائزہ کو دیکھا۔

''ایک بات ذہن میں بٹھا لو میں تمہاری ماں نہیں ہوں مجھے ماما کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تمہاری ماں اپنی نخوست ادھر چھوڑ کر مر گئی ہے تم میرے لئے بس ایک ذہنی ٹینشن ہو پتہ نہیں کب جان چھوٹے گی۔'' نائلہ نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

عائزہ تو معصوم تھی وہ کہاں ان باتوں کو سمجھتی تھی پر وہ بچہ ہونے کے باوجود نفرت کے لہجے کو پہچانتی تھی وہ اب نائلہ سے دور رہنے لگی تھی اور شہریار کے سامنے اس کے رویے کی شکایت کرتی۔

''میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ بھابھی بیگم کے پاس نہ جانے دیا کریں پتہ نہیں کیا کیا عائزہ کو سکھاتی ہیں ابھی چھوٹی سی ہے اور مجھ سے دور بھاگنے لگی ہے۔'' نائلہ مصنوعی رنجیدگی سے کہتی اور کبھی کہتی کہ۔

''میں نے خود بھابھی بیگم کو عائزہ کو سکھاتے ہوئے سنا تھا کہ نائلہ تمہاری ماں نہیں ہے اس لئے اس سے دور رہو اور کوئی ضرورت نہیں اس کے پاس جانے کی، اب آپ بتائیں میں نے تو ہمیشہ عائزہ کو اپنی بیٹی سمجھا پر وہ ایسے دور دور رہتی تو میرا کتنا دل دکھتا ہو گا۔'' اور شہریار عائزہ کو ڈانٹتے اور عابدہ بیگم کے پاس بھی نہ جانے دیتے، عائزہ کے پاس تو بس اس کے تایا ابو اور

تائی اماں ہی تھیں جو واقعی اس سے پیار کرتے تھے اس کی فکر کرتے تھے وہ بھی اس سے دور ہو گئے تھے، بچوں کو بھی نائلہ اپنے پورشن میں آنے نہ دیتی تھی اور نہ ہی عائزہ کو جانے دیتی تھی، عائزہ دن بہ دن اور خاموش ہوتی گئی، پھر اللہ کو ہی عائزہ پر ترس آ گیا کہ شہریار کا امریکہ کا ویزہ لگ گیا اور وہ ادھر شفٹ ہونے کی تیاری کرنے لگے شہریار نے کہا کہ عائزہ کو بھی ساتھ لے کے جائیں گے پر نائلہ کہنے لگی۔

''پہلے ہم جا کے سیٹ ہوتے ہیں وہاں کا ماحول دیکھتے ہیں کہ لڑکی ذات ہے کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو سب کہیں گے کہ سوتیلی ماں تھی نہ خیال نہ کر سکی۔'' نائلہ نے ہوشیاری سے بات اور ساتھ ہی اپنی مظلومیت بھی ظاہر کر دی۔

''کہتی تو تم ٹھیک ہو، لوگوں کو تو بات کرنے کا موقع چاہیے ہوتا ہے۔'' شہریار نے بیوی کی سمجھداری پر فخر کرتے ہوئے کہا۔

ادھر عائزہ سب کو خوشی سے بتاتی پھر رہی تھی کہ ہم لوگ امریکہ جا رہے ہیں سارے بچے اداس ہو گئے کہ عائزہ اتنی دور چلی جائے گی۔

''تم ہمیں یاد کرو گی عائزہ؟'' ارما نے اداس ہوتے ہوئے پوچھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے میں تم سب لوگوں کو بہت مس کروں گی۔'' عائزہ نے بھرائے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''چلو اداس نہ ہو جتنے دن ہمارے پاس ہو ہم ان دنوں کو ساتھ گزاریں گے اور سب بہت انجوائے کریں گے۔'' ہارون نے بڑے ہونے کے وجہ سے کہا اور سب اس بات پر متفق ہو گئے۔

☆☆☆

سب بڑے تایا ابو کے گھر جمع تھے اور بچہ پارٹی بھی پاس ہی قالین پر بیٹھے اپنے اپنے کھیلوں میں مصروف تھے۔

''کب تک جا رہے ہو تم لوگ۔'' احمد علی نے شہریار سے پوچھا۔

''بس دو دنوں کے بعد ہماری فلائٹ ہے، اب تو تیاری میں اتنے مصروف ہیں کہ آپ کے گھر بھی آج مشکل سے ہی آ پائے ہیں۔'' شہریار صاحب نے جواب دیا۔

''ہم نے سوچا کہ پھر پتہ نہیں کب ساتھ بیٹھنے کا موقع ملتا تو آج سب مل جل کر بیٹھتے ہیں۔'' عابدہ بیگم نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''ہاں ویسے بھی نائلہ کدھر ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتی ہے۔'' رابعہ بھابھی نے اپنے مخصوص طنزیہ لہجے میں کہا۔

''بس مصروفیت ہی ایسی ہے اس لیے زیادہ ملنا جلنا نہیں ہو پایا بھابھی لیکن فون پر تو بات چیت ہوتی ہی رہے گی۔'' نائلہ کا دل کیا کوئی تگڑا سا جواب دیں، پر وہ شہریار کے سامنے اپنا امیج خراب نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

''ہاں جی ضرور، ویسے بھی نائلہ تمہارا حوصلہ ہے کہ عائزہ کو بالکل اپنی بیٹی کی طرح سمجھا اور اب اس کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہو۔''

''ہمیں پتہ ہے کہ تم عائزہ کو کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دو گی۔'' رابعہ بیگم نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''دراصل......'' شہریار نے بیوی کے اشارہ کرنے پر کھنکھارتے ہوئے کہا۔

''ابھی عائزہ کا ویزہ نہیں لگا تو ابھی عائزہ ہمارے ساتھ نہیں جا رہی لیکن ہم بہت جلد ہی عائزہ کو بلا لیں گے بس کچھ دن بھابھی بیگم آپ نے عائزہ کا خیال رکھنا ہے۔'' شہریار نے عابدہ بیگم سے کہا، سب ایک دم حیران اور پریشان ہو گئے۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو شہریار۔'' ایک دم احمد صاحب کو ہوش آئی۔

''اتنی سی بچی ہے وہ اسے ماں اور باپ کی ضرورت ہے اور تم اسے خود سے دور کر رہے ہو ہم میں سے کوئی بھی تم لوگوں کی کمی پوری نہیں کر سکتے۔''

''اب آپ بھائی صاحب اپنی ذمہ داری سے گھبرا کے مت کہیں ویسے وہ سب جانتے کہ عائزہ اپنے باپ اور مجھ سے زیادہ آپ سے اور بھابی بیگم سے پیار کرتی ہے اور ویسے بھی کچھ دنوں کی ہو بات ہے ہم نے ویزہ اپلائی کیا ہوا ہے شہریار نے تو بزنس اسٹیبلش کرنا ہے تو ہم جلدی جا رہے ہیں ورنہ عائزہ کے لئے بھی رکتے۔'' نائلہ نے شہریار کو کمزور پڑتے دیکھتے ہوئے حمایت کرنے کے انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے کہ عائزہ ہم سے پیار کرتی ہے، پر شہریار تم اسے خود سے دور نہ کرو ماں تو پہلے ہی اللہ نے چھین لی اب تم باپ کو بھی دور مت کرو۔'' عابدہ بیگم نے دکھ سے کہا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا میں اس کی ماں نہیں ہوں۔'' نائلہ ایک دم بولی۔

''دیکھا شہری آپ نے، میں نہ کہتی تھی کہ یہ ہی لوگ سکھاتے ہیں۔'' انہوں نے شہریار کو جتاتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، عابدہ بیگم حیران رہ گئیں۔

''کیا بول رہی ہو تم نائلہ میں عائزہ کو کیوں سکھانے لگی؟''

''بس کریں بھابی کیوں بچی کا دل میلا کرتی ہیں کل کو وہ کیسے نائلہ کو اپنی ماں سمجھے گی یہ ہی عمر ہے جب وہ ایڈجسٹ کرے اور آپ اسے ایسی باتیں سکھاتی ہیں۔'' شہریار نے غصے سے کہا نائلہ ایک دم مطمئن ہو گئیں کہ اب شہریار سنبھال لیں گے اور اٹھ کر اپنے پورشن میں چلی گئیں کہ ابھی انہوں نے اپنی اور شہریار کی تیاری بھی کرنی تھی۔

☆☆☆

آج شہریار اور نائلہ کو جانا تھا سب ان کو وداع کرنے ان کے گھر جمع تھے، عائزہ اندر آئی اور اپنے معصوم انداز میں اپنے پاپا سے پوچھنے لگی۔

''پاپا...... میرا سامان کدھر ہے۔'' یہ سن کر سب ایک دم چپ کر گئے۔

''وہ بیٹا......'' شہریار نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا آپ ابھی نہیں جا رہی ہیں آپ کو بہت جلدی بلائیں گے ابھی میں اور پاپا جا رہے ہیں۔'' نائلہ نے پیار سے پچکارتے ہوئے کہا، عائزہ ایک دم سے شاکڈ ہو گئی اور بھاگتی ہوئی باہر چلی گئی۔

جب شہریار اور نائلہ سب سے مل کر باہر آئے اور گاڑی میں بیٹھنے لگے تو شہریار کی ایک دم نظر عائزہ پر پڑی جو دروازے سے چھپ کر دیکھ رہی تھی تبھی اسے دیکھ کر ایک دم شہریار کا دل بھر آیا اور بے اختیار اسے پکڑ کر اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

''میرا بیٹا بہت بہادر ہے وہ اپنے تایا ابو اور تائی اماں کے ساتھ رہے گا اور انہیں بالکل تنگ نہیں کرے گا ٹھیک ہے نہ؟'' شہریار نے پیار سے عائزہ کی آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا، عائزہ نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ہم بہت جلد اپنی عائزہ کو اپنے پاس بلا لیں گے بس کچھ دن آپ کو ہم سے دور رہنا ہے۔'' شہریار نے عائزہ کو سمجھانے والے انداز میں کہا، نائلہ نے جب شہریار کو موم ہوتے ہوئے

دیکھا تو جلدی سے پاس آگئیں۔
''کیا کرتے ہیں آپ شہری، بچی کو بھی رلا رہے ہیں اسے حوصلہ دیں اور خود بھی ہمت کریں ہم بہت جلد ہی اپنی بیٹی کو اپنے پاس لے جائیں گے۔'' نائلہ نے دلاسا دیتے ہوئے بظاہر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
''دیکھا تمہاری ماں بھی تم سے بہت پیار کرتی ہے، تم کسی کی باتوں میں نہ آنا۔'' شہریار نے فخر سے اپنی بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''چھوڑیں بھی شہری، آپ بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہیں چلیں دیر ہو رہی ہے۔'' نائلہ نے جلدی کا شور ڈالتے ہوئے کہا۔
''ہاں چلو۔'' شہریار نے اٹھتے ہوئے کہا اور عائزہ کو پیار کیا اور چل دیے، وہ سوچ رہے تھے کہ وہ بہت جلد عائزہ کو بلا لیں گے اور خود کو تسلی دے رہے تھے کہ وہ کچھ غلط نہیں کر رہے ہے اور نائلہ فخر سے اپنے شوہر کے ساتھ جا رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ عائزہ بی بی اب تم ہمیشہ کے لئے اپنے باپ سے دور ہو گئی ہو، میں کبھی بھی اب تمہیں اپنی زندگیوں میں نہیں آنے دوں گی اب شہریار پورے کے پورے میرے ہوں گے اور عائزہ بس خاموش آنسوؤں کے ساتھ اپنے باپ کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔
سات سال کی بچی کو کیا پتہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی بے رخی اور بے اعتنائی کیا چیز ہوتی ہے وہ بھی اپنے آپ کو تسلی دیتی کہ بس کچھ دنوں کی بات ہے پھر پاپا ماما مجھے اپنے پاس بلا لیں گے۔
ارما اور صومیہ کو کہتی ''کہ بس کچھ دن ہیں پھر میں بھی چلی جاؤں گی اور میں تم لوگوں کو بہت مس کروں گی'' صومیہ اور ارما اس کی ہاں میں ہاں ملاتے، ہارون بھائی اور روما آپی عائزہ کو تسلی دیتے کہ بس کچھ دنوں میں تمہیں اپنے پاس بلا لیں گے بس کچھ دن تم نے ہمارے پاس رہنا ہے، زارون اور دانش دونوں اس کا مذاق اڑاتے۔
''یار دانش تمہیں کیا لگتا ہے کہ عائزہ کو چاچو اپنے پاس بلا لیں گے۔'' زارون شرارتی لہجے میں عائزہ کو چھیڑتے ہوئے کہتا۔
''نہیں بھائی مجھے تو لگتا عائزہ سے چاچو جان چھڑوا گئے ہیں۔'' دانش دانستہ فکرمندی سے کہتا اور عائزہ ان کی باتیں سن کے رونے لگ جاتی اور تائی اماں کو شکایت لگانے پہنچ جاتی اور پیچھے زارون اس کے رونے کی نقلیں اتارتا اور عائزہ اور چڑ جاتی اور یہ جب بات تایا ابو تک پہنچتی تو تایا ابو ہمیشہ زارون کو ڈانٹتے۔
''چھوٹی بہن ہے تمہاری کیوں تنگ کرتے ہو؟'' تایا ابو غصے سے کہتے۔
''آئندہ میں نہ دیکھوں کہ تم نے عائزہ کو تنگ کیا ہو، ورنہ میں بہت سختی سے پیش آؤں گا۔'' تایا ابو کی وارننگ کبھی کام نہ آتی کیونکہ زارون تایا ابو کی ڈانٹ سے چڑ جاتا اور تنگ کرنے منصوبے سوچنے لگ جاتا، کبھی عائزہ کی چیز چھپا دیتا وہ بیچاری ڈھونڈتی رہ جاتی، کبھی اسکی نقلیں اتار کے سب کو دیکھاتا رہتا، کبھی تھپڑ مار کے بھاگ جاتا غرض یہ کہ زارون عائزہ سے چڑ کھاتا تھا کیونکہ عائزہ کی وجہ سے اسے اپنے ماں باپ دونوں سے ڈانٹ پڑتی تھی اور اپنی چڑ کا بدلہ وہ عائزہ کو اور تنگ کر کے لیتا۔
عائزہ یہ سوچ سوچ کے وقت گزارتی کہ بس کچھ دن ہیں پھر مس زارون اور اس کی بدتمیزیوں سے ہمیشہ کے لئے دور چلی جاؤں گی پر وہ کیا جانتی تھی کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔
آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا، وقت کا تو کام ہی ہوتا گزرنا وہ بھی بھلا کسی کے لئے رکا ہے،

بچے بڑے ہوتے گئے اور عائزہ کی امید بھی دم توڑ گئی، پہلے پہلے فون آتا تو عائزہ بار بار کہتی کہ کب بلائیں گے تو شہر یار کے پاس سو بہانے ہوتے ان کی فیملی بڑھ گئی تھی، عائزہ کے دو بھائی اور ایک بہن بھی آ گئے تھے، اب عائزہ کی اس فیملی میں کیا جگہ بچتی؟

پھر آہستہ آہستہ عائزہ کے کہنا بھی چھوڑ دیا وہ سمجھ گئی کہ اس فیملی میں عائزہ کے وجود کی کوئی جگہ نہیں ہے جگہ تو شاید تایا ابو کی فیملی میں بھی نہیں تھی یہ نہیں تھا کہ کوئی پیار نہ کرتا ہو، پیار سب ہی کرتے تھے تایا ابو اور تائی اماں عائزہ کو اپنی بیٹی ہی مانتے تھے ہارون بھائی اور روما آپی کی وہ چھوٹی سی گڑیا سی بہن تھی جس سے وہ لوگ بہت پیار کرتے تھے اور خوب لاڈ اٹھائے تھے، ارما اور صومیہ سے عائزہ کی بہت دوستی تھی اور تینوں کا گروپ بہت مضبوط تھا، بس ایک زارون تھا جس کو عائزہ سے بہت سے مسئلے تھے اسے عائزہ کو دیکھتے ہی غصہ آنے لگ جاتا تھا تیوریوں پر بل پڑ جاتے تھے، عائزہ بھی سمجھنے لگی تھی اور پوری کوششیں کرتی کہ زارون کے سامنے نہ ہی جائے۔

☆☆☆

ایف ایس سی میں زارون کے اے پلس گریڈ آیا تو ارما اور صومیہ وغیرہ پیچھے پڑ گئے کہ پارٹی چاہیے اور زارون خوش بھی بہت تھا تو اس نے ہامی بھر لی۔

''کیا یاد کرو گے کہ کس سخی سے پالا پڑا ہے۔'' زارون نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''چلیں پھر سب چلتے ہیں ہم نے کھانا کھانا ہے پھر آپ نے ہمیں آئسکریم بھی کھلانی ہے۔'' ارما نے جلدی جلدی پروگرام بنایا ہارون اور روما ان کے پروگرام کو انجوائے کر رہے تھے، صومیہ جلدی سے عائزہ کو بھی بلا کے لے آئی۔

''کیا ہے کیوں ایسے کھینچتی لے کے جا رہی ہو۔'' عائزہ نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''زارون بھائی سب کو پارٹی دے رہے ہیں ان کے ایف ایس سی میں اے پلس گریڈ آیا ہے۔'' صومیہ نے خوشی سے بتایا عائزہ ایک دم ڈھیلی پڑ گئی وہ جانتی تھی کہ اسے دیکھتے ہی زارون کا موڈ خراب ہو جائے گا اور وہی ہوا۔

''چلیں زارون بھائی عائزہ بھی آ گئی ہے اب جلدی سے ہم سب کو لے جائیں۔'' ارما نے عائزہ کو دیکھتے ہی جلدی مچائی۔

''اب سب کو کیوں اکٹھا کرتی جا رہی ہو میں نے صرف تم لوگوں کو کہا تھا۔'' زارون نے غصے سے کہا۔

''ہاں تو ہم ہی ہیں سب کو کہاں تیار کیا ہے؟'' ارما نے حیرانگی سے پوچھا۔

''بس میں نہیں جا رہا ہوں سارا موڈ خراب کر دیا ہے پتہ نہیں کیا مصیبت ہے جان ہی نہیں چھوڑتی، بندہ اب اپنی خوشی بھی انجوائے نہیں کر سکتا ہر وقت منحوس شکل سامنے موجود رہتی ہے۔'' زارون نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کہا، اس کی بڑبڑاہٹ اتنی آواز کی تھی کہ وہاں سب نے سن لیا تھا تو ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ عائزہ نے نہ سنا ہو؟

سب ایک دم شاکڈ ہو گئے سب زارون کی چڑ سے واقف تھے پر اتنی نفرت؟ عائزہ کی آنکھوں میں ایک دم آنسو آ گئے اس کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو گیا۔

''عائزہ بیٹا، تم کیوں رو رہی ہو وہ تمہیں تھوڑی کہہ رہا ہے، وہ بس اپنے پیسے بچانے کے لئے جان چھڑا رہا ہے تم کیوں خود کو پریشان کر رہی ہو چلو میں لے کے جاتا ہوں سب کو آ جاؤ جلدی سے ورنہ میرا ارادہ بدل سکتا ہے۔'' ہارون

نے بات کو سنبھالتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''نہیں ہارون بھائی، میں کوئی بچی نہیں رہی ہوں اب بچپن سے ان کی نفرت دیکھ رہی ہوں اب تو عادت ہوگئی ہے میں ٹھیک ہوں آپ لوگ پریشان نہ ہوں میرا کل ٹیسٹ ہے میں ذرا اس کی تیاری کرلوں۔'' عائزہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا اور اندر چلی گئی۔

''پتہ نہیں زارون بھائی کے ساتھ مسئلہ کیا ہے ہر وقت اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں وہ بیچاری تو کچھ کہتی بھی نہیں ہے۔'' ارما نے عائزہ کے جاتے ہی غصے سے کہا۔

''پتہ نہیں میں سمجھاؤں گا زارون کو کہ بچپنا چھوڑ دے، اب سب بڑے ہوگئے ہیں ایسے بچوں والی حرکتیں زیب نہیں دیتیں خیر تم جا کے عائزہ کو دیکھو رو رہی ہوگی۔'' ہارون نے پریشانی سے جواب دیا۔

کچھ نفرتیں کم ہونے کی بجائے بڑھتی جاتی ہیں اور ایسا ہی زارون اور عائزہ کے ساتھ تھا۔

☆☆☆

عائزہ صومی اور ارما نے میٹرک کے ایگزامز دیے تھے، پیپر تو اچھے ہوئے پر عائزہ کو تھوڑی فکر تھی وہ کوئی زیادہ ذہن فطین نہیں تھی بس گزارے لائق سٹوڈنٹ تھی اس لیے وہ اپنے رزلٹ کے بارے میں تھوڑا پریشان تھی۔

''اوہو...... کیا ہوا ہے دانش بھائی، پلیز جلدی سے بتائیں مجھے بہت ٹینشن ہورہی ہے۔'' عائزہ نے دانش کی افسوس بھری آواز سن کے ایک دم پریشانی سے کہا۔

''نہ پوچھو میں تمہارے آنسو برداشت نہیں کر پاؤں گا پلیز حوصلہ کرو میری بہن۔'' دانش نے عائزہ کے سر پر پیار کرتے ہوئے حوصلہ دیا، عائزہ ایک دم رونے لگی۔

''مجھے پتہ تھا کہ میں نے فیل ہو جانا ہے۔''

''پلیز دانش بھائی جلدی بتائیں نا کہ کیا ہوا ہے۔'' ارما نے بے تابی سے پوچھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ ہمارے ملک میں پڑھائی کا سسٹم اتنا ٹھیک نہیں ہے پر اتنا برا ہے مجھے آج پتہ لگا ہے۔'' دانش نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

''تم تینوں پاس ہوگئی ہو، عائزہ کے بھی اے گریڈ آگئے ہیں میں نے تو بار بار دکان دار سے پوچھا کہ بھائی ذرا غور سے دیکھو کہیں غلط تو نہیں ہے پر وہ کہتا ہے کہ اتنے ہی مارکس ہیں۔'' دانش نے شرارت سے عائزہ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''اوہ...... دانش بھائی۔'' عائزہ غصے سے کہتی دانش کے پیچھے اسے مارنے کو لپکی، اندھا دھند بھاگتی وہ ایک دم دروازے سے آتے زارون سے ٹکرا گئی۔

''اوہ سوری، زارون بھائی میں بس۔'' عائزہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''تمہارے پاس آنکھیں نہیں ہیں؟ ہر وقت بچوں کی طرح اچھل کود لگائی ہوئی ہے اب بچی نہیں ہو اپنی حرکتوں پر کنٹرول کرو، مجھے نہیں پسند تمہاری ایسی چھچھوری حرکتیں، میرے سامنے مت آیا کرو اب کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو دفع ہو جاؤ۔'' زارون نے دھاڑتے ہوئے کہا، عائزہ روتے ہوئے اندر بھاگ گئی۔

''فضول میں نہیں تم لوگوں نے دیکھا نہیں وہ جان کے ایسے کام کرتی ہے جس سے مجھے غصہ آئے جب اسے پتہ ہے کہ مجھے ایسی حرکتیں پسند نہیں ہیں تو کیوں ایسے کام کرتی ہے، اونہہ فری ہونے کی کوششیں۔'' زارون نے پہلے غصے سے

کہا اور آخر میں خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''آپ کو تو فضول میں ہی اس سے چڑ ہو گئی ہے آج ہم اتنے خوش تھے ہمارا میٹرک کا رزلٹ آیا اور ہم تینوں اتنے اچھے نمبروں سے پاس ہوئے ہیں۔'' صومیہ نے منہ پھلا کر زارون کو بتایا۔

''اوہ...... میری بہنیں پاس ہوئی ہیں واہ جی، تم لوگوں نے کیا گفٹ لینا ہے۔'' زارون نے خوشی سے کہا۔

''آپ نے ہماری دوست کو ناراض کر دیا ہے ہم آپ سے کچھ نہیں لیں گے۔'' ارما نے ناراضگی سے کہا اور ارما اور صومیہ باہر چلی گئیں۔

''اونہہ پتہ نہیں اس چڑیل سے کب جان چھوٹے گی۔'' زارون نے بیزاری سے سوچا۔

☆☆☆

رابعہ تائی کو تو جیسے شروع سے ہی کیا بیر تھا عائزہ اور اس کی ماں سے، اب وہ کھل کر سامنے آئے تھے، عائزہ کی ہر چھوٹی چھوٹی باتوں پر روک ٹوک کرنا، اس کو فضول میں ڈانٹنا ان کا شوق تھا، انہوں نے زارون کو بھی عائزہ سے بدظن کر دیا تھا، کچھ زارون ویسے ہی عائزہ سے چڑتا تھا کچھ رہی سہی کسر رابعہ نے زارون کے دماغ میں فضول باتیں ڈال کر پوری کر دی تھیں، اب بھی زارون اپنا موڈ صحیح کرنے کے لئے رابعہ کی طرف آ گیا۔

''پلیز چچی جان ایک کپ اپنے ہاتھوں کی مزے دار سی چائے تو پلا دیں سر میں بہت درد ہے۔'' زارون نے چچی سے فرمائشی انداز میں کہا تھا۔

''کیوں نہیں...... خالی چائے نہ پیا کرو میں اپنے بیٹے کو ساتھ میں رول فرائی کر دیتی ہوں۔'' چچی نے بظاہر خوشدلی سے جواب دیا پر دل ہی دل میں تلملا اٹھیں وہ زارون کی وقت بے وقت کی فرمائشوں سے تنگ آ جاتی تھیں، پر مجال ہے جو ان کے چہرے سے کچھ محسوس ہوتا، وہ زارون کو اپنے ہاتھوں میں رکھنا چاہتی تھیں کچھ ویسے بھی ان کو شوق تھا کہ سب ان کے اشاروں پر چلیں کچھ انہوں نے زارون کو صومیہ کے حوالے سے سوچ رکھا تھا کہ اچھا لڑکا ہے اور صومیہ ان کی نظروں کے سامنے رہے گی۔

''کیا ہوا جو میرے بیٹے کا اتنا منہ بنا ہے۔'' چچی نے چائے رکھتے ہوئے سن گن لینے والے انداز میں کہا اور زارون کو تو بس موقع چاہیئے تھا کہ وہ اپنی بات کہے اور کوئی ایسے صحیح کہے اور عائزہ کو غلط اور یہ کام رابعہ سے بڑھ کر کوئی اور کیسے کر سکتا تھا؟ زارون نے ساری بات رابعہ کو بتا دی۔

''اے بالکل صحیح کہا تم نے جو اس لڑکی کو اتنی باتیں سنا دیں ایسے وہ اپنی اوقات میں رہے گی ورنہ تو تمہارے اماں بادا نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی ہوئی اسے سر پر چڑھا رکھا ہے مجھے تو اس کے چھن بھی صحیح نہیں لگتے۔'' رابعہ نے پہلے بیزاری سے کہا اور آخر میں ذرا راز داری سے جواب دیا۔

''کیوں کیا ہوا چچی؟'' زارون نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''میں تو کچھ کہتی ہی نہیں کہ کل کو مجھے ہی برا بھلا کہیں گے پر سچی بات ہے کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو سارا الزام تو تم لوگوں پر آ جائے گا نا کہ بھئی لڑکی کی تربیت ہی صحیح نہیں کی، پر میں تو اچھے سے جانتی ہوں کہ بھابھی بیگم نے ارما اور اس لڑکی میں کوئی فرق نہیں کیا پر اس لڑکی کے اپنے ہی طور طریقے صحیح نہیں ہیں۔'' چچی جان نے نفرت بھرے انداز میں کہا۔

''ہوا کیا ہے...... آپ مجھے کھل کے بتائیں۔'' زارون نے بے چینی سے پوچھا۔

''میرا بھائی نہیں؟ اپنا چھوٹا۔'' چچی نے اپنا بھائی کا کہا (چھوٹے پر زارون کا اعتراز تھا تیں سے اوپر کے تھے زارون سے لفظ چھوٹا ہضم نہیں ہوا پر وہ چچی کو ناراض نہ کرنا چاہتا تھا اس لئے ہاں میں ہاں ملاتا ہوا بولا)۔

''اپنے سجاد ماموں؟'' زاروں لوگ بھی صومیہ کے دیکھا دیکھی ماموں کہتے ہے، سجاد ماموں ویلے نکلے تھے، ہر وقت ادھر ہی موجود رہتے تھے، بڑی بڑی موچھوں والے اور آنکھیں ہر وقت لال رہتی تھیں، غیر شادی شدہ تھے، ایک بیوی کھا چکے تھے پر چچی کے مطابق غیر شادی شدہ تھے اب چچی چاہتیں تھیں کہ چھوٹا شادی کر لے۔

''ہاں ہاں سجاد میں نے کتنی بار عائزہ کو چپکے چپکے سجاد سے باتیں کرتے بھی دیکھا ہے، مجھے دیکھتے ہی چپ ہو جاتے ہیں جہاں سجاد جاتا ہے وہاں عائزہ بھی چلی جاتی ہے سنا تو ہے کہ عائزہ سکول چھوڑ کے اس کے ساتھ باہر بھی جاتی تھی، میں تو خود بیٹی والی ہوں میں نے تو سجاد کو ہی ڈانٹا وہ بیچارا بھی کیا کرے کہتا کہ عائزہ خود ہی پیچھے پڑی تھی اب وہ مرد ہے کب تک پیچھا چھڑاتا اب کہتا ہے کہ عائزہ سے شادی کرے گا اب تم بتاؤ میں کیا کروں؟'' رابعہ بیگم نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

اور زارون تو اب تک شاکڈ تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا پر ایک دو بار تو زارون نے بھی دیکھا تھا پر صومیہ اور ارما بھی ساتھ تھیں۔

''پر چچی جان ان لوگوں کی ایج میں تو بہت فرق ہے اور ابھی تو عائزہ بہت چھوٹی ہے پڑھ رہی ہے۔'' زارون نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''تب ہی تو بول رہی ہوں کہ لڑکی کے لچھن ٹھیک نہیں ہیں دانش سے بھی بہت فری ہونے کی کوششیں کرتی ہے پر تمہیں تو دانش کا پتہ اسے تو اپنی ہی ہوش نہیں ہوتی ہے، اپنی صومیہ بھی تو ہے اس کی عمر کی ہے پر اتنی سمجھدار اور کبھی چھچھوری حرکتیں نہیں کرتی۔'' رابعہ بیگم نے زارون کا دھیان صومیہ کی طرف لگانا چاہا پر ابھی تو زارون عائزہ میں اٹکا تھا، وہ یقین کرنا چاہتا تھا پر پتہ نہیں کیا بات تھی جو اسے تنگ کر رہی تھی۔

☆☆☆

زارون بی بی اے کرنے بعد انگلینڈ ایم بی اے کے لئے جا رہا تھا یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب تھا جو پورا ہونے جا رہا تھا اور وہ بہت خوش تھا، رابعہ بیگم چاہتی تھیں کہ اس کے جانے سے پہلے اس کی صومیہ سے منگنی ہو جائے پر اس سے پہلے وہ عائزہ کا کانٹا نکالنا چاہتی تھی اس لئے آج وہ بات کرنے احمد علی کے پورشن میں آئیں تھیں۔

''بھائی صاحب بہت مبارک ہو، زارون ماشاء اللہ بہت پیارا بچہ ہے ایسا بیٹا اللہ قسمت والوں کو دیتا ہے۔'' چچی نے خوشامدی انداز میں کہا۔

''ہاں اللہ کا شکر ہے کہ جو زارون کی خواہش تھی وہ پوری ہونے جا رہی ہے۔'' احمد علی نے عاجزانہ انداز میں کہا۔

''میں تو کہتی ہوں بھائی صاحب زارون کے جانے سے پہلے اس کی بات پکی کر دیں ایویں وہاں سے کوئی میم لے آیا تو ہم کیا کریں گے۔'' چچی نے اپنے مطلب کی بات شروع کی۔

''ہاہاہا نہیں رابعہ ابھی تو پڑھ آئے پھر دیکھتے ہیں ابھی تو پڑھنے کی عمر ہے۔'' تایا ابو نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بھائی صاحب مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی سمجھ نہیں آرہا کہ کیسے کہوں، میں جانتی ہوں آپ میری بات پر یقین نہیں کریں گے پر میں چاہتی ہوں کہ گھر کی بات گھر میں ہی رہ جائے، آپ کی عزت کو میں اپنی عزت ہی سمجھتی ہوں پر کچھ لوگوں کی فطرت کبھی بدل نہیں سکتی ہے۔'' رابعہ نے کھل کے بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے رابعہ، کس کی بات کر رہی ہو؟'' تایا ابو نے پریشانی سے پوچھا۔

''یہ اپنی عائزہ، ماں نے بھی گھر سے بھاگ کر شادی کی تھی بغیر کسی کی عزت کی پرواہ کرتے ہوئے اور عائزہ بھی تو اسی کی بیٹی ہے بے شک تربیت آپ لوگوں کی ہے اور فطرت کو ماں جیسی ہی ہونی نا۔'' رابعہ نے زہر خند انداز میں کہا۔

''رابعہ ہوش میں تو ہو تم کیسی باتیں کر رہی ہو، نادیہ (عائزہ کی ماں) نے بھاگ کر شادی نہیں کی تھی بلکہ اس کی ماں نے اس کے لالچی اور آوارہ باپ سے چھپ کر اپنی مرضی سے شادی کرائی تھی، آئندہ تمہارے منہ سے میں اتنی گھٹیا بات نہ سنوں۔'' احمد علی نے غصے سے کہا۔

''بس کریں بھائی صاحب ہمیں بھی پتہ ہے سب، خیر مرنے والی کے متعلق کیا بات کروں، اس وقت بات ہو رہی ہے عائزہ کی، مجھے تو کہتے ہی شرم آرہی کہ عائزہ اور..... میرے بھائی کا چکر چل رہا ہے، عائزہ اتنی چھوٹی سی ہے کہ مجھے تو کہتے بھی شرم آرہی ہے، میں چاہتی ہوں کہ گھر کی بات گھر میں ہی رہ جائے آپ عائزہ کو مجھے دے دیں میں اسے اپنی بھابھی بنانا چاہتی ہوں سجاد کی عمر تھوڑی زیادہ ہے پر وہ کیا کہتے ہیں کہ جب میاں بیوی راضی ہوں تو کیا کرے گا قاضی۔'' رابعہ نے اپنی بات کو خود ہی انجوائے کرتے ہوئے کہا۔

''تم ہوش میں تو ہو کیا بکواس کرتی جا رہی ہو۔'' احمد علی نے ایک دم دھاڑتے ہوئے کہا۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے ہی جھوٹا اور غلط سمجھیں گے پوچھ لیں عائزہ کو بلا کہ کہ میں سچ کہ رہی ہوں یا جھوٹ، پر وہ بھی اب ڈر کے مارے کہاں سچ بولے گی۔'' رابعہ بیگم نے ذرا غصے سے کہا۔

''پھر بھائی صاحب میں کب آؤں بارات لے کے۔'' رابعہ بیگم نے ایسے ریلیکس انداز میں کہا جیسے رشتہ تو طے ہو ہی گیا ہو۔

''رابعہ......؟'' تایا ابو ایسے چلائے کہ وہاں موجود تمام لوگ ایک دم ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''میں تمہارا لحاظ کر رہا ہوں اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم جو مرضی بکواس کرتی رہو۔'' تایا ابو نے وارننگ کے انداز میں کہا۔

''میں تو آپ لوگوں کا بھلا ہی چاہ رہی ہوں ورنہ کون بیاہنے آئے گا ایسی لڑکی کو جس کی ماں نے بھاگ کے شادی کی ہو جس کا باپ اسے چھوڑ کر چلا گیا ہو، جس کے اتنی سی عمر میں لچھن ایسے کہ میں تو کانوں کو ہاتھ لگانے پر مجبور ہو گئی ہوں اتنی سی لڑکی اور لچھن...... توبہ توبہ۔'' رابعہ نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''ویسے تو مجھے اپنی بیٹی پر یقین ہے اور اس کو بہت سے اچھے رشتے بھی مل سکتے ہیں، پر تمہاری تسلی کے لئے بتا دوں کہ میں نے پہلے ہی زاردن اور عائزہ کا سوچا ہوا ہے چلو جانے سے پہلے ان کی منگنی کر دیتے ہیں۔'' احمد علی نے قدرے ریلیکس انداز میں جواب دیا۔

''کیا...... آپ ایسے کیسے کر سکتے ہیں

زارون کبھی بھی نہیں مانے گا۔'' رابعہ بیگم نے بوکھلاتے ہوئے کہا۔

''زارون...... زارون۔'' احمد علی نے زارون کو آواز دی۔

''جی پاپا...... آپ نے مجھے بلایا؟'' زارون نے دونوں کے پریشان چہرے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں میں تمہاری منگنی عائزہ سے کرنا چاہتا ہوں اور شادی تمہاری واپسی پہ ہو جائے گی۔'' احمد علی نے زارون کو اطلاع دینے والے انداز میں کہا۔

''منگنی...... وہ بھی عائزہ سے...... پلیز پاپا میں عائزہ سے منگنی نہیں کرنا چاہتا ہوں مجھے وہ پسند نہیں ہے کجا کہ میں ساری زندگی اس کے ساتھ گزاروں، نو نیور۔'' زارون نے حتمی انداز میں کہا، رابعہ بیگم نے جتاتی نظروں سے احمد علی کی طرف دیکھا۔

''میں نے تم سے پوچھا نہیں بتایا ہے بلکہ اب تمہارا نکاح ہوگا وہ بھی آج ہی۔'' احمد علی نے ایک دم فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

''کیا؟ پاپا آپ ایسا نہیں کر سکتے ہیں میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتا ہوں۔'' زارون نے ایک دم غصے سے کہا۔

''ٹھیک ہے مت مانو، میں تمہارے لئے پھر کچھ نہیں کر سکتا ہوں، اگر تم باہر جا کے پڑھنا چاہتے ہو تو تمہارے پاس سوچنے کے لئے صرف دو منٹ ہیں ہاں یا ناں میں جواب دو میں انتظار کر رہا ہوں۔'' تایا ابو نے اطمینان سے کہا۔

زارون ساکت کھڑا رہ گیا کیونکہ وہ عائزہ کو کبھی بھی اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکتا تھا پر باہر پڑھنے جانا اس کا خواب تھا، وہ اپنا خواب بھی ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، عائزہ کو تو بعد میں چھوڑ سکتا تھا پر بعد میں انگلینڈ سے ایم بی اے نہیں ہو سکتا تھا، زارون نے دماغ میں حساب لگاتے ہوئے کہا۔

''میں تیار ہوں۔'' زارون نے کہا اور باہر چلا گیا۔

☆☆☆

''بھابی جان۔'' ارما نے شرارتی انداز میں کہا۔

''میں......؟ کون بھابی۔'' عائزہ نے حیرانگی سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ اور کون؟'' ارما نے عائزہ کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''کیا......؟ پاگل ہو گئی ہو کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو؟'' عائزہ نے ناراضگی سے کہا۔

''بہکی نہیں سچ کہہ رہی ہوں چچے پاپا نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے کہ آپ کا نکاح زارون بھائی سے ہوگا اور وہ بھی آج کے آج، تو آپ ہماری بھابی ہوئیں ناں؟'' ارما نے شرارتی انداز میں کہا۔

''کیا......؟'' عائزہ ایک دم گھبرا اٹھی۔

''ہاں سب کی مرضی سے ہوا ہے اب تم پریشان نہ ہو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' ارما نے اب کے قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے عائزہ کو تسلی دی۔

''پر زارون بھائی تو......''

''وہ بس اوپر سے کرتے ہوتے ہیں اندر سے تو تمہیں پسند کرتے ہوں گے ناں تب ہی تو اتنے آرام سے مان گئے۔'' ارما نے عائزہ کی بات کاٹتے ہوئے شرارت سے کہا۔

''پر ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟'' عائزہ نے بوکھلائے انداز سے کہا۔

''پاگل وہ لڑکے ہیں اگر انہیں کوئی اعتراض

ہوتا تو وہ اسی وقت بولتے نا پر انہوں نے ہاں کر دی ہے تب ہی تو نکاح ہو رہا ہے میرا تو خیال وہ تمہیں پسند کرتے ہوں گے تب ہی تو مان گئے۔" ارما نے اپنی عمر کے مطابق ہی انداز لگاتے ہوئے کہا اور عائزہ کو تسلی دی۔

"اچھا چلو میں نیچے جا رہی ہوں، نیچے اتنے کام پڑے ہیں اب تم نا کوئی کام کرنا میں اور آپی کر لیں گے۔" ارما نے پیار سے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

"زارون بھائی مجھے پسند کرتے ہیں۔" ایسا سوچتے ہی عائزہ کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی۔

☆☆☆

نکاح کی رسم ہو گئی تو ارما عائزہ کو کمرے میں چھوڑ گئی، عائزہ خوش تھی، یہ سوچ رہی تھی کہ زارون بھی اسے پسند کرتا ہے اور ساتھ چھوٹی عمر میں تو خواب بھی جلدی سے آنکھوں میں سج جاتے ہیں عائزہ بھی خواب دیکھنے لگی تھی ایک دھیمی سے مسکراہٹ ہر عائزہ کے چہرے پر کھلنے لگی تھی۔

"عائزہ زارون تم سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔" روما آپی کمرے میں آئیں تو عائزہ ایک دم گھبرا گئی۔

"مجھ سے کیا بات کریں گے وہ آپی پلیز آپ انہیں منع کر دیں کسی کو پتہ لگ گیا تو کتنا عجیب لگے گا۔" عائزہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اب تمہارا نکاح ہو گیا ہے پاگل گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بس جانے سے پہلے تم سے ملنا چاہتا ہے آج اتنا خوبصورت دن ہے تم بھی آج اتنی خوبصورت لگ رہی ہو اب تو اس کا حق بنتا نا؟" آپی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"پر میں ان سے کیا بات کروں گی۔" عائزہ ہنوز پریشان تھی۔

"اوہ ہووو......ان سے؟" روما نے شرارتی انداز میں چھیڑا۔

"آپی آپ بھی نہ......" عائزہ جھینپ گئی۔

"چلو تم ذرا لیس نہ چینج کرنا میں زارون کو بھیجتی ہوں۔" روما نے پیار کرتے ہوئے کہا اور باہر چلی گئی۔

عائزہ بہت کنفیوژ تھی اور اس کا دل آج عجیب سی لے پر دھڑک رہا تھا جو خود عائزہ کی سمجھ سے بھی باہر تھا، ایک دم دروازہ کھلا اور زارون آپی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"دیکھو تمہارے پاس صرف پانچ منٹ ہیں بس جلدی سے جو بات کرنی ہے کر لو ورنہ پانچ منٹ کے بعد ہم سب اندر ہوں گے۔" روما آپی نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا۔

"جی۔" زارون نے سنجیدہ انداز میں جواب دیا اور آپی مسکراتی ہوئی باہر چلی گئیں۔

اب زارون کی سنجیدہ نظریں عائزہ کا جائزہ لے رہی تھیں جس نے ریڈ کلر کا خوبصورت سے بارڈر والا فراک پہن رکھا تھا اسی مناسبت سی ہلکی پھلکی جیولری پہن رکھی تھی اور میک اپ کے نام پر پنک کلر کی لپ اسٹک اور کاجل لگایا ہوا تھا، اسی سے عائزہ کی خوبصورتی کو چار چاند لگ گئے تھے، عائزہ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، پلکیں لرز رہی تھیں، گالوں پر لالی سی چھائی ہوئی تھی، عائزہ خود بھی اپنی حالت سے پریشان ہو رہی تھی کہ اسے کیا ہو رہا ہے۔

"تم بہت خوش ہو اس نکاح سے۔" ایک دم زارون کی سرد آواز عائزہ کے کانوں میں ٹکرائی پر عائزہ نے اس کے لہجے پر غور کرنے کی بجائے

ہلکا سا مسکرا کر زارون کو دیکھا۔

''پر میں نہیں ہوں تمہارے جیسی لڑکی کے ساتھ نکاح کر کے کوئی بھی شریف انسان خوش نہیں رہ سکتا۔'' زارون کی نفرت بھری آواز سن کر عائزہ نے ایک دم زارون کو دیکھا، عائزہ کی آنکھوں میں حیرانگی تھی۔

''تم نے شروع سے ہی میری زندگی عذاب کی ہوئی ہے پہلے میرے ماں باپ پر قبضہ کیا ہوا تھا پھر اب میری زندگی میں بھی نحوست پھیلانے چلی آئی ہو، تم کیا سمجھتی ہو کہ میں تمہارے جیسی لڑکی کے ساتھ خوش رہ سکتا ہوں؟ میں ایسی زندگی پر لعنت بھیجتا ہوں جو مجھے تمہارے ساتھ گزارنی پڑے۔'' زارون آہستہ آہستہ اپنی نفرت عائزہ کے اندر اتار رہا تھا اور عائزہ کا تو مانو سارا خون ہی نچڑ گیا ہو۔

''اگر پاپا مجھے دھمکی نہ دیتے کہ وہ مجھے انگلینڈ نہیں بھیجیں گے تو میں کبھی بھی یہ رشتہ نہ جوڑتا پر خیر ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا میں وہاں سے ہی تمہیں آزاد کر دوں گا پھر جس سے چاہے مرضی شادی کرنا مجھے تم سے کوئی مطلب نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا، تم اپنی زندگی میں آزاد ہو نہ تم کبھی میری زندگی میں مداخلت کرو گی اور نہ تمہیں میں اس بات کی اجازت دوں گا۔'' زارون نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

''ویسے بھی تمہارے جیسی لڑکیاں سجاد ماموں کے ساتھ سجتی ہیں، جن کا وقت تم جیسی لڑکیاں رنگین کرتی ہیں اور آخر میں کسی اور کی زندگی عذاب کرنے کے لئے پہنچ جاتی ہیں۔'' زارون کی اس بات پر عائزہ نے ایک دم چونک کر دیکھا۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' سجاد ماموں کی کیا بات کر رہے ہیں عائزہ نے حیرانگی سے کہا۔

''اتنی بھولی مت بنو پر خیر یہ تمہاری زندگی ہے جو مرضی کرو پر میری زندگی سے دور رہو، جس کو اس کے باپ نے own نہیں کیا اور ہمارے سر پر تھوپ دیا اس کے بارے میں اور کیا کہوں امید ہے تم سمجھ گئی ہوگی۔'' زارون نے بات ختم کرتے ہوئے کہا اور جانے کے لئے مڑ گیا۔

''اور ہاں۔'' زارون جاتے جاتے اچانک مڑا۔

''میری زندگی میں تمہاری کوئی اہمیت نہیں ہے جس سے میں اپنی زندگی میں سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں وہ تم ہو صرف اور صرف تم۔'' زارون نے آخری نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی اور کمرے سے چلا گیا اور عائزہ جہاں کی تہا کھڑی رہ گئی۔

پاس بیٹھے ہوئے یاروں کو خبر تک نہ ہوئی
ہم کسی بات سے اس درجہ انوکھا ٹوٹے

☆☆☆

عائزہ نے یہ بات کبھی کسی کو نہ بتائی وقت آہستہ آہستہ گزرتا گیا، روما آپی اور ہارون کی شادی ہوگئی، پر زارون نہ آیا کہ وہ مصروف تھا فون آتا اس کی کبھی عائزہ سے بات نہ ہوئی، اور نہ ہی اس کے کہے کے مطابق ابھی تک اس نے عائزہ کو طلاق بھیجی تھی، ارما، عائزہ اور صومیہ نے بی ایس سی تک ساتھ پڑھا پھر ارما کا رشتہ پھپھو کے بیٹے دانیال کے ساتھ ہو گیا تو اس نے آگے پڑھنے سے انکار کر دیا، اب صومیہ اور عائزہ آگے پڑھ رہی تھیں، صومیہ ایم ایس کیمسٹری کر رہی تھی اور وہ وہیں یونیورسٹی میں ہی کسی سے انٹرسٹڈ تھی اور اس کے رشتے کی بات گھر میں چل رہی تھی اور ہارون بھائی کی بیوی ثنا بھابھی ایک بہت اچھی اور فرینک لڑکی تھیں ارما اور عائزہ کے ساتھ ان کی بہت دوستی تھی آج کل ثناء بھابھی اپنے میکے گئی ہوئی تھیں اور ارما کو پھپھو اپنے ساتھ لے

گئی تھیں کہ۔
''بھئی ہمارے خاندان میں لڑکی اپنی پسند سے شاپنگ کرتی ہے۔'' تایا ابو اور تائی اماں کو اعتراز تو تھا پر پھپھو اور پھوپھا نے کسی کی ایک نہ سنی ویسے بھی دانیال شہر سے باہر جاب کرتا تھا، اس لئے زیادہ مسئلہ بھی نہ بنا۔
دانش عروسہ میں انٹرسٹڈ تھا پر رابعہ تائی کو منانا مشکل تھا کیونکہ وہ اپنی بھانجی لانا چاہتی تھی اور دانش عروسہ کے علاوہ کہیں اور کرنا نہیں چاہتا تھا۔
عائزہ نے بہت کوششیں کی کہ وہ زارون کو نہ سوچے پر وہ اپنے دل کو زارون کی طرف جانے سے نہ روک سکی اور اب ڈرتی تھی کہ جب زارون چھوڑ دے گا تو وہ خود کو کیسے سمجھائے گی۔
ارما کی شادی ہونے والی تھی تو عابدہ بیگم چاہتی تھیں کہ عائزہ کی بھی رخصتی کر دیں کیونکہ شادی پر زارون نے بھی آنا تھا پہلے تو عائزہ ٹالتی رہی پھر ایک دن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور سب بتا دیا، تائی اماں پہلے تو شاکڈ ہوئیں پھر غصہ ہوئیں اور آخر میں عائزہ کو پیار کرنے لگیں۔
کہ تمہیں تب ہی بتانا چاہیے تھا پر کوئی کیسے خود سے اپنی بے عزتی تو دہرا سکتا ہے۔
''تم فکر نہ کرو میں تمہاری ماں ہوں میں سب دیکھ لوں گی تم نے اب پریشان نہیں ہونا اور زارون کو میں خود سیدھا کرتی ہوں اس نے کیا نکاح کو بچوں کا کھیل سمجھا ہوا ہے۔'' عابدہ بیگم نے غصے سے کہا۔
''نہیں تائی اماں آپ انہیں کچھ مت کہنا وہ سمجھیں گے کہ میں نے شکایت لگائی وہ آپ سے، بہت ناراض ہوں گے۔'' عائزہ نے ایک دم گھبرا کے کہا، تائی اماں نے چونک کر عائزہ کی آنکھوں میں زارون کی ناراضگی کا ڈر دیکھا تو مسکرا دیں۔
''کچھ نہیں ہوتا بس تم اپنے دل سے سارے ڈر نکال دو میں ہوں نا، میں اور تمہارے تایا سب سنبھال لیں گے، ہم پر یقین ہے نا تمہیں؟'' آخر میں تائی اماں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
''مجھے آپ لوگوں پر یقین ہے میرے تو ماں باپ آپ لوگ ہی ہیں آپ لوگوں نے مجھے بہت پیار دیا ہے پر تائی اماں میں اب نہیں چاہتی کہ زارون کے ساتھ کوئی زبردستی ہو اور میری انا بھی یہ گوارا نہیں کرتی کہ میں اب ان پر زبردستی مسلط ہوں پلیز تائی اماں آپ یہ بات نہ کرنا۔'' عائزہ نے رندھے ہوئی آواز میں کہا۔
''ہمارے لئے تم ارما اور روما سے کم نہیں ہو، چلو اب پریشان نہ ہو اور آنسو صاف کرو۔'' تائی اماں نے پیار سے کہا اور چلی گئیں۔
عابدہ بیگم کی ہزار تسلیوں کے بعد بھی عائزہ رخصتی کے لئے نہیں مان رہی تھی، وہ اب زارون کی زندگی میں زبردستی شامل نہیں ہونا چاہتی تھی۔

☆☆☆

دروازے پر دستک کی آواز سے عائزہ ایک دم چونکی وہ کب ماضی کی وادی میں کھوئی تھی اسے خود خبر نہ ہوئی۔
''کون......؟'' عائزہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔
''بی بی جی...... بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔'' حاجرہ تایا ابو کا پیغام دیتے ہوئے بولی۔
''اچھا تم چلو میں بس آ رہی ہوں۔'' عائزہ نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ واش روم میں فریش ہونے چلی گئی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ تایا ابو اس کی آنکھوں میں کسی قسم کی اداسی دیکھیں۔
ٹپک پڑتے ہیں آنسو جب تمہاری یاد آتی ہے

یہ وہ برسات ہے کہ جس کا کوئی موسم نہیں ہوتا

☆☆☆

آج عائزہ آخری پیپر دے کر گھر آئی تو بہت تھک گئی تھی تو بغیر کھائے پیئے بس جا کے سو گئی پھر جب آنکھ کھلی تو اندھیرا اچھا گیا تھا۔

"حیرت ہے مجھے آج کسی نے اٹھایا ہی نہیں، میں اتنی دیر سوئی رہی ہوں۔" عائزہ نے حیرانگی سے سوچا اور اٹھ کر فریش ہونے چلی گئی، نہا کے نکلی تو اپنے آپ کو بہت فریش محسوس کر رہی تھی، پیپرز کی ساری ٹینشن ختم ہوئی تو خود کو بہت ریلیکس محسوس کر رہی تھی نیچے آئی تو گھر میں بڑی خاموشی تھی۔

"لگتا ہے تایا ابو اور تائی اماں کہیں گئے ہوئے ہیں۔" عائزہ نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سوچا ابھی وہ حاجرہ سے پوچھنے ہی لگی تھی کہ تایا ابو کے کمرے سے بولنے اور ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں۔

"لگتا ہے ارما واپس آگئی ہے کتنی کمینی ہے اتنے دنوں کے بعد آئی ہے اور یہ نہیں کہ مجھ سے مل لے بلکہ آرام سے ادھر بیٹھی ہوئی ہے۔" یہ سوچتے ہوئے وہ تایا ابو کے کمرے کی طرف چل دی اور جاتے ہی بولنے لگی۔

"میں سمجھی آپ لوگ کہیں گئے ہوئے ہیں اور اتنی دیر ہوگئی مجھے کسی نے اٹھایا ہی نہیں، اب ادھر کیوں بیٹھیں ہیں سب آج تو مجھے بہت بھوک لگی ہوئی ہے اتنے دنوں سے پیپرز کی وجہ سے......" عائزہ کی نظریں اچانک سے زارون پر پڑی جو اسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا تو ایک دم چپ ہوگئی، اسے پتہ ہی نہ تھا کہ آج زارون نے آنا تھا ورنہ وہ کبھی نیچے نہ آتی۔

زارون آنکھوں میں انہماک لئے عائزہ کو دیکھ رہا تھا جیسے یہاں اور کوئی موجود نہ ہو، عائزہ نے بلیک کلر کا سوٹ پہنا تھا جس پر پنک کلر کی کڑھائی ہوئی تھی، دوپٹہ ایک سائیڈ پر لٹک رہا تھا اور بلیک کلر اس کی سرخ و سفید رنگت پر بہت خوبصورت لگ رہا تھا پہلے سے بہت پیاری ہوگئی تھی، بال بھی کمر سے نیچے تک آ رہے تھے جو کہ نہانے کے بعد اس نے ایسے ہی کھلے چھوڑے ہوئے تھے زارون کتنے عرصے کے بعد اسے دیکھ رہا تھا، تصویریں تو ارما بھیجتی ہی رہتی تھی، پر اصل میں تصویروں سے بھی کہیں زیادہ پیاری لگ رہی تھی، عائزہ کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرانگی تھی اور ہونٹ ابھی بھی بات کرنے کے انداز میں کھلے ہوئے تھے، تایا ابو اور تائی اماں عائزہ کی حیرانگی کو انجوائے کرتے ہوئے مسکرا رہے تھے ایکدم عائزہ کو ہوش آیا وہ مڑی اور بھاگتی ہوئی واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔

عائزہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی، وہ زارون کو پورے پانچ سال کے بعد دیکھ رہی تھی اتنے عرصے میں اس نے کبھی اس کی کوئی تصویر بھی نہیں دیکھی تھی وہ زارون پر ایسا کوئی حق نہیں سمجھتی تھی، زارون کا جسم پہلے سے بھرا ہوا تھا، ایسا لگتا تھا کہ کتنے دنوں سے شیو نہیں کی ہوئی، زارون کی شہد رنگ آنکھوں میں تھکن کی لالی تھی جو اس کی آنکھوں کو مزید خوبصورت بنا رہی تھی اور دھیمی سے مسکان جو عائزہ کو دیکھ کر آئی تھی وہ زارون کی دلکشی میں اضافہ رہی تھی، زارون کی تیکھی سے ناک جس پر عائزہ کو دیکھتے ہی غصہ چڑھا رہتا تھا آج تو وہ غصہ بھی نہیں تھا اور چہرے پر نرم نرم سے جذبات بہت اچھا تاثر دے رہے تھے غرض یہ کہ زارون پہلے سے بھی کہیں زیادہ ہینڈسم ہو کے آیا تھا یا شاید عائزہ کو لگ رہا تھا، زارون کو یہ سمجھانے کے لئے کافی تھی کہ وہ جو سمجھ رہی تھی کہ زارون کی اس کی زندگی میں کوئی جگہ

نہیں وہ سب فضول باتیں تھیں، عائزہ کا زارون کے بغیر رہنا ناممکن تھا۔

☆☆☆

ارما زارون کا سن کر واپس آ چکی تھی اور اس کا سسرال نامہ سن کے عائزہ کے کان پک گئے تھے۔

''پھپھو یہ...... پھپھو وہ......عروسہ نے یہ کیا عروسہ اور میں نے بازار میں یہ کیا، میں یہ یہ خریدا۔''

''بس کر دو ارما، میرے کان پک چکے ہیں پلیز اب بس کر دو۔'' عائزہ نے باقاعدہ ارما کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''کل روما آپی آ رہی ہیں اور ثناء بھابھی بھی آنے والی ہیں، پلیز کچھ ان لوگوں کے لئے بھی بچا کے رکھ لو کہ وہ اتنی مزے کی باتیں سن سکیں مجھے بخش دو۔'' عائزہ نے روما آپی اور ثناء بھابھی کی آمد کا بتاتے ہوئے کہا۔

''ہیں...... سچ روما آپی آ رہی ہیں۔'' روما کے چھوٹے بیٹے شاہ ویز میں تو ان کی جان تھی تو کم عزیز انہیں ہارون کی بیٹی ایمان بھی نہیں تھی اور بڑوں کے آنے سے زیادہ خوشی انہیں بچوں کے آنے کی تھی ہارون بھی کچھ دنوں میں آنے والا تھا جو اپنی جاب کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔

''تم کتنی بے وفا ہو بدتمیز، میں اتنے دنوں کے بعد آئی ہوں اور تم کچھ دیر میں ہی میری باتوں سے تھک گئی ہو۔'' ارما نے شکوہ کرتے ہوئے کہا، عائزہ اس کی فضول باتوں کو مسلسل اگنور کر رہی تھی۔

''ویسے بے وفا تو تم ہو ہی، بھائی اتنے عرصے کے بعد آئے ہیں اور تم نے ان کا استقبال ایسے سڑے ہوئے منہ کے ساتھ کیا ہے، بیچارے ڈر ہی گئے ہوں گے۔'' ارما نے عائزہ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''اور کیا کرتی ان کی راہوں میں اپنا دل رکھ دیتی کہ آئیں سرتاج اس دل کے اوپر آپ اپنا ہمیشہ کی طرح پاؤں رکھیں اور اسے روندتے ہوئے گزر جائیں اور بے وفا لوگوں میں تمہیں تمہارے بھائی صاحب نظر نہیں آئے جو اتنے سالوں کے بعد آئے اور ہمیشہ کی طرح سڑے ہوئے ہی تشریف لائے ہیں۔'' عائزہ نے مزاحیہ انداز میں کہا اور ارما اس کی باتوں پر مسکرا دی۔

''اور ویسے بھی انہیں یاد بھی نہیں ہوگا کہ وہ یہاں کوئی ایک عدد بیوی چھوڑ کے گئے تھے، یاد ہوتا تو اب تک بیوی تھوڑی ہوتی پاگل لڑکی، تھوڑا دماغ بھی استعمال کر لیا کرو۔'' عائزہ نے قدرے سنجیدہ انداز میں کہا اور ارما جیسے ہی مڑی ایک منٹ کے لئے ساکت رہ گئی۔

''ارما ذرا ایک کپ چائے تو پلوا دو۔'' زارون مسکراتی ہوئی آواز سن کر عائزہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

''جی بھائی ابھی لائی۔'' ارما مسکراتی ہوئی عائزہ کو شرارتی نظروں سے دیکھتی ہوئی باہر چلی گئی عائزہ نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش کی تو زارون نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تم کدھر جا رہی ہو، ابھی تو تم سے یہ جاننا ہے کہ اتنے عرصے کے بعد آؤ تو اپنی اتنی خوبصورت بیوی سے کیسے ملتے ہیں۔'' زارون نے بظاہر سنجیدگی سے کہا پر زارون کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

''میرا ہاتھ چھوڑیں کہیں مجھ جیسی لڑکی کا ہاتھ پکڑنے سے آپ بدنام نہ ہو جائیں۔'' عائزہ نے غصے سے ہاتھ چھڑواتے ہوئے پچھلی بات کا حوالہ دیا پر زارون کی مسکراہٹ پر کوئی اثر نہ ہوتا

دیکھ کر عائزہ کا غصہ مزید بڑھ گیا اور اس نے ہاتھ چھڑوانے کی زارون کے ہاتھ پر دانت کاٹ دیئے۔

''سی۔'' زارون نے درد سے چور ہوتے ہاتھ ایکدم چھوڑ دیا اور عائزہ کمرے سے فٹا فٹ باہر چلی گئی۔

''یہ تو بڑی جنگلی ہوگئی ہے پہلے تو بڑی معصوم سی ہوتی تھی۔'' عائزہ کے جاتے ہی زارون نے خود کلامی والے انداز میں کہا اور ہاتھ پر بنے ہوئے نشانوں کو گھورنے لگا پھر ایک دم مسکرا دیا اور اسے کے پیچھے باہر آ گیا۔

☆☆☆

عائزہ کو رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا، وہ سمجھ رہی تھی کہ زارون صرف اس کی بے بسی کا تماشا دیکھ رہا ہے اس کا مذاق اڑا رہا ہے عائزہ کو زارون کی مسکراہٹ تو نظر آ رہی تھی پر آنکھوں میں مچلتے خوبصورت سے جذبے نظر نہیں آ رہے تھے، عائزہ کو یہ مسکراہٹ اس کا مذاق اڑاتی ہوئی لگ رہی تھی۔

عائزہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کے رونے لگ گئی جب دل کا درد حد سے بڑھ جائے اور کوئی اس کے احساسات کو شیئر کرنے والا بھی نہ ہو تو اپنی بے بسی پر رونا آ ہی جاتا ہے۔

ارما تو آج کل اپنے بھائی کی چمچی بنی ہوئی تھی اور صومیہ گھر میں پھیلی ٹینشن سے رابعہ تائی کے عتاب کا باعث بنی ہوئی تھی تو آج کل عائزہ اکیلی تھی اور بات بے بات رونے کو تیار بیٹھی تھی۔

اس کا دل کرتا تھا کہ زارون سے پوچھے کہ اسے ان پانچ سالوں میں کبھی اپنے کہے ہوئے الفاظ یاد آئے ہیں جس طرح عائزہ انہیں سوچ کے تڑپی ہے کبھی زارون کو ان الفاظ پر بھی شرمندگی ہوئی ہے، کبھی اس نے عائزہ کو ان کے درمیان موجود رشتے کے لحاظ سے سوچا ہے جس طرح عائزہ کو نا چاہتے ہوئے بھی زارون سے محبت ہوگئی تھی ویسے زارون کو کبھی محسوس ہوا ہے، اسے ان تمام باتوں کا جواب چاہیے تھا وہ اب اس رشتے کو مزید لٹکانا نہیں چاہتی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ ایک دفعہ پھر زارون کی زندگی میں وہ زبردستی شامل ہو جائے، اب اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا کہ اگر زارون اسے الگ بھی کر دے تب بھی ضد نہیں کرنی ہے اس بات پر دل نے بہت شور مچایا پر عائزہ نے ڈانٹ دیا اسے سمجھایا کہ عزت نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے پر پیار کہاں دیکھتا ہے عزت نفس کو۔

تمہیں کوئی فرق پڑتا ہے
میرے ہونے نہ ہونے سے
میرے ہنسنے یا رونے سے
میرے لفظوں سے یا پھر
میرے بہت........
خاموش ہونے سے؟

☆☆☆

آج عائزہ نے زارون سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا وہ چاہتی تھی کہ اس بار وہ دوٹوک انداز میں بات کرے تا کہ اس کی عزت بھی رہ جائے تایا ابو آفس گئے ہوئے تھے تائی اماں روما آپی کے ساتھ بازار گئی ہوئیں تھیں ارما کو فون سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی اور ثناء بھابھی کچن میں حاجرہ کے ساتھ مصروف تھیں تو اچھا موقع تھا عائزہ نے ہمت باندھی اور زارون کے کمرے میں بات کرنے پہنچ گئی۔

''کون...... آ جاؤ۔'' اندر سے زارون کی آواز سن کر دل کو مضبوط کرتی اندر آ گئی۔

زارون لیپ ٹاپ سامنے کھولے کام میں

مصروف تھا اور خود بیڈ پر نیم دراز تھا، اسے آتے دیکھ کر حیرانگی سے ایک دم کھڑا سا ہو گیا۔

''کیا ہوا عائزہ تم ٹھیک ہو نا اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟'' زارون نے قدرے پریشان لہجے میں پوچھا۔

''جی۔'' عائزہ نے تھوک نگلتے کہا دل اندر سے کانپ رہا تھا پر آج بات کرنا بھی بہت ضروری تھا۔

''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' عائزہ نے آخر ہمت اکٹھی کرتے ہوئے بات شروع کی۔

''ہاں ہاں کہو کیا بات ہے میں سن رہا ہوں۔'' زارون نے عائزہ کا حوصلہ بڑھانے کے انداز سے کہا۔

''آپ پلیز تائی اماں اور تایا ابو کو رخصتی کے لئے انکار کر دیں میں رخصتی نہیں چاہتی ہوں اور یقیناً آپ بھی ایسا ہی چاہتے ہوں گے نکاح کے وقت اتنی ہمت نہ کر سکی کہ انکار کر سکتی اور تب آپ کو بھی مجبوری تھی پر اب تو آپ انکار کر سکتے ہیں میں اب زبردستی آپ کی زندگی میں شامل نہیں ہونا چاہتی میں۔''

''زبردستی تو تم شامل ہو ہی گئی ہو۔'' زارون نے ایک دم عائزہ کی بات ٹوکتے ہوئے کہا۔

یہ بات جانتی تھی پھر بھی اس کے منہ سے سن کر دل ایک دم بند ہونے لگا آنسو بہنے کو تیار ہو گئے پر اسے خود کو سنبھالنا تھا۔

''جی تب ہی تو کہہ رہی کہ آپ......''

''میں جب چھوٹا سا تھا تو تم پیدا ہوئیں بہت کیوٹ سی تھی تم تو ظاہر ہے مجھے بھی پیاری ہی لگی۔'' زارون نے اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''آہستہ آہستہ تم ہماری زندگی میں شامل ہو گئی، کچھ چچا جان کی بے اعتنائی کی وجہ سے کچھ نائلہ چچی کے رویہ نے تمہیں ہمارے درمیان شامل کر دیا، مجھے تم سے بہت ہمدردی محسوس ہوتی تھی، کبھی کبھی چچا پر بہت غصہ بھی آتا تھا کہ انہیں تمہاری کوئی فکر نہیں ہے، پھر وہ تمہیں چھوڑ کے چلے گئے، جب تم سیڑھیوں میں بیٹھ کر اپنے پاپا کے فون کا انتظار کرتی تھی وہ میں دعا کرتا کہ تمہاری امید نہ ٹوٹے فون آ جائے پر ایسا نہ ہوتا اور تم مایوس ہو کے اندر چلی جاتی تب میرا دل کرتا کہ میں چچا کو فون کر کے بہت سناؤں کہ وہ تمہارے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہیں میں اور دانش تمہیں تنگ کرتے، تمہیں چڑاتے کہ کسی طرح تمہاری امید ٹوٹ جائے تم چچا سے کوئی بھی امید لگانا چھوڑ دو، تم ان سے مایوس ہو جاؤ، تمہیں صبر آ جائے تم چچا کے جھوٹے وعدوں کو ان کی جھوٹی محبت کو سب کو بھول جاؤ۔'' زارون نے عائزہ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا جو بڑے انہماک سے سن رہی تھی اور اسے دیکھ رہی تھی اس کے دیکھتے ہی اس نے اپنی نظریں دوسری طرف پھیر لیں تو زارون ہلکا سا مسکرا دیا۔

''پھر تم جانتی ہو اس وقت میں رابعہ چچی کے ساتھ بہت دوستی تھی وہ مجھ سے بہت پیار جتاتی تھیں اور بچے کو تو جو بھی بے وجہ ہی پیار جتائے اسے صحیح کہے تو بچہ تو خود با خود اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی سین تھا، تم پاپا کو شکایت لگاتی وہ مجھے بہت ڈانٹتے، ماما بھی صرف تمہاری سائیڈ لیتی یہاں تک کہ ہارون بھائی اور روما آپی بھی تمہارے لئے ڈانٹتے اور میری چھوٹی گڑیا ارما بھی منہ بنا لیتی، اب تم بتاؤ میں بھی تو بچہ تھا نہ میں کیوں نہ چڑتا۔'' زارون نے سوالیہ انداز میں عائزہ سے پوچھا، عائزہ نے میکانکی انداز میں سر ہاں میں

ہلا دیا۔

''رہی سہی کسر چچی پورا کر دیتیں وہ مجھے سمجھاتی کہ تم میرا حق مارتی ہو میرے سارے رشتوں پر قبضہ کیا ہوا ہے تم منحوس ہو جو ماں کو بھی نگل گئی اور باپ بھی چھوڑ گیا تاکہ تمہاری منحوست اس کی فیملی پر نہ پڑے میں کبھی ان باتوں کو اگنور کر دیتا اور کبھی ان کی باتوں میں آجاتا، میری چڑ تم سے دن بہ دن بڑھتی ہی جارہی تھی، تمہیں دیکھ کر ہی غصہ آجاتا، فضول تمہیں ڈانٹتا رہتا، جان کے اپنی نفرت کا اظہار کرتا کیونکہ پھر تم روتی تھی اور تمہیں روتے دیکھ کر مجھے بہت سکون محسوس ہوتا تھا، کچھ چچی مجھے چڑھاتی تھیں کہ تم بالکل صحیح کر رہے ہو اور میں تمہیں اپنی نفرت کی مار مارتا رہا۔'' زارون نے سنجیدگی سے اعتراف کیا۔

''پھر مجھے چچی نے بتایا کہ تمہارا ان کے بھائی سجاد ماموں سے چکر چل رہا ہے اور تم دانش کے ساتھ بھی عجیب چھچھوری حرکتیں کرنے لگی ہو۔'' زارون کی اس بات پر عائزہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''انہوں نے تمہیں بہت برا بھلا کہا جس کا مختصر مطلب یہ تھا کہ تم نے سجاد ماموں کو اپنے پیچھے لگایا ہے تم جان کے ان کے روم میں جاتی ہو، وہ تمہیں منع کرتی ہیں تب بھی تم نہیں سنتی ہو اور......'' زارون کی بات پر عائزہ نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تو زارون نے روک دیا۔

''مجھے پتہ ہے کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو، میں نے تب بھی یقین نہیں کیا چڑ اپنی جگہ تھی پر میں تمہیں جانتا تھا کہ تم ایسی بالکل نہیں ہو میں نے چچی کو غلط بھی نہیں کہا چپ کر کے سنتا رہا مجھے کیا ضرورت تھی ان کی بات کو غلط کہتا اور ان کی ناراضگی مول لیتا ہاں میں نے سوچا تھا کہ ہارون بھائی کے کانوں میں بات ڈال دوں گا تاکہ وہ پاپا کو بتائے ہینڈل کر لیں گے اور آگے کی بات تمہارے سامنے ہے کہ نکاح کن حالات میں ہوا میں نکاح کے لئے تیار نہیں تھا اور تم سے تو بالکل بھی نہیں تھا اور پاپا کی دھمکی کے بعد مجبوراً کرنا پڑا پر مجھے تم پر غصہ بہت تھا دل کر رہا تھا تمہیں جان سے مار دوں۔'' زارون کی اس بات پر عائزہ نے قدرے خفگی سے اس کی طرف دیکھا تو زارون اس کی خفگی دیکھ کر مسکرا پڑا۔

''یار یہ تب کی بات تھی نہ۔'' زارون سے وضاحت دینے والے انداز میں کہا۔

''پھر سوچا جاتے ہوئے ذرا تمہارا بھی دماغ سیٹ کر کے جاتا ہوں تب بہت کچھ ایسا کہا جو کہنا نہیں چاہیے تھا بلکہ وہ میرے دماغ میں بھی نہیں تھا پر تب غصہ میں کہہ دیا اور یقین کرو بعد میں میں بہت پچھتاتا رہا ہوں۔'' زارون نے عائزہ کی شکایتی نظروں کے جواب میں اپنی صفائی دیتے ہوئے کہا۔

''اور وہ جو کہہ کے گئے تھے کہ ادھر جاتے ہی چھوڑ دوں گا؟'' عائزہ نے پوچھا۔

''وہ بھی غصے میں تھا میں نے کیوں چھوڑنا تھا یہ پاپا کا فیصلہ تھا تو مجھے نبھانا ہی تھا اور ویسے بھی نکاح کوئی بچہ کا کھیل تھوڑی ہے کہ مجبوری ہوئی تو کر لیا بعد میں چھوڑ دیا، میں بس تمہیں بھی ہرٹ کرنا چاہتا تھا جیسا کہ میں خود ہوا تھا اور وہاں جا کے بھی تم مجھے شروع میں کبھی یاد نہیں آئی۔'' زارون کی بات پر عائزہ نے ایک سرد آہ بھری۔

''پر آہستہ آہستہ پتہ نہیں کیا ہوا میں تمہیں یاد کرنے لگا، تمہاری خبر رکھنے لگا دعا کرتا کہ فون تم ہی اٹھاؤ پر تم اٹھاتی ہی نہیں تھی، ارما کی منتیں کر کے تمہاری تصویریں منگواتا۔'' زاورن کے انکشاف کیے (اچھا تو اسی لئے یہ ارما میڈم میری

مختلف پوز میں تصویریں لیتی ہوئی پائی جاتی تھیں بھلا مجھے بتا دیتی ذرا پیاری تصویریں کھینچوا لیتی یہ لڑکی بھی نا) عائزہ نے دل میں سوچا۔

''اور یہ بھی خبر ہوگئی تھی کہ تم راضی نہیں ہو پر مجھے پتا تھا کہ یہ تم میرے لئے ہی کہہ رہی ہو ورنہ نکاح والے دن تمہارے چہرے پر جتنے رنگ اور خوشی تھی کسی اندھے کو بھی پتہ لگ جاتا کہ تم خوش ہو (اچھا تو اتنا بھی دھیان دیا تھا اور میں سمجھی دیکھا بھی نہیں ویسے ہے ابھی وہ معزور اور سڑا ہوا کیسے جتا دیا کہ تب میں خوش تھی، شوخا نہ ہو تو)۔'' عائزہ مسلسل کی باتوں کا جواب دل میں دے رہی تھی۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ میں شروع سے تم سے محبت کرتا تھا اور اوپر سے چڑ تا تھا، پر یہ ہے کہ نکاح کے بعد چڑ ختم ہوتی گئی تو خود بخود دل میں تمہارے لئے پیار پیدا ہوا گیا میں چاہتا تھا کہ جس طرح میں تمہیں ہرٹ کر کے گیا تھا ویسے ہی تمہارے سامنے اظہار کروں، اب تم کچھ نہیں کہو گی؟'' زارون سے پیار سے پوچھا۔

''ہاں میں تب خوش تھی کیونکہ مجھے لگا کہ یہ سب آپ کی رضا مندی سے ہو رہا تھا یہ نہیں تھا کہ میں کوئی آپ کی محبت میں مبتلا تھی (تھوڑا دماغ سیٹ ہونا ایویں سمجھ رہا کہ میں کوئی محبت میں مری جا رہی تھی) اگر آپ کی مجبوری تھی تب بھی آپ کو وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا آپ نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے میں ان پانچ سالوں میں ان باتوں نے مجھے بہت تنگ کیا ہے، ان باتوں کی وجہ سے مجھے آپ سے نفرت ہو جانی چاہیے تھی لیکن......''

''اچھا تو نفرت نہیں ہوئی تو مطلب محبت ہوگئی؟'' زارون نے بات کاٹتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا۔

''اور ابھی بھی آپ نے کہا کہ زبردستی ہی شامل ہوگئی ہو میری زندگی میں، اس کا کیا؟'' عائزہ نے اس کی بات اگنور کرتے دوسری شکایت پیش کی۔

''ہاں تو زبردستی ہی زندگی اور دل میں گھستی ہی چلی گئی میں نے کون سا تمہیں اجازت دی تھی کہ دل میں بس جاؤ پر تم ہو کے دل سے نکلتی ہی نہیں ہو۔'' زارون نے قدرے رومینٹک انداز میں کہا۔

(ہائے اللہ یہ ایسے باتیں کرتے ہوئے کیسے لگ رہے ہیں یہ تو غصے والے انداز میں ہی صحیح تھے) عائزہ نے سوچتے ہوئے اپنی ہنسی روکی۔

''اب ہنس کیوں رہی ہو بتاؤ کہ اب بھی جا کے کہہ دوں کہ تم رخصتی نہیں چاہتی ہو یا واقعی تمہیں سجاد ماموں ہی اچھے لگتے ہیں۔'' زارون نے عائزہ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ہائے نہیں۔'' عائزہ نے ایک دم دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا پھر ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔

''رابعہ تائی نے میرے متعلق بہت غلط کہا ہے پتہ نہیں کیوں حتی کہ میں نے کبھی ان کے احترام میں کمی نہیں کی پر......''

''چھوڑو ہم کسی کی زبان نہیں روک سکتے تم خود اچھی ہو تو بس یہ بہت ہے ہاں اگر پھر کبھی تم نے کچھ غلط کہا تو تمہارا یہ گھبرو جوان شوہر ہے نہ یہ سب سنبھال لے گا۔'' زارون نے اپنے مسلز دکھاتے ہوئے کہا۔

عائزہ ایک دم ہنس پڑی اور زارون اسے اتنے عرصے کے بعد ہنستے دیکھتے ہوئے ایکدم ہلکا پھلکا ہو گیا اور اسے پیار سے دیکھنے لگا اور ہنستے ہنستے جب عائزہ کو زارون کی نظروں کا احساس ہوا تو ایکدم چپ ہوگئی اور جانے لگی۔

''ارے رکو تو، ابھی تو تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ اتنے عرصے کے بعد اپنی اتنی خوبصورت بیوی سے کیسے ملتے ہیں۔'' زارون نے پیچھے سے شرارتی انداز میں پوچھا اور عائزہ اگنور کرتی مسکراتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

ارما کے ساتھ عائزہ کی بھی رخصتی تھی اب کام ڈبل ہو گیا تھا پر عائزہ کو کوئی فکر نہ تھی اس نے ساری ذمہ داری تائی اماں پر چھوڑ دی ہوئی تھی، اس نے سارا اختیار انہیں دے دیا تھا۔

''اچھا یہ تو بتا دو کہ بارات کے لئے کون سے کلر کا ڈریس لاؤں۔'' تائی اماں نے عائزہ سے پوچھا۔

''پیور ریڈ۔'' زارون جو عائزہ کے پیچھے کھڑا بات سن رہا تھا اس نے سرگوشی کی۔

''پیور ریڈ تائی اماں۔'' عائزہ نے مسکرا کر تائی اماں کو جواب دیا، عابدہ بیگم نے زارون کو کہتے دیکھا تھا پیار سے مسکرا دیں اور دل میں دونوں کی خوشیوں کی دعا کرنے لگیں۔

دانش نے آخر رابعہ بیگم کو عروسہ کے لئے منا ہی لیا تھا بد دل ہو کر ہی سہی پر رابعہ بیگم عروسہ کو انگوٹھی پہنا آئی تھیں اور آج صومیہ کے ہاتھ پیلے رکھنے اس کے کلاس فیلو کے گھر والے آ رہے تھے اور وہ آج بہت خوش تھی۔

''صومیہ یار پتہ نہیں احمد بھائی کو تم میں کیا نظر آ گیا کہ وہ تمہارے پیچھے پاگل ہوئے ہیں۔'' ارما نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''جو تمہارے دانیال صاحب کو نظر آیا تھا وہ ہی نظر آیا ہوگا۔'' زارون نے ارما کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا تو بھائی کو پیچھے کھڑے دیکھ کر ارما ایک دم جھینپ سی گئی۔

''آپ ادھر کیا کر رہے ہیں زارون بھائی۔'' صومیہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''کیوں بھئی میں ادھر کیوں نہیں آ سکتا آخر میری بہن کے سسرال والے آ رہے ہیں۔'' زاورن نے حیرانگی سے کہا۔

''آپ کا اور عائزہ کا پردہ چل رہا ہے نا تو آپ ادھر سے چلتے بنیں۔'' ہارون بھائی نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا اسی لئے محترمہ اتنے دنوں سے نظر نہیں آ رہیں بھئی ہمارا تو نکاح ہوا ہے پھر یہ پردہ کیوں چل رہا ہے۔'' زاورن نے جھنجلائے انداز میں کہا۔

''کیونکہ ایسے دلہن کو روپ زیادہ آتا ہے اوپر کھڑی عائزہ کو دیکھتے زارون نے آنکھ ماری تو عائزہ مسکرا کے پیچھے ہو گئی اب اس کی زندگی میں بہار ہی بہار تھی، سب پریشانیوں کے دن دور ہو گئے تھے۔

پر آج جانے کیوں پاپا بہت یاد آ رہے تھے ماں کو تو دیکھا ہی نہیں تھا اور باپ بھی بہت دور تھا تایا ابو نے پاپا کو فون کیا تھا کہ نکاح کے وقت بھی نہیں آئے تھے اب کم از کم رخصتی پر تو آؤ پر پاپا نے کہا کہ عائزہ آپ لوگوں کی بیٹی ہے اس کا فیصلہ آپ لوگ جو بھی کریں ان کے بیٹے کے ایگزامز ہو رہے تھے، وہ لوگ نہیں آ سکتے، انہیں تو یاد بھی نہیں تھا کہ یہاں بھی ان کی ایک بیٹی ہے عائزہ نے تلخی سے سوچا اور آنکھ سے گرتا آنسو صاف کر دیا اسے اب مسکراتے ہوئے خوشیوں کا استقبال کرنا ہے ہاں ایک دکھ تھا باپ کی بے اعتنائی کا اور وہ شاید ساری زندگی رہنا تھا مگر عائزہ کو یقین تھا کہ سب لوگوں کی محبتوں سے وہ بھی ایک دن ختم ہو جائے گا عائزہ نے وثوق سے سوچا اور مسکراتی ہوئی نیچے چل دی خوشیاں عائزہ کی منتظر تھیں۔

☆☆☆

دائرہ
سیما بنت عاصم

فلیٹ کے احاطے میں داخل ہوتے ہی مسعود مرزا کو کسی غیر معمولی پن کے سے احساس نے گھیر لیا تھا، اک عجیب سا سناٹا و وحشت، کسی ان دیکھی سراسیمگی کا سا عالم، انہوں نے ڈپلی کیٹ سے داخلی دروازہ وا کیا تھا، شام ڈھل رہی تھی، چارسو پھیلتا اندھیرا، اس سناٹے و وحشت کو بڑھا رہا تھا۔

''مسعود دیکھنا اک روز آپ مجھے کھو دیں گے۔''

کل رات ثانیہ کی کہی بات ان کے آس پاس ابھری اور وہ اضطراب سے کھٹا کھٹ ساری لائٹیں کھولتے چلے گئے تھے، چارسو روشنی پھیل گئی، جیسے سب کچھ جاگ اٹھا، مگر کوئی کمی سی تھی۔

ہاں مگر اک وجود، ثانیہ جو فلیٹ میں قدم رکھتے ہی انہیں تھام لیتی، ان کے آنے جانے کا کوئی وقت نہ تھا، مگر وہ ہر بار سجی سنوری لبوں پر دھیمی مسکراہٹ جائے، انہیں منتظر ملتی۔

ہاں انہیں اعتراف تھا، ثانیہ کئی بار اسی انتظار کی ڈور کو تھامے کبھی بیڈ پر اوندھی، کبھی چیئر پر جھولتی گہری نیند کے سفر پہ نکل جاتی۔

ساحل سمندر کے کنارے واقع اس فلیٹ میں خاموشی و تنہائی کا بسیرا رہتا، وہاں زندگی تب ہی جاگتی، جب وہ اور ثانیہ یکجا ہوتے اور ایسا کم ہی ہوتا تھا، ثانیہ جیسی لڑکی ان کی زندگی میں در آئے گی یہ کبھی سوچا بھی نہ تھا، وہ خود کو بھی اس کے لئے Suitable نہ پاتے مگر، وہ اعتراف کر بھی جاتے تو ثانیہ اڑا جاتی۔

''میں جس وقت سولہ سال کی تھی، اس وقت بھی میرا آئیڈیل اک میچور مرد ہی تھا، آپ مکمل میرا آئیڈیل ہیں۔''

مسعود مرزا جوان بچوں کے باپ سہی، عمر رسیدہ نہ تھے، مڈل ایج تھی، پھر قدرتی مین ٹین سے باوقار شخصیت پائی تھی۔

برادری کی سفاک روایت کے تحت، کم عمری کی بے جوڑ شادی، وٹہ سٹہ سو وہ کبھی کسی اور بارے میں سوچ بھی نہ سکتے تھے، ان کی زندگی زہر کا پیالہ پیتے گزری تھی، بیوی کی روک ٹوک، ٹوہ اور سازشوں سے ان کا سکھ چین ہی نہیں غارت کیا تھا، خود اسے بھی ذہنی مریضہ بنا دیا تھا، ان کی زندگی نئی دنیاؤں کی سیر میں گزری تھی، ہاں مگر وہ ٹھہرے صرف ثانیہ پر تھے۔

اولاد کے بعد زندگی کا دائرہ ان پر تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا گیا تھا، انہوں نے اپنا آپ کھو دیا تھا، ان کے سر پر تفکرات کا بار تھا، گھر بھر کے فرائض کی تکمیل کے سبب، ذمہ داریوں اور فرائض کا دگنا بار رفتہ رفتہ زندگی کی کٹھنائیاں اور آزراہیں غیر محسوس انداز میں جکڑتے چلے گئے تھے، اولاد ان کے شانوں تک آ پہنچی اور وہ جیسے خود کو گم کرتے چلے گئے تھے، اپنا آپ یاد ہی نہ رہا تھا۔

ثانیہ ان کے آفس کی کلائنٹ تھی، اک پرکشش، میچور دل کو چھو جانے والی شخصیت، آج سے دس سال پہلے جب پہلی بار ان کی ملاقات رہی، تب بھی Sutable رشتہ اس کے لئے اس معاملہ تھا، شاید دنیا سے چھپنے کو، بچنے کو جاب کی تھی۔

مگر دنیا بھلا کب کسی کو بخشتی ہے، ثانیہ آئیڈیل پرست لڑکی تھی، معیار سے کم پر آمادہ ہی نہ تھی۔

پھر اس کی بے نام زندگی کے عنوان مل گیا، مسعود مرزا کی انمول محبت، وہ سرتا پا ثانیہ کا آئیڈیل تھے اور یہ اسی نے کہا تھا۔

ایک نہ دو دس سال شدید محبت کی تھی اور مسعود مرزا کا بے نام انتظار، یہیں آ کر وہ کہتے۔

''کیا فائدہ اس بے نام مسافت کا؟''
''آپ میرے نہیں لیکن میں آپ کی جگہ کسی اور کو نہیں دے سکتی، یہ فائنل ہے۔'' اس کا لہجہ اٹل ہوتا، تب انہوں نے کہا۔
''شادی کر لو، شادی تو کرنی ہی پڑتی ہے۔''
''اور اپنے دل کا کیا کروں جو کسی کے لئے آمادہ نہیں ہوتا؟'' ثانیہ ان سے اتنی ہی گہری، شدید اور بے لوث محبت کرتی تھی، وہ لاجواب سے ہو گئے تھے۔
''اور اگر کر بھی لوں تو اسے دوں گی کیا؟ میرے پاس جو محبت تھی وہ تو میں نے آپ کو دے دی، ساری کی ساری۔''
اور شاید وہ خود سے کبھی اعتراف نہ کرتی، یہ اس کے جذبوں کی مہک ہی تو تھی کہ وہ اس کی محبت کی شدت و گہرائی کو پا گئے تھے۔
اور پھر جیسے ان کے اندر کا خلا بھرتا چلا گیا تھا، غیر محسوس انداز میں، ان کی بے رنگ زندگی میں کسی کی بے لوث محبت ہی کی تو کمی تھی۔
ہر صبح مارننگ میسج انہیں جگاتا اور وہ سرشار سے ہو جاتے، مگر خود کو ہمیشہ ریزرو ہی رکھتے، کبھی اسے زیادہ وقت ہی نہ دے پاتے، نہ فون نا ملاقات۔
اور یہ شکوے ثانیہ کے نئے تو نہ تھے، ہاں وہ اپنے لاتعداد ہی کاموں میں گم رہتے، گھر و آفس کی مصروفیات کے سوا گھر داری کے بکھیڑے، بچوں کے معاملات، وہ اسی سبب وہ دنوں اس سے بے خبر رہتے، جانتے بوجھتے کہ ثانیہ اپنا موبائل رات میں بھی نہ آف کرتی، مگر جب بھی وقت ملتا چاہے رات کے تین بجے تب وہ میسج کرتے۔
انسان کتنا بھی بزی ہو، رات سوتا اور جاگتا بھی تو ہے، اک میسج میں تو اس سے بھی کم وقت لگتا ہے۔
یہ سچ تھا، وہ ہمیشہ ان کی منتظر رہتی، وہ کبھی اس کامنی سی لڑکی کو زیادہ وقت نہ دے پائے، ہاں مگر وہ ہر وقت ان کے اندر رہتی، ان کے آفس آورز میں، فون یا ایس ایم ایس، ملتا تو اگنور کر دیتے، اکثر تو بیل ہوتی، وہ میٹنگ یا کسی کام میں بزی ہوتے تو کسی کی بھی کال نہ ریسیو کرتے، کبھی جو خود بھولے بھٹکے کال کر ہی لیتے، تو کس حسرت سے کہتی۔
''کتنے دنوں بعد آپ کی آواز سنی ہے۔''
واقعی انہوں نے خود کو ثانیہ کے لئے اتنا ہی لاحاصل بنا رکھا تھا، تبھی تو بے یقین ہو جاتی تو کہہ اٹھتی۔
''آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔''
اور وہ کیسے کہتے، انہیں اس کی چاہت سے بڑھ کر، اس کی چاہت سے چاہت ہے، وہ اس چاہت کو کھونا نہیں چاہتے ہے۔
اور اک بار اس نے کہا۔
''مجھے اک ستم گر سے محبت ہے، کاش اسے بھی مجھ سے اتنی ہی محبت ہو جائے۔''
اور مسعود مرزا اپنی اسی ازلی شان بے نیازی سے اڑا جاتے، ان کی اسی بے اعتنائی کے سبب، تھک جاتی، ہار جاتی، تو دنوں گم رہتی، یا پھر دھمکاتی۔
''مسعود دیکھ لینا، آپ اک روز مجھے کھو دیں گے۔''
''اچھا دیکھتے ہیں۔'' وہ مسکراتے، اتنا جو جان ہی گئے تھے، ان کی محبت ثانیہ کی کمزوری ہے، وہ ان کے بنا رہ ہی نہیں سکتی اور بھلا کب کسی نے انہیں اتنا چاہا، سراہا تھا، انہیں اتنی توجہ و عنایت سے نواز تھا، ان کی پل پل کی خبر گیری، وہ ثانیہ ہی تو تھی۔

تین فروری، رات بارہ بجے کے بعد، ثانیہ کے میسج پر انہیں اپنا ڈیٹ آف برتھ یاد آتا، ان کا موبائل آف ہوتا، تو اگلی صبح چار فروری کو پہلا وشنگ ایس ایم ایس ثانیہ کا ہی ہوتا اور انہیں نہیں یاد کہ کبھی انہوں نے ثانیہ کو وش کیا ہو، کبھی اک پن یا گلاب ہی دیا ہو، اس کی ڈیٹ آف برتھ انہیں پتا ہی نہ تھی، بچوں کے لئے بھی ری مائنڈ لگانا پڑتا، وہ کسی پکنک پوائنٹ یا لنچ ڈنر پر لے جاتے، مگر ثانیہ نے تو خود اپنے لئے ان سے کبھی کچھ طلب کیا ہی نہ تھا، مگر وہ اسے امید دینا نہ چاہتے تھے، دے ہی نہ سکتے تھے۔

پھر بھی وہ کامنی سی لڑکی ان کے اندر اترتی چلی گئی تھی، اس کی اسی سچی وکھری بے لوث محبت کے سبب، انہوں نے جانا، کہ ان کے وجود کو بھی، محبت توجہ اور سمیٹے جانے کی خواہش تھی اور یہ کہ ان کا وجود اب تک کتنا تنہا و نا آسودہ رہا تھا۔

وہ تو بس اپنی فیملی کے لئے، اک مشین بنے ہوئے تھے، خود اپنی زندگی میں وہ کہاں تھے، شاید کہیں بھی نہیں۔

لائف روٹین ایسی تھی کہ چار طرف سے بندھے تھے، اس پر بیوی کی خبر گیری، جو ہر پل ان پر چیک رکھتی اور انہیں نہ چاہتے ہوئے بھی گریز کرنا ہی پڑتا، اب وہ فیملی کے سامنے تو عشق بگھارنے سے رہے، اک روز انہوں نے کہہ ہی دیا۔

''ثانیہ تمہیں نہیں پتا، اپنی وائف کی بیماری کی وجہ سے میں اپنے گھر میں بھی اکیلا ہوں۔''

اور ثانیہ ان کا اکیلا پن جانچ گئی، بہت غیر محسوس انداز میں فاصلے بڑھے تھے اب تو وہ جیسے بیوی کے وجود کو بھی ترس گئے تھے اور خود اپنے آپ کو بھی اس کے لئے لاحاصل بنا رکھا تھا، ہاں مگر اس کی جگہ کسی اور کو دینے کا خیال بھی نہ آتا، کہ اولاد منہ کو آ رہی تھی، زندگی جیسے تیسے گزر ہی گئی تھی۔

پھر جب وہ علاج کے بہانے اپنے بھائی کے ساتھ کینیڈا گئی، تو گم ہی ہو گئی، اک روز ان کے بڑے بیٹے دانیال نے کہا تھا۔

''ابو آپ بہت تنہا ہو گئے ہیں، آپ شادی کر لیجئے۔''

اور مسعود مرزا کیسے کہتے، کہ وہ تو سدا سے تنہا تھے، دنیا اور اولاد کے سامنے ان کا ربط، محض دکھاوا تھا۔

مگر اس نے اولاد سے بھی جانے کیا کہا تھا کہ ان کی بیاہی بیٹی نے اک روز کہا۔

''امی کا انتظار نہ کریں، اب وہ کبھی نہیں آئیں گی۔''

یعنی اولاد ماں کی حامی تھی، کیا وہ اتنے ہی برے تھے، ان کی تنہائی اور نا آسودگی سوا نیز، پر ہو گئی تھی۔

اور ہوتا ہے نا، کبھی ہمارے اندر پلتی پنپتی کوئی چیز مجسم ہو کر اچانک ہمارے سامنے آن کھڑی ہوتی ہے، یہ ثانیہ کی گہری و بے لوث محبت ہی تو تھی، جس نے انہیں جیت لیا تھا، تب انہوں نے ثانیہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے اور جواباً اس نے اک پل نہ سوچا تھا۔

وہ جانتے تھے یہ سب اتنا سہل نہیں رہے گا، اس شادی پر ہر کوئی اٹھ کھڑا ہو گا، مگر ثانیہ کا وہی اٹل لہجہ۔

''میں سب سنبھال لوں گی۔''

وہ کامنی سی لڑکی اپنی گہری اور انمٹ محبت کا بھرپور یقین بخش کر ان کے اندر اترتی چلی گئی تھی اور وہی انہیں سمیٹ سکتی تھی، یہ وہ جانتے تھے۔

ہاں بس اس نے علیحدہ اک فلیٹ کی فرمائش کی تھی، یہ رشتہ ہی ایسا تھا کہ کھینچ تان

چلتی، سوفا صلوں میں ہی عافیت تھی۔

مسعود مرزا کو ثانیہ سے چاہت تھی یا پھر محض لگاؤ، مگر وہ زندگی میں در آئے گی، انہوں نے سوچا بھی نہ تھا، کیا وہ اتنے ہی خوش بخت تھے کہ ثانیہ جیسی مکمل لڑکی ان کی تنہائیوں اور انتشار کو سمیٹ لیتی، اس نے مسعود مرزا کے منتشر وجود کو اپنی چاہت سے سمیٹا تھا، وہ جیسے نئے سرے سے جی اٹھے تھے، چند ہی دنوں میں، محبت کے پھولوں سے ان کا دامن بھر دیا تھا، وہ کس وقت کیا پسند کرتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں، اس نے دنوں میں جانچ لیا تھا، سب سے بڑھ کر اس کا بے ضرر سا وجود، جو کبھی ان کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکا، وہ کس آسانی سے ہار جاتی، نہ کبھی اختلاف نہ احتجاج۔

کبھی جو اسے دن بھر کے لئے میسر آ جائے، وہ نہال ہی ہو جاتی، مسعود مرزا نے اسے انہی وقتوں میں نت نئے پکوان سکھائے تھے، ثانیہ انہیں روٹیاں بیلتے دیکھ کر کھلکھلاتی، وہ مل کر ان ڈور گیمز کھیلتے، پھر وہ ڈھیروں ڈھیر کلنگ بکس اٹھا لائی تھی، ان کے گھر کی تزئین و آرائش ان کے من پسند پکوان، سے لے کر کم بجٹ میں گھر چلانا اور وہ کہتی، اسے یہ سب اچھا لگتا ہے، ان کے کام، ان کے گھر کے کام، بھول ہی گئی تھی، کہ ماسٹرز ڈپلومہ ہولڈر ہے کبھی اس کی تنخواہ ہزاروں میں تھی، وہ اب بھی رات اپنا موبائل سائیلنٹ نہ کرتی، جانے کب، وہ اسے کال کر لیں، اسی کے مکمل وجود کے سبب انہوں نے جانا کہ وہ اب تک کتنے تشنہ رہے ہیں، مانو اک کاموں کی بے احساس مشین، کبھی کسی کو ان کی تھکن اور تنہائی کا خیال چھو کر بھی نہ گزرا تھا۔

یہ ثانیہ ہی تو تھی، جس نے انہیں ان لمحات میں سمیٹا، جب وہ سب کچھ کھو چکے تھے، بس یکا یک، سالوں سے چلتی نوکری سے دل اچاٹ ہو گیا تھا، انہوں نے سارے فن گریجویٹی ٹھکانے لگا کر، شیئر میں بزنس کر لیا تھا اور یہیں وہ دھوکا کھا گئے۔

ان کا یہ پارٹنر سب کچھ ہڑپ کر کے ملک سے باہر گم ہو گیا، انہیں شدید جھٹکا لگا تھا، مانو زندگی بھر کی کمائی ہاتھوں سے نکل گئی، وہ کیسے اب دو فیملیز کا بار اٹھا پائیں گے، بچے زیر تعلیم تھے اور اک پر تعیش زندگی کے عادی، انہوں نے کب بھلا تنگ دستی کا منہ دیکھا تھا اور ثانیہ نے انہیں کتنا حوصلہ دیا تھا۔

"کرائسس تو زندگی کا حصہ ہیں، پروردگار جب کچھ لیتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ عطا کرتا ہے۔"

پھر اس نے اپنا تمام جمع جتھا ان کے حوالے کر دیا تھا، مسعود مرزا اپنی کچھ املاک فروخت کر کے نئے سرے سے اک اور بزنس اسٹارٹ کیا تھا اور جیسے نئے سرے سے سب کچھ ہوتا چلا گیا، بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کے انہوں نے دن رات ایک کر کے خود کو اسٹیبلش کر لیا تو یہ ثانیہ کا دیا حوصلہ ہی تھا، ورنہ ان کی اپنی فیملی، سے انہیں خود کے لئے کیا امید تھی۔

بچے تعیشات کے عادی تھے، دانیال کی جاب، ابھی نئی نئی تھی اور بیوی اس سے تو انہوں نے کبھی کوئی اچھی امید رکھی ہی نہ تھی اور یہ کل رات کی تو بات تھی۔

بچیوں کا کالج ڈے، ہفتہ وار گردسری، یہ وہ...... وہ ایک کے بعد ایک، الجھتے چلے گئے تھے اور خاصی تاخیر سے گھر لوٹے تھے۔

کاریڈور میں ہی انہیں سامنے والے فلیٹ کی مسز خان ٹکرا گئی تھیں۔

"ثانیہ کی طبیعت کافی بگڑ گئی تھی، بی پی

ڈاؤن ہو گیا تھا، اگر بروقت میں اس کی خبر نہ لیتی تو جانے کیا ہو جاتا، اس کنڈیشن میں کسی نہ کسی کو توان کے پاس ہونا چاہیے۔"

وہ نہ نہ کرتے بہت کچھ کہہ گئی تھیں، اور وہ جیسے تیر کی طرح لپک کر گئے تھے، ثانیہ کی آنکھوں میں خالی پن، چہرے پر زردی، لبوں پہ جامد چپ تھی، ان کی آہٹ پا کر بھی اس نے مڑ کے نہ دیکھا تھا، تکیہ گود میں رکھے، لب بھینچے بیڈ کراؤن سے سر ٹکرائے چھت کو گھورتی رہی تھی۔

مسعود مرزا نے اس کے کندھے پر ہاتھ دھرا تو وہ پرے سرک گئی، کچھ کہنا چاہا تو ہاتھ اٹھا کر روک دیا، اور وہی اک جملہ، جو اس نے بارہا کہا تھا۔

"مسعود آپ مجھے اک روز کھو دیں گے۔"

پہلا احتجاج، پہلا شکوہ، پہلا اختلاف، جانے وہ کب سے جھیل رہی تھی۔

"جو لوگ اپنی خطاؤں سے محبت گنواتے ہیں، محبت پھر انہیں کسی روپ میں میسر نہیں آتی۔" شاید وہ آج بکھر گئی تھی۔

ہاں وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی، اس جیسی سچی کھری محبت کو وہ آج تک ترستے رہے تھے اور اس کا یہ انعام کہ گھر کے اک کونے میں ڈال کے وہ اپنی اسی روٹین لائف کو بھگتاتے چلے جائیں، ان کے دل پر اک شرمساری کا بوجھ آ پڑا۔

"شاید آپ کی زندگی میں میرے لئے جگہ تھی ہی نہیں۔" وہ مایوسی سے کہہ کر ان سے دور جا کر سیٹی پر دراز ہو گئی تھی، وہ رات بھر سگریٹ پھونکتے رہے تھے نہ جانے کب انہیں نیند نے آ لیا۔

صبح جاگ کر سب سے پہلے انہوں نے ثانیہ پر نظر کی تھی، اس کے زرد چہرے پر نقاہت و گمبھیر تھکن تھی، یوں جیسے سالوں صدیوں کا فاصلہ طے کر کے آئی ہو۔

ان کے دل پر منوں وزنی بوجھ آ پڑا تھا، وہ یونہی تکیہ دبوچے سونے کی عادی تھی اور شادی کے ابتدائی دنوں میں مسعود نے اس سے تکیہ چھین کر کہا تھا۔

"بس، اب اس تکیے کا کام ختم ہوا۔" ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

تو کیا وہ اس کامنی سی لڑکی کو کھونے جا رہے تھے، ہاں اس نے یہی تو کہا تھا، اور اسے گنوا کے کیا وہ خود جی پائیں گے، جس نے محبت کا لو دیتا احساس اور زندگی کے حقیقی مفہوم سے انہیں آشنا کیا تھا، اور وہ خود اپنے آپ کو بھولے رہے تھے مانو اک فرائض کی مشین، کبھی کسی کو ان کی تھکن، ان کی تنہائی کا خیال چھو کر بھی نہ گزرا تھا، انہوں نے اک نئی زندگی کی ابتداء کی تو اس کے کچھ تقاضے تھے، ثانیہ اک جیتی جاگتی لڑکی تھی، کوئی کانچ کی گڑیا نہ تھی، جسے گھر کے کسی کونے میں سجا کر چھوڑ دیا جائے۔

اسی جیسی لڑکی اگر وہ کھوجنے نکلتے تو شاید کبھی نہ پا سکتے، کسی کو جانچنے، اسے سمجھنے کے لئے اک عمر درکار ہوتی ہے مگر جو چیز آسانی سے میسر آ جائے، کتنی ہی انمول ہو، یونہی رل جاتی ہے، ان کا خسارہ خود اپنا خرید ہوا تھا، مگر اب وہ مزید خسارے کا سودا نہیں کریں گے، اس محبت و وفا سے گندھی، موم جیسی لڑکی کو منا ہی لیں گے اور وہ جانتے تھے وہ مان ہی جائے گی، وہ سر جھکائے ایک کے بعد ایک اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے چلے گئے تھے۔

اگلی صبح خود بخود جاگ پڑے تھے، جانتے تھے کہ آج کوئی جگانے والا نہیں ہے وہ ثانیہ ہی تھی، جو علی الصبح جاگ کر ان کا پسندیدہ ناشتہ تیار کر کے کس محبت سے انہیں جگاتی اور وہ ثانیہ کی

[illegible]
جاتے، یہ وہ لڑکی تھی جسے شادی کے ابتدائی دنوں میں ڈھنگ کی کافی بنانی خود انہوں نے سکھائی تھی اور کس آسانی سے اس نے گھر کے سب کام سمیٹ لئے تھے۔

وہ اخبار اٹھانے کاریڈور میں گئے تو سامنے والے فلیٹ کی جانب اک چور نظر ڈالی تھی، ثانیہ کہیں جاتی تو لازماً مسز خان کو ان کے لئے پیغام دے کر جاتی، مگر اب ان کے دروازے پر پڑا تالا، ان کا منہ چڑا رہا تھا، وہ پلٹ آئے تھے، مایوس، شکستہ، مضطرب۔

وہ بیڈروم میں آ کر سر ہاتھوں پر گرا کے بیٹھ گئے، سب سے بڑھ کر خود ان کی اپنی ذات، کتنی تنہا، کتنی ادھوری رہ جائے گی، وہ بار بار ثانیہ کا نمبر ملا رہے تھے اور اس کا موبائل مسلسل آف جا رہا تھا۔

وہ کیا کریں، کہاں جائیں، کس سے کہیں، انہوں نے اضطراب سے اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا، صرف ثانیہ نے انہیں جانچا اور سمیٹا تھا، اور وہ ہمیشہ کی طرح اپنی فیملی کے لئے آلہ کار بنے رہے، کبھی ایک پل کو خود کے اور ثانیہ کے لئے نہ سوچا، بس سب کچھ جیسے چل رہا تھا، چلتا رہا تھا، اور شاید ہمیشہ چلتا رہتا، کمی تو جب پڑتی جب وہ نہ ہوتے، تب کوئی نہ کوئی سب کچھ سنبھال ہی لیتا، یہی کائنات کا اصول ہے لوگ جانے والوں پر روئے ضرور ہیں مگر کسی کے جانے سے کچھ رکتا نہیں ہے، دونوں بچیاں کالج میں بڑی بیٹی شادی شدہ، بیٹا ایم بی اے کر کے اب جاب پر تھا، یقیناً دانیال انہیں سنبھال لیتا، بلکہ سنبھال رہا تھا، انہیں اب خود کے لئے سوچنا تھا، ان کی نئی زندگی کے کچھ تقاضے، پھر سب سے بڑھ کر خود ان کا وجود، سب سکھ سکون اور محبت کی چھاؤں کا طلب گار تھا، انہوں نے ٹھان لی تھی، اپنی ہر خطا، کوتاہی کا تدارک، محبت و توجہ سے اس کا دامن بھر کے کریں گے، انہوں نے اک بار پھر ثانیہ کا نمبر ملایا، جواب بھی آف تھا، وہ کار کی چابی اٹھا کر اب اس کے میکے کی طرف جانے کا سوچ رہے تھے۔

جب داخلی دروازہ دھیرے سے ناک ہوا نامانوس سی دستک، مسز خان اگلے ہی پل فلیٹ کے اندر تھیں۔

''اوہ مسعود صاحب، آئی ایم ساری، رات اک ایمرجنسی سے جانا پڑا، ثانیہ کل میسج دے کے گئی تھی، اس کی والدہ اسے لینے آئی تھیں، آپ پلیز اسے اس کے گھر لے آیئے گا۔''

مسعود مرزا کے آس پاس سب کچھ بکھرتا چلا گیا تھا، اک ہلکا پن اک سرشاری کی کیفیت نے انہیں گھیر لیا، تو پھر تو پھر اس کا موبائل آف کیوں تھا، اک غیر یقینی کیفیت نے انہیں گھیر لیا، سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی، ثانیہ کا موبائل وہیں تھا، اک سرد سی آہ ان کے لبوں سے خارج ہوئی۔

انہوں نے سالوں صدیوں کے فاصلے، کچھ ہی گھنٹوں میں طے کر لئے تھے، ہاں وہ نازک سی لڑکی ان سے اتنی ہی شدید محبت کرتی تھی کہ ان کی ہزار خطائیں درگزر کر کے انہیں ہر بار سمیٹ لیتی، انہیں یقین تھا، ان لمحات نے انہیں اپنی کوتاہیوں کا ادراک بخشا تھا، اور آگے کا راستہ انتہائی سہل ہوگا، یہ انہیں یقین تھا، وہ کار کی چابیاں اٹھا کر فلیٹ سے نکلتے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

دوسری قسط

''اور اپنا ہاتھ ڈال لیجئے اپنے گریبان میں (اے موسیٰ) وہ نکلے گا سفید چمک دار، بغیر کسی عیب کے (کسی بیماری کی وجہ سے نہیں، معجزاتی طور پہ) یہ تو نشانیاں ہیں، ان کو لے جایئے فرعون اور اس کی قوم کی طرف، بیشک وہ لوگ ہیں جو حد سے بڑھ جانے والے ہیں، پھر جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والی ہماری نشانیاں آگئیں تو وہ کہنے لگے، یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔'' ایک ایک لفظ اس نے ٹھہر کر اپنے اندر اتارا، دل و دماغ میں عجیب قنوطیت اور اذیت بھرتی گئی۔

ٹپ ٹپ کچھ گر رہا تھا کیا وہ سمجھ نہ سکی بس نظریں قرآن کے سیاہ حروف پہ جمائے سوچتی گئی پڑھتی گئی اور خود سے بے نیاز ہو کر۔

''اللہ آپ کو پتہ ہے نا کہ وہ نہیں مانیں گے اس کو ہدایت کی کوئی بات ان کے دل کو موم نہیں کر سکے گی، پھر کوئی کیوں جابر کسی منکر ظالم کو للکارے؟ وہ اپنا عمل کریں اور ہم چپ چاپ اپنی نماز اور روزہ کرتے رہیں، میں بھی کوئی اس کا دل موم نہیں کرنا چاہتی تھی مگر یوں ہی بس انجانی سی خواہش تھی کہ شاید نیکھیل ایمان لے آئے اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائے میں غلط تھی اللہ پاک وہ چلا گیا شیطان کے سامنے جھکنے کے لئے۔''

سیاہ جگمگاہٹ کو مایوسی کا اندھیرا نگلنے لگا اور جیسے جیسے آس پاس سیاہ دھبوں کے مرغولے اٹھنے لگے، ٹپ ٹپ ٹپ کچھ گرنے کی آواز اب زور پکڑتی جا رہی تھی اس کا دل زخم زخم ہونے لگا، وہ نظریں اٹھائے بنا محسوس کر سکتی تھی کہ کچھ گر رہا ہے مگر کیا اسے پتہ نہیں تھا۔

ناول

زندگی رانی کا جھومر

ثنا کنول

''اور انہوں نے ان کا انکار کیا، ظلم اور تکبر کے ساتھ حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔''
وہ پڑھتے پڑھتے چونکی پھیلتا سیاہ دھواں ٹھہر گیا، ساری فضا ساکن تھی۔
''حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔''
''پھر دیکھو، کیا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا۔''
دھواں چھٹ گیا، سیاہ حروف کی جگمگاہٹ پھر سے اردگرد پھیل گئی، اداس بیٹھی نور کے چہرے پہ تھکان بھری مسکراہٹ ابھری اس نے گہری سانس خارج کر کے اسی کتاب کی ایک اور آیت پڑھی۔
''اور جو اللہ پہ بھروسا کرتے ہیں، اللہ ان کے لئے ضرور راستہ نکالتا ہے۔''
مقدس کتاب بند کی چوما اور ادب سے دراز میں رکھی نظریں اٹھائیں کھڑکی سے باہر بارش ہو رہی تھی زور زور سے وہ مسکرائی تو بارش کا شور تھا وہ، اس نے دھیرے سے سر دیوار سے ٹکا کر پلکیں موندیں ہی تھیں کہ ابھرتی بھاری بھرکم آواز پہ ساکت رہ گئی۔

☆☆☆

''دل آسا پتر بات سنو۔'' وہ کبوتروں کو بیٹھی دانہ ڈال رہی تھی، جب زرینہ بی کی گونجتی آواز اسے ہوش کی دنیا میں لائی، وہ باقی دانے وہیں پر پھینکتی ان کے پاس آ بیٹھی جو پرات میں سبزی کاٹ رہی تھیں۔
''جی اماں۔''
''یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے نہ منہ دھوتی ہو اور نجانے کتنے دنوں سے کپڑے تک نہیں بدلے تم نے، پتہ نہیں کس دنیا میں گم رہتی ہو۔''
سبزی رکھ کر اسے دیکھا وہ وہیں پہ ڈھے سی گئیں۔
''میں بھلا کس دنیا میں رہوں گی میر تو دنیا ہی ختم ہو گئی اماں۔'' کرلاتے دکھ اس کی آواز سے چھلکے زرینہ بی نے بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھا۔
''پاگل ہو گئی ہے کیا۔''
''اماں تو تو جنت ہے نا تو دعا کر۔''
''کیسی دعا؟'' نجانے اب وہ کیا کہنے والی تھی۔
''تو دعا کر میں چلی جاؤں۔'' وہ عجیب سے انداز میں بولی مٹھی میں قید دانے ایک ایک ہو کر زمین پہ بکھرنے لگے تھے۔
''کہاں؟''
''وہاں جہاں وہ نہ ہو۔''
''وہ کون؟'' اب کے وہ باقاعدہ دل تھام کر رہ گئیں تھیں سرسراتی آواز میں جواب آیا۔
''محبت اور......اور۔'' وہ رکی، وہ بے چین ہو کر اسے سینے سے لگا گئیں اس کی آنکھوں میں بستی ویرانیاں وہ مزید نہیں دیکھ سکتی تھیں، اسی لئے جلد سے جلد اس کا نام جاننا چاہا جس کے لئے دل آسا پاگل خبطی اور دیوانی ہوئی تھی۔
''السلام علیکم اماں۔'' اسے پہلے کہ وہ انہیں نام بتاتی خاور جو دروازے میں ساکت سا اسے سن رہا تھا بے اختیار آگے بڑھ کر ان کی باتوں میں خلل ڈال گیا۔
''وعلیکم السلام! آ گئے تم۔''
''جی! اماں ایک گلاس پانی دینا۔'' اپنی گھبراہٹ پہ قابو پا کر انہیں منظر سے ہٹانا چاہا وہ جانا تو نہیں چاہتی تھی پر کچھ کہے بنا ہی اٹھ گئیں، دل آسا اسے ہی دیکھتی رہی وہیں پہ پڑی آنکھوں میں محبت کی لالی سی بن کے اتر آئی تھی وہی محبت جو اسے سامنے اس شخص سے تھی۔
''دل آسا۔'' ان کے جاتے ہی اسے پکارا اور اسے لگا جیسے اسے زیادہ پیارا نام تو کوئی ہے

ہی نہیں نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں وہ بند پلکوں سمیت مسکرائی۔

''خبردار جو تم نے اماں کے سامنے میرا نام لیا کہ۔'' وہ رکا وہ وہیں پڑے پڑے مسکراتی بولی۔

''کہ تم مجھ سے۔'' وہ ہچکچایا اب کیا کہے کیسے کہے سمجھ میں ہی نہ آیا۔

''میں تم سے۔'' اس نے اعتراف چاہا۔

''تم سمجھ رہی ہو کے میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔''

''نہیں تو میں نہیں سمجھ رہی۔'' اب کے مزید معصومیت سے کہا اسے اس کا بولنا اچھا لگ رہا تھا وہ چاہتی تھی کہ وہ مزید بولے اور دل آسا اسے سنتی چلی جائے سنتی چلی جائے۔

''کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔'' بالآخر اس نے اعتراف کرلیا وہ مسکرائی دل کھول کے پھر اسے ستانے کے ارادے سے مزید بولی۔

''کیوں؟'' اب کے اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں دل میں آیا سامنے بیٹھی دل آسا کو اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دے وہاں جہاں سے وہ چاہ کر بھی واپس نہ آسکے۔

''میں ان کی نظروں سے نہیں گرنا چاہتا، اماں اور ابے کے انتقال کے بعد بڑی مشکلوں اور تنگ دستی سے انہوں نے مجھے اور گلا لہ کو پالا بڑا کیا ہماری تربیت میں ذرا کوتاہی نہیں کی اب اگر انہیں پتہ چلا کہ......'' وہ ایک بار پھر ہکلایا اسے نظریں ملائے بغیر پھر بولا۔

''وہ پتہ نہیں میرے بارے میں کیا سوچیں گی میں چاہ کر بھی ان سے نظریں نہیں ملاسکوں گا کیونکہ میں ان سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' اعتراف کیا اس نے محبت کا نہیں بلکہ اس کی ماں سے محبت کا اور اسے یوں لگا جیسے اس نے اماں سے محبت کا اعتراف نہ کیا ہو بلکہ اسے کہا ہو۔

''دل آسا میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

وہ جی اٹھی محبت مسکرائی جیسے اس نے اسے دیکھا پھر اٹھ بیٹھی۔

''ان سے محبت کر سکتے ہو تو مجھ سے کیوں نہیں۔'' عجیب تڑپ تھی اس کے انداز میں جسے وہ چاہ کر بھی نظرانداز نہیں کرسکا۔

''اگر تمہارے دل میں واقعہ میرے لئے کچھ ہے تو تم اماں سے کچھ نہیں کہوگی۔'' اس نے ایسی بات کی کہ وہ چاہ کر بھی کہہ نہ سکی۔

''تمہیں ابھی بھی شک ہے کہ میرے دل میں تمہارے لئے کچھ ہے پاگل میرے دل میں تو تم ہو سراپا تم۔''

تبھی اماں پانی لے آئی ان کی باتوں سے انجان۔

''یہ لو بیٹا۔'' اس کی طرف گلاس بڑھایا جسے تھامتا وہ ایک ہی سانس میں خالی کر گیا جیسے صدیوں کے پیاسے کو اچانک پانی ملا ہو اور وہ ایک بھی لمحہ زیاں کیے بغیر اسے پی کر اپنی پیاس بجا لینا چاہتا ہو۔

''تم کچھ کہہ رہی تھی دل آسا۔'' وہ دوبارہ اس کے قریب بیٹھیں خاور نے چور نظروں سے اسے دیکھا جو نظریں جھکائے آنسو پی رہی تھی۔

''پتہ نہیں اماں میں تو بھول گئی سب کچھ خود کو بھی۔'' ٹوٹے سے انداز میں کہا ایک پل کو خاور کے دل کو کچھ ہوا پھر اگلے ہی پل وہ انجان بن گیا ہمیشہ کی طرح لاپرواہ سا، وہ اٹھی اور دوبارہ کیکر کے درخت کے نیچے جا بیٹھی۔

دونوں ہاتھ...... خالی دل...... مٹھی میں قید وہ سارے دانے تو وہیں گرا آئی تھی اب مٹھی خالی تھی بالکل اس کے دل کی طرح پلکوں کی باڑ پھلانگتے آنسو اب رخسار بھگونے لگے تھے۔

''پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے اسے۔'' پریشانی سے کیکر کے پاس پشت کر کے بیٹھی دلِ آسا کو دیکھ کر بے اختیار خاور نے نظریں چرائیں۔

''تم پوچھنا اسے کہ کیا ہوا ہے، سارا سارا دن بولائی بولائی پھرتی ہے کچھ کہو تو سنتی نہیں، کچھ پوچھو تو جواب نہیں دیتی بس کہتی ہے کہ مجھے مرض لارو الگ گیا ہے، ایسا مرض جس کی کوئی دوا نہیں اور شفا جس کے پاس ہے وہ مجھے شفایاب نہیں کرتا پل پل مار رہا ہے لمحہ لمحہ موت کی گہرائیوں میں اتارتا مجھ پہ ہنستا ہے، کہتی ہے وہ بہت ظالم ہے، بہت ظالم۔'' نہایت دکھ سے اس کی باتیں دوہرائیں اس نے مڑ کر کیکر کے پاس بیٹھے وجود پہ نگاہ ڈالی جو لمحہ بہ لمحہ اندھیرے میں گم ہو رہا تھا۔

''آپ پریشان نہ ہوں، بچپن ہے، ٹھیک ہو جائے گی وقت کے ساتھ ساتھ۔'' نظریں چرائے جواب دیا کمرے سے نکلتی گلالئی نے ترحم بھری نگاہ دونوں پہ ڈالی اور واپس کمرے میں بند ہو گئی۔

''کبھی کبھی تو مجھے ڈر لگتا ہے۔'' کچھ خوف سے کہا۔

''کیسا ڈر؟'' وہیں نظریں جھکائے پوچھا۔

''اور جو بات کرتے وقت نظریں چرائے یا جھکائے یا پھر بے وجہ ہی اِدھر اُدھر دیکھے تو ضرور اس کے دل میں چور ہوتا ہے، کہیں اس پہ سایہ تو نہیں ہو گیا۔''

''اللہ نہ کرے اماں۔''

''ہاں اللہ نہ ہی کرے سنو بیٹا میرا ایک کام کرو گے۔'' کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا وہ یکدم متوجہ ہوا۔

''کیوں نہیں آپ حکم کریں۔''

''اس کو کل گنگا کنارے موجود صوفی کے مزار پہ لے جانا میرے تو گھٹنوں میں ہر وقت درد رہتا ہے کوئی کام مجھ سے ہوتا نہیں گلالئی گھر کو سنبھال لے گی تو اسے اپنے ساتھ لے جانا شاید ٹھیک ہو جائے۔''

''آپ فکر نہ کریں میں کل اسے اپنے تانگے میں لے جاؤں گا۔'' وہ انہیں انکار کیسے کر سکتا تھا اسی لئے سعادت مندی سے بولا اور وہ بے فکری مسکرا دیں۔

''صدقے میرا پتر شاباش۔'' اس کی بلائیں لیتی اس نے ایک بار پھر مڑ کر کیکر کے درخت پہ نگاہ ڈالی اس کی جگہ خالی تھی وہ پتہ نہیں کب اپنے کمرے میں چلی گئی تھی وہ نجانے کتنی ہی دیر اس خالی جگہ کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

''میں نے خاور پتر سے کہا ہے وہ صبح تمہیں صوفی کے مزار پر لے جائے گا بس تم تیار ہو جانا۔'' اس کا سر گود میں رکھے کہا، وہ بدک کے اٹھ بیٹھی، دو چارپائیوں کو چھوڑ کے تیسری چارپائی پہ سویا آنکھوں پہ بازو رکھے خاور نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''مجھے نہیں جانا اماں۔''

''کیوں بھلا؟'' انہیں تعجب ہوا اس کی بات پہ۔

''ویسے ہی۔''

''ارے ویسے ہی کیوں مجھے بھی تو پتہ چلے کہ تو اس کے ساتھ کیوں نہیں جانا چاہتی۔''

''ہر سوال کا جواب نہیں ہوتا اماں، بس کچھ سوالوں کے آگے ہمیشہ سوالیہ نشان ہی لگا رہتا ہے اگر ہم اس کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کریں تو خود کھو جاتے ہیں پر اس سوال کا جواب کبھی کئی دفعہ ہمیں نہیں ملتا۔'' کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا ان کی باتوں سے گلالئی کسمسائی، نیند سے بوجھل آنکھیں کھول کر ایک پل کو دلِ آسا کو دیکھا، پھر

اگلے ہی پل پھر سے نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی۔
"مجھے تو تیری باتیں بالکل سمجھ نہیں آتیں۔"
اماں بڑبڑائیں، دکھ سے اس کے بکھرے بالوں کو سنوارا۔
"کتنی عجیب بات ہے نا اماں مجھے اپنی باتوں کی خود بھی سمجھ نہیں آتی۔" دکھ سے کہتی وہ ہنسی۔
"کیا صرف لبوں کو پھلا لینے کو ہنسنا تھوڑی کہتے ہیں۔" خاور تڑپا بے اختیار پہلو بدلا اس پگلی لڑکی کا دکھ اسے اپنے دل پہ محسوس ہوا۔
"تجھے کیا ہو گیا ہے میری دھی تو ایسے تو نہیں تھی۔" اماں کا دل تڑپا بے اختیار دکھ سے اسے دیکھا جو پشت کیے خاور کو دیکھتی بولی۔
"مجھے ایسا مرض لگا ہے اماں، ایسا مرض جس کا کوئی علاج نہیں، جس میں شفا نہیں ملتی صرف دکھ درد ہی مقدر ہوتے ہیں۔"
"تیری یہ ہی باتیں میرا دل چیر کے رکھ دیتی ہیں۔" انہوں نے تکلیف سے اسے دیکھا وہ سمجھ کر بھی اس کے درد کو سمجھ نہیں رہی تھیں کتنی عجیب بات تھی نا۔
"میرا بھی دل ٹوٹ گیا ہے اماں ریزہ ریزہ ہو کر ایسا بکھرا ہے جوڑے نہیں جڑتا، وہ دیکھو اماں۔" اس نے آسمان پہ سجے ستارے کی طرف اشارہ کیا، خاور نے بے چینی سے پھر کروٹ بدلی اب کے وہ سامنے بیٹھی دل آسا کو دیکھ رہا تھا اس کا دکھ محسوس کر سکتا تھا۔
"وہ ستارا...... وہ ستارا میری قسمت کا ستارا ہے پر میں جتنا اس کے قریب ہونا چاہتی ہوں یہ مجھ سے اتنی ہی دور ہوتا جاتا ہے، اماں تو مجھ سے پیار کرتی ہے نا۔" اب کے آسمان پہ سے ہوتی اس کی نگاہ اماں کے کمزور وجود پہ پڑی، تڑپتی مچلتی وہ ان کے ہاتھ تھام گئی۔

"ہاں میری دھی میں تجھ سے بہت پیار کرتی ہوں، اپنے وجود سے بھی زیادہ۔"
"اماں کیا میں بدصورت ہوں بدشکل ہوں یا پھر۔"
"کیوں کس نے کہا؟"
"میری دھی سے زیادہ کوئی خوبصورت ہو ہی نہیں سکتا، شہزادیوں جیسی ہے تو۔"
"اماں وہ کہتا ہے میں محبت کے قابل نہیں میں بری ہوں بہت زیادہ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے وہ کہتا ہے دل آسا میں تجھ سے کبھی محبت نہیں کر سکتا، کیوں اماں، اسے کہو نا مجھ سے محبت کر لے اماں میں مر رہی ہوں لمحہ لمحہ اسے کہو وہ مجھے اور مت مارے مجھے درد ہو رہا ہے اماں۔" اب کے وہ چیخ چیخ کر رونے لگی ہذیانی ہو کر پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچتی منہ نوچتی سر پہ خاک ڈالتی وہ چپ چاپ پلکوں کے جھروکے سے اسے دیکھتا رہا، ششدر ہو کر ساکت سا، وہ تو اس کی محبت کو بچپنا سمجھتا تھا کس قدر شدت سے وہ پاگل لڑکی اسے چاہتی تھی اس کی چاہت دیکھ کر وہ ساکت رہ گیا، اماں نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا، رات کی تاریکی میں اس کے آنسو نور وہ اس کا سر سینے سے لگائے اسے تھکی اندیشوں سے لرزاتی آواز میں بولی۔
"کون ہے وہ؟"
اسے لگا وہ ابھی اس کا نام لے گی اور خاور کبھی زرینہ بی سے نظریں نہیں ملا سکے گا وہ مر جائے گا۔
سانس ساکن ہوئی چاند اپنے مدار سے سرکنا بھول گیا، صحن میں لگے امرود کے پتوں میں چھپی بیرن ہوا نے ڈر کے اسے دیکھا۔
خاور کا رواں رواں سماعت بنا دل رکتا محسوس ہوا اور نیند میں ڈوبی دل آسا کی آواز اس

ا جان نکال گئی۔

''میری قسمت کا ستارا۔''

یہ کیسی محبت تھی جو پاگل پن کی حدوں کو
ونے کے باوجود بھی اپنے محبوب کی بات کا
رم رکھ گئی تھی، محبت حیران ہوئی، ہوا نے
ردوں کے پتوں میں سے نکل کر اڑان بھری
ت کے ذرے اڑ کر دھمال ڈالنے لگے، پیار
، محبت کی پائل پہنی اور صحن میں کسی پاگل مورنی
، جیسے ناچنے لگی، رقص کرتی دھمال ڈالنے لگی ہر
ف خوشبو سی بکھری پر کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ
ہو نہیں محبت تھی، دل آسا کی خاور کے لئے
ت، سب سے طاقتور، اچھے اچھوں کو زیر کر
ے والی محبت۔

پتہ نہیں پھر وہ کیسے مانی اسے خبر نہیں تھی ہاں
اتنا ضرور ہوا کہ اس نے کپڑے بدلے منہ
اور تانگے میں جا بیٹھی۔

''پتر احتیاط سے جانا، ملک کے حالات کا
پتہ نہیں ہے پتہ نہیں کیا سے کیا ہو جائے، تم
کل شام تک تو آ ہی جاؤ گے۔'' زرینہ بی
نے کا ڈبہ تانگے کے پچھلے چھپر میں رکھتے

''آپ فکر نہ کریں ہم کل شام تک آ ہی
ا گے۔'' خاور محبت سے ان کے ہاتھ تھامتے
ے تانگے میں بیٹھی دل آسا نے حسرت سے

'' دیکھ دل آسا، خیال سے جانا خاور کو بالکل
ت کرنا۔''

''میں اسے تنگ نہ بھی کروں تو بھی یہ مجھ
ے ہی رہتا ہے اماں۔'' خفگی بھرا انداز تھا
س کرتا وہ نظریں چرا کر رہ گیا۔

''آپ فکر نہ کریں بس دعا کریں۔'' وہ
ا سے مخاطب ہوا گلاہل جلدی سے بھائی

کے کان سے لگی۔

''لالہ! اپنی محبت کا خیال رکھنا۔'' وہ چاہ
کے بھی کچھ کہہ نہ سکا۔

''محبت کہاں گلاہل، مصیبت کہو۔'' وہ تمسخرا
ہنسی زرینہ بی دونوں کی باتوں سے انجان کچھ
پڑھ پڑھ کر ان پہ دم کرنے لگی۔

''اچھا اماں چلتے ہیں۔'' ان سے اجازت
لیتا جلدی سے وہ اگلی طرف بیٹھا اور تانگہ چلانے
لگا۔

''آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے؟'' تھوڑا دور جا کر
جھنجھلایا وہ تاسف سے اس کی پشت دیکھ کر رہ
گئی۔

''محبت۔'' وہی جواب دیا ہمیشہ کی طرح۔

''تم چاہتی کیا ہو؟'' مزید غصہ دکھایا۔

''محبت۔''

''نہیں کرتا میں تم سے محبت سمجھی تم۔'' تانگہ
روکے اس کی طرف پلٹا وہ بلک بلک کے رو دی۔

''کیوں؟'' وجہ پوچھی وہ چاہ کر بھی وجہ نہ بتا
سکا۔

''ہر کیوں کا جواب نہیں ہوتا کچھ سوالوں
کے سامنے بس سوالیہ نشان ہی رہ جاتا ہے۔'' اس
کی ہی بات دوہرائی نم چہرہ چونک کر اٹھاتی وہ
نجانے کتنی ہی دیر بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

''تم سن رہے تھے۔'' اس نے پوچھا بڑا ٹوٹا
سا انداز تھا اس کا اور اسے زیادہ بے رخی سے
جواب آیا۔

''میں دیکھ بھی رہا تھا۔'' وہ ہنسی پھر ہنستی چلی
گئی، ایک پل کو اسے ڈر سا لگا اس کی مسکراہٹ
سے دکھ بھی ہوا پر اگلے ہی پل وہ کٹھور پن گیا
ہمیشہ کی طرح۔

''اچھا یہ بتاؤ تم محبت کو کیا سمجھتے ہو۔'' وہ
سمجھا نہیں۔

"کیا مطلب؟"

"یعنی محبت تمہاری نظر میں کیا ہے۔"

"وقت کا زیاں سراسر بے وقوفی۔" وہ اسی انداز میں بولا نجانے کتنی ہی دیر وہ اس کی پشت کو دیکھتی رہی اور خاور بڑی بے چینی سے اپنی پشت پہ نظروں کا احساس محسوس کرتا رہا، وہ دونوں اب خاصے دور نکل آئے تھے، آج کل ملک کے حالات تھوڑے بہتر تھے سڑک پہ ٹانگے اپنی مخصوص رفتار سے چلتے ٹک ٹک کی آواز پیدا کر رہے تھے ڈھلتی شام کی شعاعیں اشرفیوں کی صورت زمین کو چومتی نارنجی رنگ میں رنگنے لگیں تھیں۔

"میری دعا ہے خاور۔" بڑا دکھ بھرا انداز تھا اس کا گھوڑا ہانکتے ہاتھ پل بھر کو رکے دل رک رک کر دھڑکا سانس ساکن ہوئی رواں دواں ساعت، بناوہ کہہ رہی تھی آنسوؤں سے بھیگی آواز پرنم سا انداز لئے۔

"تمہیں میری محبت سے محبت ہو جائے تب تم محسوس کرو گے محبت تو بس محبت ہے ست رنگ اوڑھے محبت دھنک کی صورت جب کسی انسان پہ گرتی ہے نا تو اسے رنگ لیتی ہے اپنی رنگ میں اور اللہ کرے خاور علی تم رنگ جاؤ محبت کے رنگ میں۔" عجیب سے انداز میں کہہ کر اس نے پلکیں موندلیں وقت سرکا تو شام مزید ڈھلتی رات میں بدلنے لگی، کالی سیاہ، تاریک رات۔

"افسوس ہے دل آسا، میں کبھی تمہاری محبت سے محبت نہیں کروں گا، کرو گے۔" وہ اسے زیادہ پرزور انداز میں بولی وہ اس کے مضبوط یقین پہ ساکت ہوا، پھر نجانے کتنی ہی دیر تک ٹانگے میں سناٹا چھایا رہا اس کی خاموشی محسوس کرکے بے اختیار مڑ کر اسے دیکھا، چاند کی چھن چھن کے گرتی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی، پتلی ستواں ناک گلاب ہونٹ بند پلکیں سفید دودھیا رنگت اور رخسار پہ ہیروں کی صورت چمکتے آنسو، وہ نجانے کتنی ہی دیر اسے دیکھئے گیا، واقعہ وہ خوبصورت تھی چاہے جانے کے لائق بھی مگر وہ خاور کی محبت نہیں تھی۔

ایک پل کو اس کا دل آیا آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگالے اور کہے۔

"ہاں مجھے محبت سے محبت ہے مگر اس سے زیادہ تمہارے وجود سے۔" پتہ نہیں وہ کیا کیا سوچنے لگا تھا، چلتی ٹھنڈی ہوا میں یکدم اسے گرمی کا احساس ہوا۔

پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پیشانی سے ہوتی اب اس کے رخساروں پہ پھیل رہی تھیں دھیرے دھیرے رات گزرتی، انہیں منزل سے نزدیک کر رہی تھی اور خاور کے دل پہ اب محبت دستک دینے لگی، بڑی پرزور سی دستک۔

☆☆☆

تم جس دکھ کے مقام پہ ہو
میں اس جگہ سے گزر چکا ہوں
یقین کرو میں اس جگہ سے گزر چکا ہوں
تمہیں اس سے جست لگا کر نکلنا ہوگا
تمہیں اس سے نکالے گا صرف وہ فقرہ
ایک سطر، ایک دلیل
ایک کہانی جو تم خود کو سنا سکو
وہ کیا ہے اسے فرق نہیں پڑتا
اور ضروری نہیں ہے کہ وہ سچ بھی ہو
جب تک کے اس کے ذریعے تم خود کو معاف کرتی رہو
تم ڈھونڈو، وہ سطر، وہ فقرہ
وہ مقصد!
تم اسے ڈھونڈ سکتی ہو
تم یہ کر سکتی ہو میں جانتا ہوں

تم یہ کر سکتی ہو
یک فقرہ خود کو منانے کے لئے ڈھونڈو
اس لائن کو مضبوطی سے تھام لو
س کی مدد سے خود کو
یک اندھیروں سے
کھینچ نکالو

(شونڈ ارائمنر، بکل اپ)

سامنے کھڑے شیطان کو دیکھ کے یکدم
ے یاد آیا اس نے سوچا کیا تھا وہ لفظ وہ سطر وہ
ہ ایک پل دو پل اور تین وہ قدم قدم چلتا اس
طرف آتا کچھ کہہ رہا تھا اسے سمجھ نہیں آرہی تھی
وہ کیا کہہ رہا ہے ہاں، مگر وہ فقرہ وہ سطر اسے
گئی تھی، ابھی اسی وقت۔

''اور جو اللہ پہ بھروسہ کرتے ہیں، اللہ ان
لئے ضرور راستہ نکالتا ہے۔'' اس کی پاک اور
کتاب کی آخری آیت اس نے دل میں پڑھی
س کے نزدیک سے نزدیک تر آگیا تھا۔

''اے مسلی کیا سوچ رہی ہے۔''

''یہی کہ تیرا انجام کیا ہوگا کافر۔'' دوبدو کہا
با کے، وہ ہنسا شیطانی قہقہہ لگایا۔

''تو پھر کہہ اپنے خدا سے تجھے بچالے مجھ
ے۔'' کراہیت زدہ وجود لئے وہ اس کے قریب
وقدم پیچھے ہٹتی بولی۔

''وہ تو مجھے تجھ سے بچالے گا مگر تجھے اسے
ں بچائے گا تیرا پتھر ہونہہ۔'' تمسخرانہ ہنسی وہ
سے بے قابو ہوتا ایک ہی جست میں اسے
چ گیا۔

''تیری اتنی ہمت۔''

''میری ہمت تو نے دیکھی کہاں۔''
وں میں شعلے سے دہک اٹھے باہر بارش مزید
سے برسنے لگی اور اندر وہ اسے بے مول
نے کے لئے مچلنے لگا، قدم قدم پیچھے ہٹتی وہ
دیوار سے جا لگی۔

''مجھ سے کیسے بچو گی بڑا تڑپایا ہے تم نے
مجھے اب میں اپنی ایک ایک تڑپ کا بدلہ لوں گا۔''
دیوار پہ ہاتھ رکھ کے اس کے گزرنے کا راستہ بند
کر دیا دوسرے ہاتھ سے اس کا دوپٹہ اتار کے
پھینکا جو دور جا گرا، وہ تڑپ کے اسے دھکا دیتی
کمرے میں باہر بھاگی لمبی سی راہداری میں
بھاگتے وہ ٹیبل سے ٹکراتی دو قدم آگے جا گری۔

''کتنا بھاگو گی مجھ سے تم جہاں جہاں ارجن
رام وہاں وہاں۔'' کمرے سے نکل کر آنکھ مارتا
وہ خباثت سے بولا۔

اس نے دائیں بائیں نظریں دوڑائیں کچھ
ایسا تلاش کرنا چاہا جسے استعمال کر کے وہ خود کو اس
شیطان سے بچا سکتی تبھی اس کی نظر ٹیبل پہ رکھے
کرسٹل کے گلدان پہ پڑی اگلے ہی پل اس نے
آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی طرف آتے ارجن رام کو دے
مارا جو اگر ایک سیکنڈ بھی پیچھے نہ ہٹتا تو ضرور زمین
پہ پڑا تڑپ رہا ہوتا۔

''تیری تو۔'' گالیاں دیتا وہ اس کی طرف
بڑھا ہی تھا کہ اچانک لائٹ چلی گئی وہ جلدی سے
اٹھی اور بڑے صوفے کے پیچھے جا چھپی، اندھیرا
ہونے کے باعث وہ دیکھ نہ سکا۔

''اے ارشمن (نوکر) جلدی سے دیا جلاؤ
اور مجھے دو۔'' منہ پہ ہاتھ رکھے سانس روکے
وحشت سے اندھیرے میں کھڑے وجود کو دیکھتی
دل ہی دل اللہ سے بولی۔

''کون کہتا ہے وہ نظر نہیں آتا وہی تو نظر آتا
ہے جب کوئی بھی نظر نہیں آتا اسے بھی اس وقت
وہی یاد آیا تھا، صرف وہی ہی تو تھا جو اس برستی تنہا
رات میں اسے بچا سکتا تھا، اے اللہ میری
حفاظت کر۔'' دعا کرتی وہ اٹھی دھیرے دھیرے
پیر رکھتی اندھیرے میں کھڑے ارجن رام کے

قریب سے گزر کے اپنے کمرے میں بند ہونا چاہا ہی تھا کہ اس کرسٹل کا شیشہ جو اس نے ارجن رام کو مارا تھا پیر میں لگا۔

''آہ۔'' کراتی وہ ہیں گر گئی دھیرے دھیرے فرش گیلا ہوتا محسوس ہوا۔

''او، تو میری جان مجھ سے دور ہونے کی کوشش میں زخمی ہو گئی۔'' تبھی لائٹ آ گئیں لمبی سی راہداری روشنی سے بھر گئی زمین پہ اس کا خون بہتا چلا جارہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوتا میں تمہارا ہر درد دور کردوں گا۔'' خباثت سے کہتا وہ آگے بڑھا اس کے قریب سے قریب تر ہوا مارے خوف کے پلکیں بند کیے اس کے لب پھڑپھڑائے۔

''اللہ!''

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' وہ وہیں رک گیا نور نے تڑپ کر نظریں اٹھائیں سامنے دروازے میں ہی سیتا تائی، اکشرہ، دیوی اور......اور وہ کھڑا تھا انہوں نے تو صبح آنا تھا۔

''اس وقت کیوں آگئے۔'' ارجن رام سوچتا یکدم ہڑبڑایا۔

وہ اس مسلمانی کو چوٹ لگ گئی اندھیرا ہونے کے باعث۔

''گلدان کیسے ٹوٹا۔'' دیوی کھوجتی نظروں سے بولی۔

''اسی کا اپنا ہاتھ لگا ہوگا وہ دراصل میں بھی آپ لوگوں کی طرح ابھی آیا تو دیکھا یہ زخمی ہوئی پڑی تھی۔'' جلدی جلدی جھوٹ بولتے نظریں چرائیں نیکھیل جلدی سے آگے بڑھا، جھک کے شیشے کا بڑا سا ٹکڑا اس کے پیر سے نکالا وہ آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں روتی چلی گئی۔

''تم ٹھیک ہو۔'' سرگوشی میں پوچھا ساری بات اس کی سمجھ میں تو آ ہی گئی تھی اب وہ اتنا بھی بچہ نہیں تھا۔

''ہاں اب میں ٹھیک ہوں۔'' پرسکون انداز میں کہتی اٹھی لڑکھڑاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھی اگر نیکھیل اس کے میں چھوڑ آتا تو اک قیامت سی برپا ہو جاتی سیتا تائی پھر نور کو ہی اذیت سے دوچار کرتیں اس لئے اس کے کمرے میں جانے کی خواہش دل میں دباتا وہ شعلے بار نظروں سے ارجن رام کی طرف بڑھا۔

''آپ تو پوجا کے لئے سامان لانے گئے تھے نا پھر یہاں کیسے۔'' سیتا تائی کے دل میں مچلتے سوال کو جیسے زبان دے دی گئی، ایک پل کو ہکلایا پھر قدرے سنبھل کر بولا۔

''ہاں میں سامان لانے ہی گیا تھا اور۔'' وہ رکا اب آگے کیسے کہے کہ سامان لانے کا بہانہ کر کے وہ گھر واپس نور کو بے مول کرنے کے لئے آیا تھا جسے عین ٹائم پہ پہنچ کر ان لوگوں نے بچا لیا تھا۔

''اور......'' اب کے اس کی بیوی اکشرہ بھیگی آنکھوں سے بولی۔

''اور راستے میں بارش ہونے کی وجہ سے میں دیکھ نہیں پایا اور وہ سامان مجھ سے گر گیا میرا والٹ بھی پھر میں نے سوچا کہ جو گھر پہ سامان ہے وہ لیتا آؤں تب تک آپ لوگ یہاں آ گئے۔'' فرفر جھوٹ بولے ارجن رام سے ایک پل کو اسے نفرت ہوئی دل میں آیا ہر خوف و ڈر ایک طرف رکھ کر اسے بری طرح مارے اتنا کہ لہولہان کر دے اور اگر وہ ایسا کرتا بھی تو سیتا تائی ارجن رام یا اسے کچھ کہنے کی بجائے نور کو نہ چھوڑتی جو کہ وہ نہیں چاہتا تھا اسی لئے غصہ ضبط کرتا وہ اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔

''ہاں وہ راستے میں بارش ہونے کی وجہ سے ابھی ہم دریا پار ہی تھے کہ راستے بند کر دیئے

گئے اسی وجہ سے ہمیں واپس آنا پڑا۔'' سیتا تائی کہتی بھیگی ساڑھی کا پلو جھاڑتی اندر کی طرف بڑھیں، ارجن رام نے بے اختیار سکون کا سانس لیا اکشرہ اور دیوی بھی اندر چلی گئیں۔

''بچ گئی سالی، لیکن کب تک۔'' سر پہ ہاتھ پھیرتا وہ اندر کی طرف بڑھا۔

☆☆☆

''درد ہو رہا ہے۔'' اس کے پیر پہ پٹی باندھتے پوچھا نظریں اٹھا کر اسے دیکھا نہیں بھلا اس میں ہمت کہاں تھی اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو دیکھنے کی۔

''نہیں۔''

''کیوں؟'' وہ چونکا نظریں اب بھی نہیں اٹھائیں۔

''اللہ نے میری دعا سن لی نیکھیل اس نے مجھے بچا لیا بے مول ہونے سے، اس نے میری دعا بھی سن لی اور مجھے بھی بچا لیا گنہگار ہونے سے۔'' نظریں جھکائے ہی کہا وہ اس کے قریب ہوئی۔

''کیا مطلب؟''

''تم نے ہی تو کہا تھا کہ تمہارا اللہ کہتا ہے جسے مجھ سے ملنے کی امید ہو وہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شرک نہ کرے، میں ملنا چاہتا ہوں اسے مجھے امید ہے تو پھر کیسے میں پوجا میں جا سکتا تھا پھر تو یہ شریک ہوتا۔'' نظریں جھکائے کہا وہ مسکرائی دل کھول کے پھر قدرے پر سکون انداز میں پلکیں موند لیں مقدس کتاب کی آیت اس کے کانوں سے ٹکراتی اسے مسرور کر گئی، حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔

''میں نے دعا کی اے نور کے اللہ مجھے تو شرک سے بچا لے میری مدد کر اور اس نے سن لی نعمہ نور تمہارا خدا بہت اچھا ہے اتنا کہ اگر صرف انسان اس کی عطا کردہ نعمتیں گنے اور دوسری طرف اپنی وہ خواہش خواب جو پورے نہیں ہوئے تو ضرور اس کی عطا کردہ نعمتیں زیادہ ہوں گی پس یہ ہی چیز میرے دل کو سکون دیتی ہے۔'' اطمینان سے کہا پلکیں موندے اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''نیکھیل!'' بند آنکھوں سے پکارا وہ بے اختیار اسے دیکھے گیا۔

''ہوں۔'' ہنکارا بھرا وہ اٹھی اور کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی آج سردی کی شدت میں خطرناک حد تک اضافہ ہو گیا تھا سردی گویا قلفی جماتی اور ہڈیوں کے اندر تک اتر رہی تھی، آسمان پہ پورا چاند چمک رہا تھا، ماہ کامل، پوہا، بدر۔

اور دنیا والوں سے بے نیاز وہ چاندی کا تھال اس رات سرد سے آسمان پہ چمک رہا تھا، پورا، مکمل......

''تم نے کہا تھا کہ تم روز اسے ملتی ہو وہ بھی دن میں پانچ بار۔'' اس کی خاموشی محسوس کر کے خود ہی پوچھا وہ چپ رہی، اس نے مزید کہا۔

''میں بھی اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''نماز کے ذریعے تم اس سے مل سکتے ہو۔'' پر سکون سا انداز اسے بے سکون کر گیا۔

''نماز، وہ کیا ہے؟''

''یہ اللہ سے بات کرنا ہے، یہ معراج پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحفے میں ملی ہے، معراج یہ ہے کہ وہ اللہ سے ہم کلام ہونے گئے تھے، ہم تو نہیں جا سکتے آسمانوں پہ، ہم تو طور پہ بھی نہیں جا سکتے تو ہمارے شوق کلام کی لاج اللہ نے نماز کے ذریعے رکھ لی، ہمارا طور ہماری معراج، ہماری نماز ہے۔'' دھیرے دھیرے بولتی وہ نہیں تھکتی تھی۔

''تم مجھے نماز سکھاؤ گی۔'' منت بھرا انداز

تھا اس کا وہ مسکراتے ہوئے پلٹی۔

''ہاں مگر میری ایک شرط ہے۔''

''کیسی شرط؟'' وہ مزید الجھا اسے مزا آیا اس کی الجھن محسوس کر کے۔

''جب تم اسلام قبول کر لو گے تب تم نماز ادا کرنا کیونکہ نماز مسلمان اور کافر میں فرق کرتی ہے۔'' کہتی مسکرائی وہ سمجھ کر اثبات میں سر ہلا گیا۔

''نور! ایک بات پوچھوں۔'' دھیرے سے اجازت چاہی، جو کہ دے دی گئی۔

''پوچھو۔''

''تمہیں ڈر نہیں لگتا۔''

''کس چیز سے؟''

''محبت سے۔''

''محبت سے ڈر کیسا یہ تو ہمیں جینا سکھاتی ہے ہماری زندگی میں رنگ بھرتی ہے پھر اس سے ڈر کیسا۔''

''کہتے ہیں یہ جس کے دل پہ قابض ہو جائے اسے کہیں کا نہیں چھوڑتی۔'' کچھ خوف سے کہا وہ مڑی اس کی آنکھوں میں دیکھا دو قدم چل کے اس کے قریب آئی ایک پل کو لڑکھڑائی لیکن پھر سنبھل گئی۔

''محبت دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ جس میں انسان کو سب کچھ ملتا ہے سکون خوشی اطمینان، راحت اور دوسری وہ جس میں نہ تو سکون ہوتا نہ ہی اطمینان، نہ راحت بلکہ اس میں صرف درد ہی درد ہوتا ہے جو ہنستے ہوئے بھی رلاتا ہے اور روتے ہوئے بھی رولاتا ہے اسے نہ ہی تو دنیا اچھی ملتی ہے اور نہ ہی آخرت۔'' وہ رکی گہری سانس بھر کر خود کو پرسکون کیا نظریں چرائیں رخ پھیرا اور بولی۔

''پہلی محبت خدا سے کی جانے والی محبت ہوتی ہے پاک صاف سچی اور کھری محبت جس میں انسان کو سب کچھ ملتا ہے خوشی سکون اطمینان اور راحت اور دوسری محبت۔'' وہ رکی وہ بے قراری سے بولا۔

''دوسری محبت، دوسری محبت کسی انسان سے کی جانے والی زندگی کی آسائشوں سے کی جانے والی ہوتی ہے جس میں کچھ حاصل نہیں ہوتا نہ راحت نہ اطمینان، نہ خوشی صرف دکھ ہی دکھ صرف درد ہی درد، اس کا حصول صرف دکھ ہوتے ہیں، ایسی محبت کی نہ دنیا اچھی اور نہ ہی آخرت، دنیا میں ہونے کے باوجود وہ اس محبت کا سوگ مناتا ہے، وقت گزارتا گزارتا بالآخر ختم ہو جاتا ہے اسی کی آخرت بھی خراب دنیا بھی خراب۔'' وہ رکی اس کی طرف بڑھی۔

''میں نے تمہیں سورۃ الکہف کی آیت سنائی تھی نا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔''

''تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتا دیں کے سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں ان کے جن کی ساری کوشش دنیا میں ہی گم ہو گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا عمل کر رہے ہیں، یعنی جو صبح اٹھتے دنیا کے کاموں میں لگ جاتے ہیں اور راتوں کو دنیا کی ہی باتیں کرتے وہ اپنے رب کو بھولے ہوئے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ہم اچھا عمل کر رہے ہیں۔'' بولتی بولتی وہ چپ ہو گئی، یوں جیسے کہتے کہتے تھک گئی ہو، وہ نجانے کتنی ہی دیر اسے دیکھتا رہا پھر نظریں آسمان کے سینے پہ سجے چاندی کے سنہری و سفید تھال پہ جما دیں۔

☆☆☆

''تم پوچھو گے نہیں میں نے صوفی کے مزار پہ کیا مانگا۔'' چھپر سے ٹیک لگائے کہا وہ چپ چاپ تانگہ ہانکتا رہا، دھیرے دھیرے دوپہر ہونے لگی تھی اور شام ہونے سے پہلے انہیں

واپس پہنچنا تھا۔

''میں نے دعا مانگی کے اللہ خاور کو جب مجھ سے محبت ہو تب میں اسے نفرت کرنے لگوں۔''

ایک پل کو لگام تھامے اس کے ہاتھ لرزے دل رکا پھر بے نیازی سے بولا۔

''افسوس ہے۔''

''کیسا افسوس۔'' وہ چونکے بنا بولی تھی، جانتی تھی وہ اب کیا کہے گا اور اس نے کہا بھی وہی۔

''اسی بات کا افسوس ہے دل آسا کہ تمہاری دعا پوری نہیں ہوگی۔''

''کیوں؟''

''اس کیوں کا جواب تم جانتی ہو۔''

''اور اگر میری دعا پوری ہو گئی تو۔'' اک آس سے پوچھا جسے وہ بے دردی سے توڑ گیا۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔''

''اور اگر ہو گیا تو؟'' وہ اپنی ضد پہ ڈٹی رہی۔

''تو خاور اسی وقت مر جائے گا جب اسے تجھ سے محبت ہوگی۔'' بڑا سخت سا انداز تھا اس کا وہ دل پہ ہاتھ رکھتے بولی۔

''مجھ سے محبت نہیں کرنی تو نہ کر خاور پر ایسی بات بھی نا کہہ کے جسے سن کر دل آسا مر جائے۔'' اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا وہ اس کی پشت کو دیکھتی رہی پتہ نہیں کتنی دیر اور وہ اپنی پشت پہ اس کی پرتپش نظروں کو محسوس کرتا رہا جب اس کی آواز گونجی۔

''پتہ ہے کبھی کبھی میرا دل کرتا ہے۔'' وہ کچھ نہ بولا، وہ ایسا ہی تھا دل میں آتا تو جواب دے دیتا نہ آتا تو بندہ بیشک بول بول کر مر جاتا پر اس کی چپ نہ ٹوٹتی پر پھر بھی دل آسا کو اس سے محبت تھی، سچی اور پاک محبت، وجود کے لاگ سے پاک، خود کو قربان کر دینے والی محبت۔

''میرا دل کرتا ہے میں تیرے بال بکھیروں تیری لمبی سی ناک کھینچوں، تجھے کنگا کروں تیرے سر میں تیل لگاؤں پھر تیرا ہاتھ پکڑے کیکر کے اردگرد گھوموں کھلکھلاؤں، میں تجھے چاند کہوں اور تو مجھے چمکتے چاند کی روشنی، میں تندور کے پاس بیٹھی تیرے لئے روٹیاں بناؤں اور تو......'' وہ رکی پل بھر کو آواز لڑکھڑائی سانسوں میں اسے آنسوؤں کی نمی گھلتی محسوس ہوئی۔

''چارپائی پہ بیٹھا مجھے آواز دے دل آسا اور مجھے اپنے نام سے پیارا کوئی نام نہ لگے، میں فخر سے گردن اٹھائے مسکراؤں مگر میں جانتی ہوں۔'' وہ رکی رخساروں پہ بہتے آنسو صاف کیے۔

''یہ سب کبھی نہیں ہوگا مگر میری ایک بات یاد رکھنا خاور، محبت کو اس وقت تک ٹھکراؤ جب تک وہ پاس رہے اگر دور ہونے لگے تو اسے خود سے دور مت ہونے دینا ورنہ یہ ایسا چھوڑ کے جائے گی کہ تم پھر لاکھ روؤ مناؤ اسے یہ واپس نہیں آئے گی نہ تیرے رونے پہ اور نہ ہی منانے پہ کیونکہ جو محبت ہوتی ہے نا یہ بڑی ہی ضدی ہوتی ہے اگر جو ایک بار روٹھے نا تو پھر کبھی نہیں مانتی نہ زیست کی رانی کا جھومر ٹوٹنے کے بعد اور نہ ہی بخت کی دیوی کا کنگن چھوٹنے کے بعد۔''

شام اب ڈھلنے لگی تانگہ ایک جھٹکے سے رکا ان کا گھر آ چکا تھا وہ اترا۔

''مجھے ڈر لگتا ہے خاور۔'' وہ رک گیا پر مڑا نہیں اس کی اگلی بات نے آج پہلی بار اس سے مڑنے کی صلاحیت چھین لی تھی وہ کہتی ہوئی اتری اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''تمہیں تو ہمیشہ سے محبت کو ٹھکرانے کی عادت رہی ہے اگر یہ تم سے روٹھ گئی تو تم کیسے جیو

گے۔'' اور وہ چاہ کر بھی آگے نہیں بڑھ سکا، ہوتے ہیں بعض جملے ایسے جو انسان کو پتھر کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، آپ پھر چاہ کر بھی ہل نہیں سکتے چلنا چاہیں تو بھی چل نہیں سکتے، جینا چاہیں تو جی نہیں سکتے اور اس وقت خاور بھی خود کو ایسی ہی کیفیت میں محسوس کر رہا تھا۔

''آ گئی میری دھی، میں صدقے میں واری۔'' اندر داخل ہوتے ہی اماں نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا، آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتی وہ بدوقت مسکرائی۔

''جی!''

''سفر کیسا رہا اور خاور نے تجھے تنگ تو نہیں کیا۔'' اک مسکراتی نظر اندر داخل ہوتے خاور پہ ڈالی جو وہیں رک گیا۔

''نہیں اماں تو بس دعا کر میں نے جو صوفی کے مزار پہ مانگا ہے نا وہ مجھے اب مل جائے۔'' عجیب بے بسی سے کہا وہ نظریں چراتا آگے بڑھا۔

''اللہ سوہنا تیری ہر دعا پوری کرے گا۔'' ایک بار پھر اسے سینے سے لگایا گلالہ اس کی بھیگی پلکیں دیکھتی بولی۔

''کیا ضروری ہے کہ تیری دعا پوری ہو۔''

''اگر میری دعا پوری نہ ہوئی تو دل آسا مر جائے گی۔'' مڑ کر اک زخمی نظر خاور پہ ڈالی جو جلدی سے اپنے کمرے میں بند ہو گیا جسے سب نے تھکن پہ معمور کیا۔

''اتنی اہم ہے وہ دعا۔''

''ہاں میری زندگی سے بھی زیادہ۔'' وہ دوبدو کہا اماں جلدی سے پانی لے آئی۔

''یہ لے پانی پی لے اور گلالہ جلدی سے اپنے لالہ کو بھی پانی دے آ بیچارہ تھک گیا ہو گا۔''

''جی اماں۔'' کہتی وہ مڑ گئی، دل آسا چپکے سے اپنے سارے آنسو اماں کے دامن میں بہا دیئے ان کی گود میں سر رکھے روتے روتے کب آنکھ لگی کچھ پتہ نہیں چلا آنکھ تو تب کھلی جب رات کی تاریکی پورے آسمان کو اپنے دامن میں چھپا چکی تھی، سامنے کیکر کے نیچے بیٹھی گلالہ بڑی اداس لگ رہی تھی اس نے آنکھیں مسلی، وہ اٹھی اندر کمرے سے دین محمد اور اکبر کی آواز آ رہی تھی، وہ شاید کوئی باتیں کر رہے تھے۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' اس کے پاس بیٹھتے پوچھا، چونک کر اسے دیکھتی مسکرائی۔

''تم اٹھ گئی، رکو میں تمہارے لئے کھانا لے آتی ہوں، تم آتے ہی سو گئی کچھ کھایا ہی نہیں اور لالہ بھی سو گیا انہوں نے بھی ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی ہاتھ پکڑ کر دل آسا نے اسے جلدی سے واپس بٹھایا۔

''مجھے ابھی بھوک نہیں ہے، تم بتاؤ کیا سوچ رہی تھی۔''

''تم لوگ کچھ کھا کر آئے ہو نا، میں کچھ پوچھ رہی ہوں گلالہ۔'' اسے ٹوکا وہ انجان بنی۔

''کیا؟''

''یہی کہ تم کیا سوچ رہی تھی۔''

''کچھ نہیں میں کیا سوچوں گی مجھے کوئی تمہاری طرح مرض عشق تھوڑی ہے جو میں کسی کے لئے جوگن بنی سوچتی رہوں۔'' مسکراتے ہوئے کہا وہ ہنسی بڑی درد بھری مسکراہٹ تھی اس کی۔

''یہ جو مرض عشق ہوتا ہے نا یہ کسی کو جان بوجھ کر نہیں لگتا، انجانے میں ہی لگ کر اسے لمحہ بہ لمحہ موت کی گہرائیوں میں اتار دیتا ہے کسی کو خبر تک ہونے تک۔''

''مجھے معاف کر دو دل آسا، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ یکدم نادم ہوئی۔

''معافی ویسی اب تو نہیں سزا ملے گی۔''

کڑے تیوروں سے کہا، وہ تھوڑی سی ڈری ضرور پر ظاہر نہیں کیا۔

''اچھا کیا سزا ملے گی؟''

''تمہاری سزا یہ ہے کہ......'' وہ رکی سسپنس پھیلانا چاہا اب کے وہ سچ مچ ڈری۔

''کہو بھی۔''

''کہ تمہیں ہمیشہ خوش رہنا ہوگا سوچوں میں گم گلاہل مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی۔'' کہتی کھلکھلائی کمرے سے نکلتا خاور ٹھٹک کر رکا اس کی ہنسی جلترنگ بکھیرتی تھی پتہ نہیں کتنے عرصے بعد اس نے اس کو مسکراتے دیکھا تھا۔

''تم ہنستی بھی ہو؟'' گلاہل حیرت سے بولی اس کے مسکراتے لب پل بھر کور کے پھر پھیلے۔

''بہت برے ہے نا وہ۔'' گلاہل دکھ سے بولی اس نے جھٹ نفی میں سر ہلایا کہ خاور بھی ساکت رہ گیا اس کے حملے پر۔

''نہیں وہ تو بہت اچھا ہے بالکل اس چمکتے چاند کی طرح روشن صاف شفاف اور میں۔'' وہ رکی ایک آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگتا رخسار پہ گرا۔

''میں سیاہ تاریک آسمان جیسی جو صرف اپنے سے کچھ فاصلے پہ موجود چاند پہ صرف فخر کر سکتی ہے نہ تو اسے پانا میرا مقدر ہے اور نہ ہی اس کی محبت میرا نصیب اور تم جانتی ہو محبت اور نصیب جب آمنے سامنے کھڑے ہو جائیں نا تب یا تو نصیب ہار جاتا ہے یا پھر محبت۔'' کہتے وہ رکی پھر اس سے بولی۔

''تم دعا کرو گلاہل، نصیب ہار جائے ورنہ محبت ہاری تو میں بھی ہار جاؤں گی اور دل آسا ہاری تو پھر کبھی وہ سر اٹھا کر جی نہ سکے گی۔''

''اے دل آسا!'' وہ کچن میں روٹی لگا رہی تھی جب اماں نے پکارا وہ وہیں پر گلاہل کو بٹھا کر بھاگتی ان تک آئی۔

''جی اماں!''

''ہائے میں مرگئی سر دیکھا ہے اپنا جیسے چڑیا کا گھونسلہ ادھر آمیں تیل کی مالش کردوں ذرا۔''

''نہیں اماں میں وہ۔''

''ارے کیا نہیں میں نے کہا نا ادھر آ۔'' اب کے وہ ذرا غصے سے بولیں پیر پٹختی وہ ان کے سامنے جا بیٹھی اور تھوڑا تھوڑا کہتے بھی اماں نے ڈھیر سارا تیل اس کے بالوں میں انڈیل دیا، پلکیں موندے وہ اماں سے تیل لگوا رہی تھی جب کھٹکا ہوا وہ ویسے ہی بیٹھی رہی سکون کا قطرہ قطرہ اماں کی انگلیوں سے اس کے سر میں داخل ہوتا جیسے اسے پرسکون سا کر گیا۔

''اے خاور پتر، ادھر بیٹھ تجھ سے بات کرنی ہے۔'' لمبے سنہرے بال کھولے سکون سے آنکھیں بند کیے وہ اسے اس وقت دنیا کی حسین ترین لڑکی لگی ایک پل کو اسے اپنے دل کی دھڑکن رکتی محسوس ہوئی، نظریں چرا کر وہ اپنے کمرے میں چلا جانا چاہتا تھا جب زرینہ بی کی آواز پہ رک کر اسے بیٹھنا پڑا وہ چپ چاپ بنا حرکت کیے ویسے ہی بیٹھی رہی حالانکہ پلکوں کی لرزش صاف ظاہر تھی نظریں چرائے وہ زرینہ بی سے مخاطب ہوا، تب تک گلاہل تندور سے روٹی لئے خاور کے سامنے رکھ گئی۔

''جی اماں کہیے کیا بات ہے؟''

''دیکھو پتر! گلاہل اور تمہارے اماں ابا کو اللہ جنت عطا کرے، انہوں نے اپنے دین حق کے لئے جان لٹا کر جب شہادت حاصل کی تو تم دونوں کو میں نے اپنے بازوؤں میں چھپا لیا اور اب جب تم اپنے پیروں پہ کھڑے ہو تو ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' اسے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا پل بھر کو دھڑکن تیز ہوئی۔

''مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہے۔''
''میں صدقے یہ ہی تو تمہاری سعادت مندی مجھے پسند ہے تو کیوں نا اب ہم کچھ دنوں میں سادگی سے نکاح کر دیں۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا دل آسا نے چونک کر آنکھیں کھولیں اسے دیکھا جو خود بھی اس افتاد پہ بوکھلا کر اسے دیکھ رہا تھا وہ مڑی آنکھوں میں اشتیاق لئے اماں سے مخاطب ہوئی۔

''کس کا نکاح اماں؟''
''ارے تجھے پتہ نہیں ہے۔''
''نہیں تو۔''
''پگلی گلاہل اور اکبر کا نکاح۔'' ان کی بات پہ ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں کی جلتی جوت بجھی پھر اگلے ہی پل وہ مسکرائی۔
''سچ اماں میرے بھائی کی شادی وہ بھی گلاہل سے۔''
''ہاں میری دھی۔''
''اچھا اب تو ذرہ خاور کو بھی تیل لگا دے بچ میں تو اب بڑی تھک گئی ہوں۔''
''وہ اماں۔'' اس سے پہلے وہ انکار کرتی اماں بڑبڑاتی وہاں سے اٹھ گئی اس نے مڑ کر ایک نظر خاور کو دیکھا پھر اسے اپنی طرف متوجہ پا کر نظریں جھکا لیں۔
''اماں مجھے نہیں لگوانا کوئی تیل۔'' ہلکا سا احتجاج کیا، جسے نظر انداز کرتی اماں دل آسا سے مخاطب ہوئی۔

''تو اسے تیل لگا دے میں ذرا پاس والے مولوی صاحب کے گھر سے دن اور تاریخ لے آؤں ابھی حالات کچھ بہتر ہیں پھر پتہ نہیں ہوں، میں اپنے بیٹے کا تو سہرا سجا لوں۔'' چادر سر پہ ڈالتی وہ مڑ گئیں اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنے بال جوڑے کی شکل میں اوپر کر کے پونی لگائی اور تیل کی بوتل لے کر اس کے پیچھے آ بیٹھی، اس کے کپڑوں سے اٹھتی سوندی سوندی مہک اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی۔
''مجھے تیل نہیں لگوانا۔'' غصے سے کہتا وہ اٹھا اور اپنے کمرے میں بند ہو گیا ہاں جاتے وقت مڑ کر اس کے رخساروں پہ بہتے آنسو دیکھنا نہیں بھولا تھا جو اس کے اندر جل تھل کر گئے تھے۔

☆☆☆

''تم خوش ہو۔'' گلاہل کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی اس نے چونک کر نظریں اٹھائیں، پھر شرما کر سر جھکا لیا۔
''اوہو، یہاں تو عالم ہی اور ہے۔'' شرارت سے کہنی ماری اور مصنوعی رعب سے بولی۔
''عزت کرو میری بھابھی ہوں اب۔''
''آہا بڑی آئی بھابھی۔'' وہ مصنوعی غصے سے بولی پھر دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مارتی زور سے کھکھلائی۔
''تمہیں کس نے بتایا۔'' اسے یکدم خیال آیا جیسے۔
''انہوں نے۔''
''ہیں انہوں نے کہنوں نے۔'' وہ خاک بھی نا سمجھی۔
''رات کو جب تم تخت پہ سو رہی تھی جب وہ میرے پاس آئے۔'' جھجکتی بولی اسے ایک پل کو بھی یقین نہیں ہوا۔
''کون؟ اکبر بھائی۔''
''ہاں وہی۔''
''کیا کہنے۔'' جلدی سے پوچھا۔
''یہ ہی کہ اگر میں چاہوں تو وہ مجھ سے۔''
''وہ تم سے۔'' جلدی سے ٹوکا آنکھیں بند کرتی گلاہل جلدی سے کہتی۔

''وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔''
''سچ۔''
''یہ انقلاب کیسے ہوا میرا مطلب ہے وہ تو اتنے سیدھے سادے سے ہیں وہ کیسے۔''
وہ بالکل بھی ماننے کے لئے تیار نہ تھی بھلا اس کا سیدھا سادہ بھائی اتنا رومینٹک کیسے۔
''ہاں وہ اتنے بھی سیدھے سادھے نہیں ہیں۔''
''اور تم نے کیا جواب دیا۔'' اس کی حیرت دیدنی تھی، گلالہ زیرلب مسکرائی۔
''میں نے کہا جو اماں اور خاور بھائی چاہیں گے وہی ہوگا۔''
''اور......''
''انہوں نے کہا اگر وہ انکار کر دیں تو میں نے کہا میں جانتی ہوں وہ انکار نہیں کریں گے۔''
''تم نے کہہ دیا؟'' وہ حیرت سے مرتی مرتی بچی۔
''اور نہیں تو کیا۔''
''تم کتنی خوش قسمت ہو گلالہ جسے چاہا اسے پالیا، واقعی کچھ لوگ ہمیشہ قسمت کے دھنی رہتے ہیں، بہت بہت مبارک ہو میری جان۔''
اسے گلے سے لگائے اپنے آنسو اس نے اندر ہی کہیں اتار لئے وہ رو کر گلالہ کو دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی، کیا تھا جو اگر خاور بھی اس سے محبت کرتا، دل میں چپکے سے اک خواہش سی ابھری جسے وہ نظر انداز کر گئی، کیونکہ بعض خواہشیں اور خوابوں کو نظر انداز کرنا ہی انسان کے لئے بہتر ہوتا ہے اسے بھرم رہ جاتا ہے اپنا بھی اور محبت کا بھی۔

☆☆☆

''مجھے تیری کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔'' وہ پریشان سا کمرے میں داخل ہوا جب اکشرہ اسے گہری نظروں سے دیکھتی بولی، اس نے بے اختیار نظریں چرائیں۔
''کون سی بات؟''
''یہی کہ تو سامان لینے کے لئے گھر آیا مطلب اگر بقول تیرے سامان گر بھی گیا تھا تو واپس آنے کی کیا تک تھی۔'' کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا، وہ آہ سے چارپائی پہ گرتا آنکھوں پہ بازو رکھتے بےزاری سے بولا۔
''مجھے نیند آرہی ہے۔''
''تو میں کیا کروں؟''
''تم بھی سو جاؤ۔''
''مجھے نیند نہیں آرہی۔''
''تو مجھے سونے دو۔'' غصے سے آگے بڑھ کر اس نے آنکھوں پہ رکھا بازو ہٹانا چاہا جسے وہ ناکام کر گیا۔
''کیا مصیبت ہے؟''
''میں آپ کو مصیبت لگتی ہوں۔'' دکھ سے کہا۔
''تو اور کیا اب بندہ سکون سے سو بھی نہیں سکتا۔'' دھاڑا وہ ذرہ بھی نہیں ڈری۔
''نہیں۔''
''کیوں؟'' تیوریاں چڑائیں جس کی اس نے ذرہ بھی پرواہ نہیں کی سکون سے بولی۔
''کیونکہ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''
''کون سے سوال کا؟''
''سوال یاد نہیں یا انجان بن رہے ہیں۔'' اس نے پا کو خاصا کھینچا۔
''مجھے انجان بننے کی کیا ضرورت ہے۔'' اب کے بحث سے تنگ آکر وہ اٹھ بیٹھا۔
''تو پھر بتائیں۔''
''کیا بتاؤں؟'' سادگی کی حد تھی، وہ ضبط

سے بولی۔

''یہ ہی کہ اگر سامان گر گیا تھا تو واپس گھر آنے کی کیا تک تھی۔'' سوال دوہرایا اس نے پھر سے نظریں چرائیں۔

''ظاہری بات ہے پوجا میں سامان جو لے کر جانا تھا۔''

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں راستے کچے ہونے کی وجہ سے تانگے نہیں چلتے تو آپ یہاں آنے کے بجائے گنگا ندی کیوں نہیں پہنچے۔''

''وہ......''

''وہ کیا؟'' اسے سمجھ نہ آیا کہ اب اس کا کیا جواب دے۔

''وہ میں نے سوچا کہ تم لوگ گھر ہی آؤ گے ظاہر ہے پھر تم لوگ گنگا ندی کیسے پہنچتے، اسی لئے میں گھر آ گیا۔'' جلدی سے بات بنائی۔

''ابھی آپ کہہ رہے تھے کہ آپ گھر سامان لانے کے لئے آئے تھے اور اب کہہ رہے ہیں کہ ہماری وجہ سے آئے تھے آخر بات کیا ہے کیا چھپا رہے ہیں آپ مجھ سے۔'' کمر پہ ہاتھ رکھے کہا وہ لمحے بھر کو بوکھلایا پھر اگلے ہی پل سنبھل کر بولا۔

''اب انسان پہ اتنا شک کرو گی تو وہ بوکھلا ہی جائے گا نا، بات یہ ہے کہ ابھی میں گھر پہنچا ہی تھا کہ میں نے دیکھا وہ مسلمانی زمین پہ بے...... بغیر دوپٹے کے زخمی گری ہوئی ہے اس سے پہلے کہ میں آگے بڑھ کر اسے اٹھاتا یا اس کی مدد کرتا تم لوگ اچانک آ گئے اسی لئے مارے بوکھلاہٹ کے میں جھوٹ پہ جھوٹ بولتا گیا، ایک بات کو چھپانے کے لئے انسان کو نجانے کتنے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں مگر وہ نادان پھر بھی جھوٹ کو نہیں چھوڑتا اور شیطان کے بچھائے جال میں پھنستا چلا جاتا ہے یہ سوچے بنا کہ آخر جھوٹ کا انجام کیا ہوگا مگر بہت ہی برا۔''

''اوہ مجھے شما کر دینا پتہ نہیں میں نے کیا کیا سوچا، رام رام۔'' ہمیشہ کی طرح بے وقوف سی اکشرہ بہل گئی اس نے گہرا سانس بھر کر جیسے شکر ادا کیا۔

''کچھ نہیں ہوتا، اچھا اب تو مجھے سونے دو۔'' معصوم سی شکل بنائی وہ مطمئن ہوتی سونے کے لئے لیٹ گئی۔

باہر رات قطرہ قطرہ گرتی پرنور صبح لانے کی کوشش میں گم تھی آسمان پہ سجے چاندی کا تھال اب سرکتا ہوا محو سفر ہوا۔

☆☆☆

''اسلام کیا ہے نور۔''

ڈھلتی شام میں نالے کنارے بیٹھے نیکھیل نے پوچھا اس کے لبوں نے بے اختیار مسکراہٹ کی چاشنی کو چھوا۔

''اسلام کا معنی ہے اطاعت و فرماں برداری، ظاہری اور باطنی آفات سے بچے رہنا، جو شخص کو مسلمان کہلاتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ عبادت کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کرے، کیونکہ ہندوؤں کی طرح یہاں بے شمار دیوتا اور خداؤں کا تصور نہیں، اسلام ایک ایسا ہمہ گیر مذہب ہے کہ ہم دنیا کے تمام مذاہب پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں تو ان میں اسلامی تعلیمات کو کسی نہ کسی صورت کارفرما پاتے ہیں لیکن چونکہ دیگر تمام مذہب میں شرک و بدعات ہیں اس لئے انہیں اسلام نہیں کہا جا سکتا، اسلام کے پانچ اصول ہیں، خدا پہ ایمان، فرشتوں پہ ایمان، رسولوں پہ ایمان، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان اور اعمال کی سزا و جزا کے دن پہ ایمان، اسی طرح پانچ ارکان اسلام ہیں۔'' کہتی اس نے گہری سانس بھری پھر دوبارہ موضوع پہ آئی۔

''اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا دلی اقرار وتصدیق، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو اپنا معبود نہ سمجھا جائے، نماز کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، نفس کو مار کر رمضان میں روزے رکھے جائیں، اپنے مال سے زکوٰۃ کی صورت غریب و مساکین کا حصہ ادا کیا جائے اور صاحب حیثیت ہو تو بیت اللہ شریف کا حج کیا جائے، اسلام کو مکمل کرنے والی الہامی کتاب قرآن مجید ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول، نبی آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے ذریعے اتاری، قرآن مجید کا نام خود اس کتاب میں وحی کی صورت آیا ہے، قرآن اس کتاب کو کہتے ہیں جو تمام علوم کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں قرآن کے بارے میں فرمایا، ''ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح بیان کرنے والی ہے'' اسی طرح دوسری جگہ فرمایا ''قرآن مجید میں تمام کتب کے علوم سمو دیئے گئے ہیں، تمام بکھری ہوئی انسانیت کو ایک جگہ پہ جمع کرنے والا ہے'' قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس کی تشریح کے لئے ہزار ہا کتب لکھی جا چکی ہیں، ان میں سے کچھ تفاسیر ایسی بھی ہیں جن کی سو سے زیادہ جلدیں ہیں قرآن مجید واحد آسمانی کتاب ہے جو ازل سے ابد تک اپنی اصلی حالت میں جوں کی توں موجود ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی جبکہ دیگر تمام مذاہب کی کتابوں میں وقت کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ تبدیلی رونما ہوئی ہے۔'' گہری سانس بھر کر خود کو پرسکون کرتے وہ اس کے ساکت وجود پہ نظر ڈالے بنا بولی۔

''اب آخری بات، یہ انتہائی غور طلب بات ہے، چار وید تم لوگوں کی مقدس کتاب ہے جسے آکاشی یعنی آسمانی کتاب کہا جاتا ہے حالانکہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں، کیوں کہ قرآن مجید مسلمانوں کی کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری گئی، عیسائیوں کی کتاب انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر، یہودیوں کی تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر اتاری گئی مگر یہ وید کس پہ اتاری گئی، ہندوؤں کی کتاب نہ بتا سکی، نہ کوئی پنڈت اس پر غور کرو اور سمجھو۔'' اب کے تھوڑا سا وہ اس کی طرف جھکی آنکھوں میں دیکھا پھر بولی اب آواز میں پہلے سے زیادہ مضبوطی تھی۔

''کوئی پنڈت اس وقت تک نہیں مرتا، جب تک کہ وہ اپنے بیٹے کو ان کہی بات نہ کہہ دے، اپنے بیٹے کو ''ان کہی'' بات اچھی طرح رٹا نہ دے، ان کہی بات رٹانے کے بعد کہتا ہے، تیرے سارے پاپ ختم ہو جائیں گے، اسی طرح وید میں لکھا ہے، اے لوگو! ایک ہستی دنیا میں شریف لائے گی جو سچی اور صادق ہو گی، وہ ہستی راہبر ہو گی وہ اندھیرے کو ناش (ختم) کرے گی۔'' اب کے وہ پھر سے نالے کے بہتے پرزور پانی کو دیکھتی بولی۔

''اس کائنات میں بھی اصل اندھیرا ہے، اندھیرے کو ختم کرنے کے لئے روشنی چاہیے، اس اندھیرے کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورج کا نظام بنایا، ایک اندھیرا دل کا ہوتا ہے، اگر دل اندھیرے میں ڈوب جائے تو اسے دن کی روشنی بھی روشن نہیں کر سکتی، دل کے اندھیرے کو ختم کرنے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے انہوں نے آکر نہ صرف دل کے اندھیرے کو روشنی میں بدلا بلکہ اک ضابطہ حیات دیا، قوموں، سماج معاشرے اور کائنات سے برائیوں کو ختم کیا، اب رگ وید کی بات بتاتی ہوں، ہندوؤں کے چار

ویدوں سے ایک رگ وید بھی ہے، اس میں آتا ہے جس میں "مرت رن" (آگہی) کا لفظ اکتیس بار آتا ہے یہ ورد جہاں مکمل ہوتا ہے اس سے آگے لکھا ہے "اے میرے ماننے والو! آخری کتاب جو نبی لے کر آئے گا، اس نبی کی کتاب میں ایک منتر اکتیس بار لکھا ہوگا، جب اکتیس بار کوئی منتر لکھا ہوا ملے تو سمجھ لینا وہی آخری دھرم ہے، وہ سچا دھرم اور آخری راستہ ہے، تم رگ وید پڑھو، پھر قرآن پاک کی سورۃ رحمٰن دیکھو، اس میں اکتیس بار ایک آیت لکھی ملے گی۔"

"ترجمہ:۔ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے" رگ وید نے گواہی دے دی، قرآن آخری اور سچی کتاب ہے، اتھر وید نے اقرار کرلیا، جر وید نے بتا دیا، اندھیرے کو ناش کرنے والی ہستی نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔" اپنی بات کر کے اس نے گہری سانس بھری اور سر پیپل کے درخت کی پشت سے ٹکا دیا کھیتوں کے پیچھے کھڑی دیوی نے سب سنا اور سر ہلا کر منہ پہ ہاتھ پھیرتی مڑ گئی اور نیکھیل ساکت تھا۔

یعنی وہ اتنے دن گمراہی میں رہا بے دین ایک پتھر کے سامنے جھکتا رہا حالانکہ اس کا خدا یعنی اللہ پاک ہر پل اس کے ساتھ تھا وہ اٹھا اور مرے مرے قدموں سے نکلتا چلا گیا بڑا شکست خوردہ سا انداز تھا اس کا، لاچار اور لٹا ہوا سا۔

☆☆☆

اور پھر تین دن بعد یعنی جمعہ کے دن گلاہل کو سرخ جوڑا پہنا کر کاجل لگایا اور عطر حنا کپڑوں پہ چھڑکنے کے بعد زرینہ بی دولہن بنا کر سادگی سے نکاح کرنے کے بعد اسے اکبر کے کمرے میں لے آئی، خوشی کا ہر ہر احساس اس کے روم روم سے پھوٹتا اسے اک عجیب سا احساس جگا رہا

تھا خاور اور وہ ایک دوسرے سے نظریں چرائے پھرتے بات تو ان کے درمیان پہلے بھی برائے نام ہی ہوتی تھی اب تو وہ بھی ختم ہو کر رہ گئی تھی، رمضان کا مہینہ شروع ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا جب پہلے ہی کافروں نے کرفیو لگا کر مسلمانوں کا گھر سے نکلنا بند کر دیا، گرمی کے حبس زدہ دن خوف سے گھر میں دبکے گزرنے لگے رمضان کا پاک مہینہ قریب سے قریب تر آ گیا اور راشن ختم ہو گیا کھانے کے لالے تو پہلے بھی تھے اب تو فاقوں تک کی نوبت آ گئی، اکبر کا ٹھیلہ جو کہ وہ سبزی کا لگاتا تھا اور دن میں پانچ یا دس روپے کما لیتا تھا وہ چھین لیا گیا، دین محمد تو ویسے ہی گھٹنوں کے درد میں مبتلا رہتا تھا اور خاور اس کا تانگہ ظالموں نے اپنے قبضے میں لے لیا اور پھر ایسے ہی وقتوں میں رمضان کا پاک مہینہ شروع ہو گیا اور ایسا ہر سال ہوتا تھا جب رمضان پاک کا مہینہ شروع ہوتا اس وقت کافر کرفیو لگا دیتے کسی کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہ تھی حالات خراب سے خراب تر ہوتے گئے گلاہل کی شادی کو ابھی صرف پندرہ دن ہوئے تھے، پچھلے سال کی رکھی کھجور کھا کر پانی پی کر وہ روزہ رکھتے اور شام کو پھر پانی پی کر کھول لیتے زرینہ بی اکثر ان دونوں کو بھوک سے بے حال ہوتا دیکھ کر کہتی۔

"اے پگلیوں شکر کرو اللہ نے ہمیں رمضان کا پاک مہینہ دیا ہے جس میں ہم روزے رکھ کر اس پروردگار کی عبادت میں مصروف ہو کر اپنے پورے سال کے گناہ بخشوا سکتے ہیں اور یہ کافر تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ ہم روزہ نہ رکھیں عبادت نہ کریں اسی لئے کسی نہ کسی طریقے سے ہمیں روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔" اور بھوک سے بے حال ہوتیں وہ دونوں سر ہلا کر رہ جاتیں اور پھر اس دوپہر جب کوے دوپہر کی دھوپ سے جلتے

ہوتے کیکر کے درخت پہ ادھ موئے ہو رہے تھے تب وہ اس کے پاس آئی تھی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے لئے کمزور جسم اور لڑکھڑاتے وجود کے ساتھ وہ اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر ساکت رہ گیا۔

''خاور!'' لڑکھڑاتی آواز میں اسے پکارا وہ چونکا تڑپا پر ظاہر نہ کیا ہوتے ہیں نا کچھ لوگ ایسے جو اپنے جذبوں کا چاہ کر بھی اظہار نہیں کر پاتے اور یہ ہی بات انہیں ہرا دیتی ہے، مروا دیتی ہے۔

''تم کہتے ہو نا یہ زندگی ہمیں گنوانے یا بکیار گزارنے کے لئے نہیں ملی بلکہ اس لئے ملی ہے تاکہ ہم کچھ کر سکیں اپنے لئے دین کی سربلندی کے لئے کچھ ایسا جسے کر کے ہم مرنے کے بعد بھی نہ مریں بلکہ زندہ رہیں لوگوں کے دل میں۔'' دھیرے دھیرے بولتی وہ مسکرائی پھر نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''آہ۔'' وہ کرامات کر کے قتل کرتا تھا، بے اختیار نظریں جھکائیں کچھ دیر خاموش کھڑی رہی جیسے لفظوں کو ترتیب دے رہی ہو وقت سرکتا سرکتا رکنے لگا، رک رک کر پھر سے سرکنے لگا۔

''دل آسا نے ہمیشہ تمہیں چاہا تمہیں مانگا خوابوں میں بھی تمہیں ہی دیکھا نظریں اٹھائیں یا جھکائیں صرف تم ہی نظر آئے، مگر اب......'' وہ کہتی رکی پھر اسے دیکھا دو قدم چل کر اس کے قریب ہوئی خاور ساکت ہوا آخر کیا کہنے والی تھی وہ، خوف سے سوچا کچھ کہا نہیں۔

''میں تمہیں آزاد کرتی ہوں اپنے ہر خواب ہر خواہش سے، محبت کو ٹھکرانے والے بھی خوش نہیں رہتے مگر میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ خوش رہو کیونکہ جب جب تم مسکراؤ گے تب تب دل آسا مسکرائے گی جب جب تم سانس لو گے تب تب دل آسا سانس لے گی کیونکہ محبت میں نے کی ہے۔'' کہتی وہ رکی مڑی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی اس کے دل میں آیا آگے بڑھے اسے روک لے تھام لے جانے نہ دے سینے سے لگا کر ہمیشہ کے لئے قید کر لے مگر وہ ہل نہ سکا آگے بڑھ نہ سکا شاید سچ مچ پانچ سال سے اس کے پیچھے بھاگتی محبت روٹھ گئی تھی کبھی بھی نہ ماننے کے لئے، وہ وہیں پہ ڈھے سا گیا شکست خوردہ سا۔

''کیا ہوا دل آسا، تم ٹھیک ہو۔'' وہ کیکر کے نیچے بیٹھی تھی، خالی ہاتھ سے اب تو کبوتروں کو ڈالنے کے لئے دانے بھی نہیں تھا کل ہی تو بھوک سے لڑتے دو کبوتر مر گئے تھے اور اب بھوکی پیاسی غم سے نڈھال کی کبوتری کیکر کے نیچے گری پڑی بھی وقت مرنے کے لئے تیار تھی۔

''وہ مر رہی ہے گلاہل۔'' ٹوٹی پھوٹی سی آواز نے اسے ساکت کیا۔

''میں کیا کروں۔'' اس کی آنکھوں میں محبتوں کے خوف سے لالی سی اتر آئی تھی، گہری سرخ خون جیسی۔

''صبر کرو میری جان۔''

''مجھ سے نہیں ہوتا صبر آخر کس کس چیز کے لئے میں صبر کروں، محبت کے لئے بھوک کے لئے یا آزادی کے لئے۔'' تڑپتی مچلتی وہ پھر سے بے قابو ہونے لگی تھی۔

''ہم آزاد نہ سہی مگر ایک وقت آئے گا جب کوئی تو آزاد ہوگا۔'' آس دلائی، امید دلائی وہی آس امید جو وہ پیدا ہوتے ہی سنتی آرہی تھی جس کا نتیجہ صفر۔

''کیا وہ ہماری شہادتوں کو سمجھیں گے ہمارا مرن شہید ہونا کہیں بیکار نہ جائے۔'' خوف بھری نظروں سے کیکر کے پاس گری کبوتری کو دیکھا۔

''ایسا نہیں ہوگا ہمارا ملک کبھی تو آزاد ہوگا پھر سب کی سوچ فرقے رسم و رواج سب کچھ

آزاد ہوگا۔"

"اور اگر وہ آزاد ہو کر بھی آزاد نہ ہوئے تو۔"

"مطلب؟" اب کے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"مطلب اگر وہ انہیں پرانی رسموں رواجوں میں قید رہے تو۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔" پھر سے آس دلائی۔

"اور اگر ہوا۔" وہ اپنی بات پہ قائم رہی۔

"آزادی صرف ان کافروں سے رہائی کا مطلب نہیں ہے آزادی تو اپنے نفس فرسودہ رسم و رواج سے آزادی کا نام ہے نا کہتے ہیں کچھ تو میں ایسی ہوتی ہیں جو آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں ہوتیں۔" ہذیانی انداز میں کہتی وہ اسے پاگل لگی، ایک پل کے لئے اسے خوف سا آیا اس کے وجود سے بھی شام ڈھلنے لگی تھی سنہری مائل سی شام ڈھلتی اسے بھی اپنے رنگ میں رنگ گئی۔

کچھ باتیں بیکار اور بے مقصد ہوتی ہیں یا ہمیں لگتی ہیں مگر در حقیقت وہ آنے والے مستقبل کا ہی عکس ہوتی ہیں گزرتے وقت نے بے بسی سے سوچا وہ جانتا تھا آج سے کئی دہائیوں بعد کا سورج بعد کیسا ہوگا۔

"اماں بی حالات تو خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔" اکبر پریشانی سے بولا گلاہل نے بے اختیار باری باری سب لوگوں کو دیکھا۔

"اللہ خیر کرے گا۔" اماں گہری سانس بھرتی بولیں۔

"جنگ کے آثار لگ رہے ہیں ہر گھر میں بھوک ناچتی کہرام سا مچا رہی ہے رودالی، بارن پور، دریا پار، مانک پور روڈ ہر طرف تباہی سی مچی ہوئی ہے۔" خاور عجیب سے انداز میں بولا پھر دل آسا کو دیکھا جو کیکر کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی بکھرے بال کپڑے وحشت زدہ چہرہ لئے وہ کیکر کے نیچے مری کبوتری کو دیکھ رہی تھی۔

"ہم شہید ہونے کے لئے تیار ہیں ہمارے تن من دھن سب کچھ دین حق پہ قربان۔" گلاہل مضبوط انداز میں بولی۔

"انشاءاللہ۔"

"پتہ نہیں دل آسا کو کیا ہو گیا ہے بکھری بکھری ٹوٹی ہوئی لگ رہی ہے نجانے ایسا کون سا دکھ ہے اس کے اندر جو اسے اندر ہی اندر مار رہا ہے۔" اماں بی کی بات پہ خاور نے بے اختیار نظریں چرائیں۔

"شاید حالات کی وجہ سے پریشان ہے۔" اکبر نے اندازہ لگایا پھر اٹھ کر اس کے پاس پنجوں کے بل جا بیٹھا، خالی خالی نظروں سے مردہ کبوتری کو دیکھتی وہ اسے بڑی اجڑی اجڑی لگی۔

"کیا ہوا دل آسا؟"

"وہ مر گئی۔" خود کلامی کی تھی جسے وہ بمشکل سن سکا۔

"وہ مری نہیں زندہ ہے۔"

"پھر اڑتی کیوں نہیں۔" خالی خالی نظروں سے اکبر کو دیکھا تو وہ بمشکل اس کی ویران نظروں کو دیکھتا ہوا بولا۔

"شہید کبھی مرتا نہیں۔"

"یہ شہید نہیں ہے اسے مارا گیا ہے۔"

"کس نے مارا اسے؟"

"بھوک نے۔" بڑبڑائی جیسے۔

"یہ جو بھوک ہوتی ہے نا یہ بڑی سخت ہوتی ہے لالہ، انسان ہو یا پرندہ اسے کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔" دھیرے سے بولی آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگتے اب رخسار بھگونے لگے تھے۔

"دل آسا روتے نہیں، زندگی میں بہت بار

ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو جاتا ہر بات برداشت سے باہر لیکن ہمیں رونے اور شور کرنے کے بجائے ان ساری چیزوں کو فیس کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، ڈرتے وہی ہیں جو لڑ نہیں سکتے اور جو لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ ڈرتے نہیں پھر زندگی چاہے جیسی بھی ہو اچھی یا بری وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں، اللہ پاک اگر ہمیں کچھ اچھا عطا کرتا ہے تو ہمیں شکر کرنا چاہیے اور جب ہماری زندگی میں کچھ برا ہو تو ہمت اور برداشت سے ہمیں اس کا سامنا کرنا چاہیے بھی ہم جی سکیں گے مرتے تو سب ہیں مصیبت کو دیکھ کر، پر جیتے کوئی کوئی ہیں۔'' اس کا سر جھکا اور اٹھ کر چلے گئے رخسار پہ بہتے آنسوؤں کو اک عزم سے صاف کرتی وہ اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف پراعتماد چلتی گئی۔

وہ بزدل نہیں تھی وہ بہادر تھی اور یہ اسے ثابت کرنا تھا کسی بھی حال کسی بھی صورت اسے جینا تھا، یہ زندگی اس کی تھی اور اسے جینے کا حق بھی اسے حاصل تھا۔

☆☆☆

''تم کھیتوں کے درمیان بنے نالے پہ کیا کر رہی تھی۔'' تندہی سے کہا وہ نظریں جھکائے ہاتھ مروڑتی بولی۔

''وہ میں بکریاں چراتی تھک کر وہیں پہ بیٹھ گئی تھی۔''

''اور نیکھیل۔''

''وہ بھی وہیں پر تھے میرے ساتھ۔''

''وہ کیا کر رہا تھا جو تھک کر وہ بھی تیرے ساتھ بیٹھ گیا۔'' اب کی بار وہ چونکی۔

''بول۔''

''وہ کچھ پوچھ رہے تھے۔''

''کیا؟'' گہری نظروں سے اسے دیکھتی سیتا تائی چونکی۔

''کیا ہوا تائی۔'' اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی نیکھیل جلدی سے انہیں ٹوک گیا۔

''تم اس کے ساتھ کیا کر رہے تھے۔''

''میں اسے ڈانٹ رہا تھا کہ آرام کرنے کے بجائے کام کرے، ہم نے اسے آرام کے لئے نہیں رکھا۔'' جلدی جلدی جھوٹ بولتے یکدم اسے مخاطب ہوا۔

''اور تم جاؤ کام کرو ہر وقت سر پہ سوار مت رہا کرو۔''

''جی!'' وہ جو جانے کے لئے پر تول رہی تھی یکدم مڑی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی، سیتا تائی نے پرتپش نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر تخت پہ بیٹھتی نیکھیل سے مخاطب ہوئی۔

''تم اس سے زیادہ بات نہ کیا۔'' کراہیت بھرے انداز میں گالی دیتی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''جی بہتر۔'' دھیرے سے کہتا وہ ان کے پیر دبانے لگا۔

''رام بھلا کرے تیرے تاؤ کا، بھگوان انہیں سورگ میں جگہ دے انہیں اس مسلی کی ماں رحمت ماسی نے ہی بے دین کیا تھا۔''

''کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔'' چونک کر سر اٹھایا وہ آہ بھرتی ہوئی بولی۔

''اپنے دین میں شامل کر لیا تھا اسے اس کی ماں نے۔''

''پھر......؟'' وہ مزید جاننے کے لئے بے قرار ہوا پان، پان دان میں تھوکتی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''پھر کیا انہیں مار دیا تیرے دادا نے۔''

''دونوں کو؟''

''ہاں نہیں تو اور کیا کو بھی ان کے ساتھ ہی

مار دیا، تو بس دور رہا کر اس سے۔"

"میں تو دور ہی رہتا ہوں۔" دھیرے سے کہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

اب کیسے کہتا کہ میں اس سے جتنا دور چلا جاؤں میرا دل و دماغ اس کے پاس ہی رہتا ہے بچپن میں وہ دونوں جب ساتھ ساتھ کھیلتے تھے اور تائی نور کو سزا کے طور پہ کڑکتی دھوپ میں ننگے پیر کھڑا کر دیتی تھی تو وہ ہی تو ہوتا تھا جو اپنا جوتا اتار کر اسے دیتا اور جب تائی رات کے وقت ڈھیرے سارے برتن نل کے سامنے پھینک کر کہتی۔

"اے نور جلدی سے دھو۔" تو تب بھی وہی تو دھوتا تھا اور نور سامنے بیٹھی موٹی سی کتاب پلو میں چھپائے پڑھتی رہتی وہ برتن دھو کر جب اس کے پاس بیٹھتا اور وہ اسے جھوم جھوم کر وہی کتاب سناتی جسے وہ قرآن مجید کہتی تھی اور وہ بے خود سا سنتے جاتا پھر رات کے پچھلے پہر جب ہر کوئی سو جاتا تو وہ اس کے کمرے میں کھڑکی سے جا کر وہ کتاب اٹھا لیتا اسے پڑھنا نہیں آتا تھا، مگر وہ چھت کے کونے میں سردی سے ٹھٹھرتا بغیر کسی گرم کپڑے کے اسے کھولے اس میں سے اللہ کو ڈھونڈتا رہتا اور صبح جب تیز بخار کے ساتھ وہ بستر پہ پڑا روتا تو سب سمجھتے کہ وہ بخار کی وجہ سے رو رہا ہے پر وہ قرآن مجید میں اللہ کے نہ ملنے کے سبب روتا رہتا اور پھر شام کو سرخ ناک لال آنکھوں کے ساتھ اس کے سر پہ کھڑا کہتا۔

"وہ تمہیں اس کتاب میں ملتا ہے مجھے کیوں نہیں۔"

وہ کہتی۔

"وہ اسے ملتا ہے جو قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھتا ہے۔"

"پھر تم مجھے بھی پڑھنا سکھاؤ نا۔" وہ منت کرتا وہ مان جاتی اور پھر روز وہ دونوں رات کو چھت کے کونے میں دبکے ٹھٹھرتی سردی کی پرواہ کیے بنا ہی قرآن پڑھتے۔

اس کا سارا بچپن ہی نور کے ارد گرد ہی گزارا تھا اور اب بھی ٹھٹھرتی سردی میں بغیر کسی گرم کپڑے کے وہ چھت پہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، رکوع میں جھکے جھکے اس کے ہاتھ کپکپائے لبوں سے تسبیحات بمشکل ادا ہو پائیں، کوئی چلتا ہوا اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا مگر اسے کچھ پتہ نہیں تھا وہ اب سجدے میں گر گر کر کہہ رہا تھا۔

"پاک ہے میرا بہت اعلیٰ رب۔" آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے جا رہے تھے، گرتے جا رہے تھے۔

سارا منظر دھندلا سا گیا، وہ ان ہی تسبیحات کو دوہرا دوہرا کر پڑھ رہا تھا۔

"انسان کو نماز نہیں توڑنی چاہیے، ایک ہی وہ حالت ہوتی ہے جس میں لوگ آپ کو دیکھ کر خود روک لیتے ہیں، انتظار کر لیتے ہیں، کسی کی جرأت نہیں ہوتی کہ آپ کو مخاطب کر سکے، کوئی آپ کو اشارہ تک کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا، کیونکہ آپ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو اتنا خوف تو ہوتا ہے نا کہ بندے اور اس کے رب کے درمیان نہ آئیں۔"

اس نے کندھے سیدھے کیے، ہاتھ گھٹنوں پہ رکھے اور التحیات پڑھنی پھر سلام پھیرا۔

"نیکھیل!" نور کی حیرت زدہ آواز ابھری اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"اوہوں، محمد عروہ۔" نام بتایا وہ اس کے کندھے پہ سر رکھے رونے لگی، بالکل بچوں کی طرح، پھوٹ پھوٹ کے، عروہ کی آنکھیں بہنے لگیں۔

وہ روئے جا رہی تھی سارے منظر دھندلا

سے گئے کہ اچانک اس نے سر اٹھایا اس کی آنکھوں میں ڈر واضح دیکھا جاسکتا تھا۔

''اگر گھر والوں کو پتہ چلا تو؟''

''تو میں شہید ہو جاؤں گا، تمہاری ماں اور اپنے تاؤ کی طرح۔'' مسکرایا وہ گھبراہٹ سے بولی۔

''مگر......؟''

''اگر مگر کچھ نہیں، مجھے تم بس مبارک دو، میں جسے ملنا چاہتا تھا آج میں نے اسے پالیا۔'' وہ بولا، ایمان اس کے ہر ہر انداز سے چھلکتا نور کو ساکت کر رہا تھا۔

''یہ دین زیست کی رانی کا جھومر اور بخت کی دیوی کا کنگن ہے اور اسے میں نے پالیا ہے بہت خوش ہوں نور بہت زیادہ۔'' خوشی سے کہا مسکراتی وہ اثبات میں سر ہلانے لگی اور رحمت خداوندی جیسے جھوم اٹھی۔

☆☆☆

''دل آسا۔'' اور اسے لگا جیسے نئی زندگی مل گئی ہو امرود کے پتوں میں چھپی ہوا نے جھوم کر دھمال ڈالا، محبت حیران رہ گئی اور وہ خود ساکت کیا برسوں بعد بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں وہ بھی اس وقت جب بندہ ہر آس ہر امید چھوڑ کر خالی ہاتھ اور دامن ہو بیٹھا ہے، وہ مڑی نہیں رخ پھیر کے کھڑی رہی چپ چاپ بنا کچھ کہے، یوں جیسے اگر کچھ کہا اور وہ چلا گیا چھوڑ کر تو پھر۔

''میں ہمیشہ ڈرتا رہا لفظ محبت سے یوں جیسے وہ محبت نہ ہو کوئی آسیب ہو جو مجھے نگل جائے گا یا پھر ایسا تاریک گھور اندھیرا جس میں اگر میں چلا گیا تو پھر کبھی بھی چاہ کر بھی واپس نہ آسکوں گا۔'' اس نے گہری سانس بھری۔

''بس اس ڈر نے مجھے تم سے دور رکھا تمہاری محبت کو جھٹلاتے جھٹلاتے پتہ ہی نہیں چلا اور میں تم پہ مرمٹا، یہ سچ ہے دل آسا، اب میرا دل کرتا ہے تم میرے سر میں مالش کرو میرے بال سنوارو اور میری لمبی مغرور سی ناک کھینچو۔'' ایک ایک لفظ کہتا قدم قدم چلتا وہ اس کے روبرو جا کھڑا ہوا اور ساکت رہ گیا، وہ رو رہی تھی آنسو آج بھی پلکوں کی باڑ پھلانگتے اس کے رخسار بھگوتے اسے مزید خوبصورت کر رہے تھے۔

''کیا تم میری خواہش پوری کرو گی۔'' دھیرے سے گھٹنوں کے بل بیٹھتے کہا وہ ویسے ہی روتی رہی روتی رہی تو اب کے وہ بے چین ہوتا اس کا ہاتھ تھام گیا۔

''کچھ تو کہو دل آسا تمہاری چپ تمہاری خاموشی مجھے تکلیف دے رہی ہے۔'' وہ تڑپا اس کی خاموشی برقرار رہی تو وہ خوف سے بولا۔

''تمہاری چپ مجھے مار رہی ہے پلیز مجھے مت مارو کچھ تو کہو۔'' اس کی تڑپ پہ وہ ہنسی، بڑی درد بھری مسکراہٹ تھی اس کی۔

''کیا ہوا خاور! میری کچھ دیر کی خاموشی سے تم تڑپ گئے اور مرنے لگے۔'' کہتی وہ تمسخرانہ ہنسی پھر رخ پھیر کر آنسو ضبط کرنے کی کوشش کی۔

''اور میں، میں نے پورے بائیس سال تمہاری خاموشی نفرت کو سہا، تمہیں ایک پل کو بھی میرا خیال نہیں کہ مجھے کتنا دکھ ہوتا ہوگا۔''

''میں مانتا ہوں کہ میں نے تمہیں بہت دکھ دیئے ہیں تکلیف دیں تمہاری محبت بار بار ٹھکرائی پر آج میں جھک گیا محبت کی دیوی کے آگے میں نے ہار مان لی دل آسا، مجھے معاف کر دو۔'' نادم اور شکست خوردہ سا انداز تھا اس کا وہ بے اختیار مڑی اسے دیکھا، کیا کچھ نہیں تھا ان نظروں میں دکھ...... درد...... تڑپ اور افسوس۔

''معافی کیسی خاور اب تو محبت کی دیوی خود

مجھ سے روٹھ گئی ہے میں اب تمہیں کیا دے سکتی ہوں۔'' تلخ ہوئی۔

''ایسے نہ کہو دل آسا، میں مانتا ہوں کہ میں نے دیر کردی پر اتنی بھی نہیں کہ تم مجھے معاف نہ کرسکو۔'' تڑپتا مچلتا وہ آج اسے محبت مانگ رہا تھا جس کی محبت ٹھکراتے ٹھکراتے اسے وہ نجانے کب کا مار چکا تھا، بن موت، بے وجہ۔

''تمہیں یاد ہے میں نے ایک بار کہا تھا، محبت کو اس وقت تک ٹھکراؤ جب تک وہ پاس رہے اگر دور ہونے لگے تو اسے خود سے دور مت ہونے دو کیونکہ اگر یہ روٹھ گئی تو تمہارے پھر لاکھ رونے پہ چیخنے پہ چلانے پہ بھی نہیں مانے گی کیونکہ محبت بڑی ضدی ہوتی ہے، یہ تو کب کی روٹھ گئی خاور، اب تو اسے میں بھی مناؤ تو تب بھی یہ نہیں مانے گی کیونکہ محبت اپنی بے عزتی کبھی برداشت نہیں کرتی نہ ہی اپنا ٹھکرایا جانا بھولتی ہے، یہ پھر انتقام لیتی ہے اس سے جو اسے ٹھکرائے یا بے عزت کرے اس کے دل میں بس کر اسے مار دیتی ہے اور مجھے دکھ ہے کہ میں تمہیں اس کی مار سے نہیں بچا سکتی۔'' رخسار پہ بکھرے آنسو صاف کرتی وہ اس تک آئی مقابل ہوئی اس کی ویران آنکھوں میں دیکھا۔

''تمہارا یہ حال صرف چند دنوں میں ہوا تو سوچو بائیس سال میں نے کیسے گزارے ہوں گے۔'' کہتی وہ مڑی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی شکست خوردہ سا وہ وہیں پہ بیٹھتا چلا گیا۔

''واقع ضروری نہیں ہے کہ ہر غلطی کے احساس ہو جانے پر معافی مل جائے بعض دفعہ بہت دیر ہو جاتی ہے اتنی کہ مرنے کے بعد بھی معافی نہیں ملتی۔''

☆☆☆

یہ آج سے کئی سو سال پہلے کی اک شام کا

منظر تھا، یہ مقام الودھیا تھا کئی صدیوں پہلے کی تہذیب کا گنگا کنارے اس شہر میں سالہا سال اکٹھے رہنے والے دو گروہ جن کی بولی رسم و رواج، پہناوا اور میلاپ زمانہ قدیم سے ایک سا نہ تھا جہاں آج بھی صوفی کے مزار پر دھاگہ بندھانے والی ہندوؤں عورتوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، ہر طرف جنگ کا سماں تھا مذہب کے نام پہ کٹ مرنا منظور تھا پر کوئی پیچھے ہٹنے کو راضی نہ تھا، جنون کے شعلے دہک اٹھے تھے مذہب کے نام پہ ایک دوسرے کا سر کاٹنے کے لئے تلواریں تیز کی جا چکی تھیں۔

اور ہر مسلمان کی آنکھوں میں وحشت تھی غصہ تھا، نفرت تھی اور دل میں جنت کی بھوک، جن میں وہ بھی شامل تھی اچھی طرح دوپٹہ لپیٹے ہاتھ میں تلوار لئے وہ ہر سامنے آتے ہندو کو دھول چاٹنے پر مجبور کرتی دل آسا تھی، آنکھوں میں وحشت لئے شہید ہونے کے لئے تیار وہ سامنے آتے ہر ہندو کو مار کر گرا دینا چاہتی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آنکھوں سے ہی ہندوں کو آگ لگا دے جو ہر مسلمان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے تبھی کسی نے اس پہ پیچھے سے وار کیا تلوار کی تیز دھار اس کے نازک جسم کو چیرتی اس کے اندر باہر آگ لگا گئی اس سے پہلے کہ وہ مڑ کر اس مارنے والے کو مارتی دوسرے وار نے اسے زمین پہ گرا دیا۔

''خاور کہتا ہے وہ دین حق کے لئے شہید ہونے کے لئے تیار ہے اور تم۔''

''میں کیا میری عزت زندگی دل جان سب کچھ دین حق کے لئے قربان۔'' اسے اپنی ہی بازگشت سنائی دی، آنکھیں بند ہونے سے پہلے اس نے نظر اٹھائیں چمکتے سورج کو دیکھا اور دعا کی۔

''اے اللہ! ہم نہ سہی آنے والی نسلوں کو آزاد فرما۔''

آنکھوں میں نفرت دل میں آگ لئے ہاتھ خالی مگر دل میں ایمان کی بھرپور طاقت لئے خاور نے آخری بار اسے مرتے دیکھا تبھی کسی نے اس پہ بھی وار کیا زمین پہ زخمی گرا وہ تھوڑے سے فاصلے پہ گری دل آسا اور اسے دور گری گلاہل کو دیکھتا سورج کی طرف نظریں اٹھائیں۔

''اے اللہ! ہماری شہادت رائیگاں نہ جائے۔'' تڑپ کے دعا مانگی تبھی دوسرے وار پہ اس کی ایک ٹانگ دور جا گری اور نجانے کتنی ہی دیر تڑپنے کے بعد دم توڑ گئی اور اس جنگ میں کئی ہزاروں مسلمانوں کے ساتھ کئی ہزار ہندو بھی مرے۔

یہ منظر تھا آج سے کئی دہائیوں پہلے کی شام کا، جہاں گلاہل، دل آسا، خاور، نور، محمد عروہ اور بھی پتہ نہیں کتنے مرے اور یہ منظر ہے آج کئی دہائیوں بعد پاکستان آزاد ہونے کے بعد کی عید۔

''کیا کروں اماں میرا تو دل ہی نہیں کرتا روزہ رکھنے کا۔'' بے زاری سے کہتی یہ تھی آزاد ملک کی آزاد پرواز نمرہ۔

''کیا کریں بیٹا مجبوری ہے اب رکھنا پڑے گا تم یوں کرو پہلا رکھ لینا باقی اللہ معاف کرے گا (استغفار)۔''

روزہ عبادت نہیں یہاں مجبوری تھا گناہ مجبوری نہیں تو ثواب مجبوری کیوں، وقت نے آج بھی سوال کیا اور جواب آج ندارد۔

''اماں مجھ سے نہیں رکھا جاتا اتنی گرمی میں روزہ۔'' کوفت سے کہتی ریموٹ اٹھا کر ٹی وی دیکھنے لگی لمحے ساکت ہوئے پھر سرگوشی کی۔

''گرمی میں ٹی وی دیکھا جا سکتا ہے اور روزہ نہیں رکھا جا سکتا کیوں؟''

جسے سنے بنا وہ انگلش مووی میں گم ہو گئی شیطان کے قہقہے بڑھنے لگے۔

''دیکھا مجھ سے آزاد تو یہ ہو ہی نہیں سکتے میں قید ہو کر بھی ان کے دلوں میں ہوں ظاہر وہاں سے میں نے خدا کو جو نکال دیا ہے۔''

زنجیروں میں قید شیطان قہقہے پہ قہقہہ لگاتا رہا، رمضان گزرتا رہا مسلمان سوتے رہے اور پھر عید کا دن بھی آ گیا۔

☆☆☆

''اچھا اماں میں عید نماز کے لئے جا رہا ہوں۔'' جگر کا ٹکڑا اکلوتا بیٹا سفید کرتے میں آ کر بولا، اماں نے بے اختیار اس کا ماتھا چوما۔

''جاؤ۔''

''ارے بھائی پھر آ کر ہم پانچوں بہنوں کو عید دینا آخر ایک ہی بھائی ہو ہمارے۔'' سفید فراک میں شہزادی بنی نمرہ نے فرمائش کی ساتھ بڑی بہن کے تین بیٹے اور بھائی عید نماز کے لئے مسجد میں چلے گئے اور پھر کچھ ہی دیر اور بریکنگ نیوز لاہور کی ایک مسجد میں دھماکہ نمازی جو عید نماز پڑھ رہے تھے سارے شہید ہو گئے۔

دھماکہ کرنے والا نہایت سنگ دل تھا جس نے نمازیوں پہ بھی رحم نہیں کیا، اور وقت نے حیرت سے دیکھا روزے کو مجبوری سمجھنے والی گرمی سے بھاگنے والی ایک بھائی اور تین بھانجوں کا جنازہ سامنے رکھے رو رہی تھی پھوٹ پھوٹ کر اور زنجیروں سے آزاد شیطان ترحم بھری نظروں سے اسے دیکھتا بولا۔

''جب انسان اللہ کی عطا کرتا فرائض روزے اور نماز کو مجبوری سمجھنے لگے تو یہ ہی ہوتا ہے اس کے ساتھ۔'' (استغفار) اور سورج رو رہا تھا بین کرتا فریاد کناں سا انصاف مانگ رہا تھا ان شہیدوں کا، جو آزادی کے لئے شہید ہوئے اور ان کے خون کا جو صرف آزادی کے لئے بہا وہ سوال کناں تھا۔

یہ کون سخی ہے جن کے لہو کی اشرفیاں چھن چھن
دھرتی کے پیہم پیاسے کشکول میں ڈھلتی جاتی ہیں
کشکول کو بھرتی جاتی ہیں یہ کون جواں ہیں ارض عجم
یہ لکھ لٹ جن کے جسموں کی بھرپور جوانی کا کندن
یوں خاک میں ریزہ ریزہ ہے یوں کوچہ کوچہ بکھرا ہے
کیوں نوچ کے ہنس ہنس پھینک دیے ان آنکھوں نے
اپنے نیلم ان ہونٹوں نے اپنے مرجان ان ہاتھوں کی بے کل
چاندی کس کام آئی کس ہاتھ لگی اے پوچھنے والے پردیسی
یہ اس نور کے نورس موتی ہیں اس آگ کی کچی کلیاں ہیں
جسے میٹھے نور اور کڑوی آگ سے ظلم کی اندھی رات
میں پھوٹا صبح بغاوت کا جگنوان جسموں کا چاندی سونا
ان چہروں کے نیلم مرجان سب ہار گئے سب ہار گئے
جو دیکھنا چاہے پردیسی پاس آئے جی بھر کر دیکھے
یہ زیست کی رانی کا جھومر یہ امن کی دیوی کا کنگن

☆☆☆

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

☆ اردو کی آخری کتاب..........
☆ خمار گندم..........
☆ دنیا گول ہے..........
☆ آوارہ گرد کی ڈائری..........
☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں..........
☆ چلتے ہو تو چین کو چلیے..........
☆ نگری نگری پھرا مسافر..........

بشریٰ سیال

"نکل جاؤ میرے گھر سے ابھی اور اسی وقت، جہنم بنا کر رکھ دیا ہے تم نے میری زندگی کو۔" لاؤنج میں اس پل ایسی گمبھیر اور جامد خاموشی چھا گئی جیسے وہاں کسی ذی روح کا نام و نشان ہی نہ تھا، اس کے لبوں پر جامد چپ کا قفل لگا ہوا تھا، جبکہ آنکھوں میں ڈھیروں حیرت و استعجاب کے ساتھ ساتھ بے یقینی ہلکورے لے رہی تھی۔

"اب تک کی زندگی میں نے تمہارے ساتھ رہ کر ضائع کر دی، پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو کوئی خوشی محسوس نہیں ہوتی۔" وہ سفاکی سے بولا۔

"جو خوشی اور سکون تم اتنے سالوں میں نے دے سکی وہ اس نے چند مہینوں میں دے دیا۔" اس نے سنجیدگی سے اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کی طرف اشارہ کیا، جس کے چہرے پر اس کی بات

ناولٹ

سے ایک مغرورتا تاثر بھرا تھا، وہ اس کی بیٹی سے شاید چند برس ہی بڑی ہوگی۔

"کون سی خوشی میں نے اس شخص سے چھینی ہے۔" خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ اسی نہج پر سوچے جا رہی تھی، وہ کیا سوچتی ہے، اس کی باتوں سے اس کے دل پر کیا گزرتی ہے، اس بات سے یکسر انجان وہ اس کے دل کی دنیا کو تہ و بالا کر رہا تھا، اس کے وجود کو مٹی میں ملا رہا تھا۔

"میرے لئے تمہیں اس گھر میں رکھنا اب ممکن نہیں رہا، اس لئے تم......" بات کو دانستہ ادھورا چھوڑ کر اس نے اپنے پہلو میں کھڑی لڑکی کو دیکھا اور نرمی سے مسکرا دیا، جواباً اس نے بھی ایک مغرور مسکراہٹ اس کی سمت اچھالی تھی، اس لڑکی کی آنکھوں میں مسرت کے جگنو ٹمٹما رہے تھے، جبکہ ان دیکھے طوفان اسے اپنے تنکا تنکا جوڑے

آشیانے کی طرف بڑھتے ہوئے محسوس ہوئے، رگ و پے میں شدید اذیت کا احساس ابھر رہا تھا، سامنے کھڑے شخص کو کھونے کا احساس ہر احساس پر حاوی ہو رہا تھا، جن راستوں پر اک عمر چلی تھی وہاں سے واپس پلٹنا مشکل ہی ہیں ناممکن بھی تھا۔

''آپ کس بات پر اتنا ناراض ہیں، یہ تو بتا دیں۔'' سر جھکائے، آواز کو پست رکھتے ہوئے دھیمے مگر شکستہ لہجے میں بولی۔

''کوئی ایک غلطی ہو تمہاری تو بتاؤں، تم میرے لئے ایک مصیبت بن کر آئی تھی اس گھر میں، ایک دن بھی چین اور سکون سے نہیں گزرا، جاؤ اب چلی جاؤ میری زندگی سے، یہ دیکھو میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔'' وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑے کھڑا تھا، چھن سے کچھ اس کے اندر ٹوٹا تھا، اس نے آہستگی سے سر اوپر اٹھا کر اس شخص کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر نفرت، بیزاری اور آنکھوں میں بھرپور اجنبیت تھی، ایک زہر آلود مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھر کر فوراً معدوم ہوگئی، وہ دو قدم آگے آئی اور اس کے ہاتھ پکڑنے لگی کہ وہ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا، اس کے پہلو میں کھڑی لڑکی استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے اب تمہاری ضرورت نہیں رہی، اس لئے میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' اس نے منہ سے یہ لفظ سن کر وہ دنگ رہ گئی تھی، کپکپاتے وجود کو گھسیٹتے ہوئے وہ بمشکل آگے بڑھی اور اس مرد کے قدموں میں گر پڑی، سر پر اوڑھی سیاہ چادر سرک گئی تھی، اس مرد نے نفرت اور حقارت سے اس کے بالوں میں جھانکتی چاندی کی تاروں کو دیکھا تھا۔

''یہ...... نہ...... کریں...... پلیز۔'' الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے منہ سے ادا ہونے لگے، وہ مشکل سے اتنا ہی بول پائی، اس کی قوت گویائی شاید سلب ہو کر رہ گئی تھی، اس کے پیروں کو تھامے وہ رحم کی بھیگ مانگ رہی تھی، مگر اس کی منت سماجت کا اس مرد پر خاطر خواہ اثر نہ ہوا، اپنے پیروں کو اس کی گرفت سے آزاد کروا کر وہ اس سے ڈیڑھ گز کے فاصلے پر جا کھڑا ہوا، دونوں ہاتھ زمین پر جمائے سر کو اوپر اٹھائے بے بسی سے اس بے رحم و بے وفا شخص کو دیکھ رہی تھی۔

''ہم لوگ پارٹی میں جا رہے ہیں، ہماری واپسی تک تم یہاں نظر نہ آؤ، کیونکہ میرا تم سے ہر تعلق ختم ہوگیا ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ اندر چل گیا، کچھ ہی دیر میں اس کی واپسی ہوئی تو ہاتھ میں خاکی رنگ کا ایک لفافہ تھام رکھا تھا، جسے لا کر اس نے سینٹرل ٹیبل پر رکھ دیا تھا، وہ سب کام کسی معمول کی طرح کر رہا تھا۔

''اب چلیں، ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' اس سارے عرصے میں خاموش کھڑی وہ لڑکی رعونت سے بولی تھی، اس مرد کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ بکھری تھی، اپنی چوڑی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی جسے تھامنے میں اس نے ایک پل بھی ضائع نہیں کیا تھا، سر کو ہلکی سی جنبش دے کر وہ اس سے چلنے کے متعلق اجازت مانگ رہا تھا، شوخ مسکان چہرے پر سجائے اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا، اس پر ایک نگاہ غلط انداز بھی ڈالنا گوارا نہ کرتے ہوئے اس لڑکی کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گیا، اس کا ہر اٹھتا قدم اسے اپنے دل پر پڑتا محسوس ہو رہا تھا، دکھ، ملال، تاسف، پچھتاوا یا کھو دینے کا احساس، کچھ بھی تو نہ تھا اس شخص کے چہرے پر، وہ تو بہت مطمئن اور شادمان تھا جیسے کسی بڑے بوجھ سے آزاد ہوگیا تھا۔

عمر بھر کی ریاضت، مان، محبت، وفا، خدمت

اور اطاعت و فرمانبرداری کا صلہ سامنے میز پر پڑا تھا، لرزتے ہاتھوں سے اس نے لفافہ چاک کیا تھا، ذہن میں آتی سوچوں کو فی الفور جھٹکتے ہوئے وہ سہمے ہوئے انداز میں ہاتھ میں تھامے کاغذ کے ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھی۔

''مجھے اب تمہاری ضرورت نہیں رہی۔''

گمبھیر آواز ان لفظوں کے پیراہن لئے ہوئے اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو ایکدم ایسا لگا جیسے وہ کسی تپتے صحرا میں ننگے پاؤں کھڑی ہے، جہاں ہر طرف ببول اگے ہوئے ہیں، اس کا احساس زیاں لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا، جبکہ آنکھوں کے جام لبالب نمکین پانیوں سے بھر گئے تھے، اس نے زخمی نظروں سے گھر کے در و دیوار کو دیکھا تھا جن سے وحشت اور حسرت ٹپک رہی تھی۔

مطلع صبح سے ابر آلود تھا، ٹھنڈی اور شوخ ہوائیں اٹھکیلیاں کر رہی تھیں، اس نے کاغذ کے وہ ٹکڑے واپس میز پر رکھ دیئے تھے، جو ہوا کے زور سے اب کمرے میں اُڑتے پھر رہے تھے۔

''یہ گھر میرا ہے، مجھے یہاں سے کوئی نہیں نکال سکتا۔'' وہ ہذیانی انداز سے چلائی تھی، اس کی ٹانگوں نے اس کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا تھا، بمشکل خود کو گھسیٹتی ہوئی وہ اپنے بیڈ روم تک آئی تھی، سامنے دیوار پر اس کی شادی کی انلارج تصویر لگی ہوئی تھی، جس میں اس کے ساتھ وہ مرد بھی کھڑا ہوا تھا، تصویر پر نظر پڑتے ہی اس کے دل پر گھونسا پڑا تھا، کب سے بے چین آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔

وہ کمرے کی ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھ رہی تھی، فرنیچر کو اپنی چادر سے صاف کر رہی تھی، آخر میں وہ اس تصویر کی جانب آئی تھی، احتیاط سے اسے اتار کر اپنی شال سے صاف کرنے لگی۔

''اس تصویر کو میں اپنے بیڈ روم کی سامنے والی دیوار پر لگاؤں گا، تاکہ ہر صبح جب میری آنکھ کھلے تو سب سے پہلے جو منظر میں دیکھوں، اس میں تم میرے ساتھ ہو۔'' اس کے کانوں میں ایک میٹھی سرگوشی ابھری، ڈبڈبائی آنکھوں سے اس نے اردگرد دیکھا، وہاں اس کے سوا کوئی نہ تھا، تیز ہوا سے کھڑکی زور سے بجی، اس کے ہاتھ کپکپائے اور تصویر گر کر ٹوٹ گئی، تاسف سے سر ہلاتے ہوئے نیچے بیٹھ کر وہ کانچ کے ٹکڑے اکٹھے کرنے لگی کہ بے خیالی میں ایک شیشہ اس کی انگشت شہادت میں چبھ گیا اور خون تیزی سے بہنے لگا، خون دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوگئی اور اٹھ کر تیزی سے باہر کی جانب بڑھی، گیٹ پر پہنچ کر اس نے مڑ کر ایک حسرت بھری نظر اس شان سے کھڑے پر شکوہ، بنگلے پر ڈالی اور ایک ٹھنڈی سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے دہلیز پار کر گئی۔

چلو تم کہہ رہے ہو تو
میں واپس لوٹ جاتی ہوں
تمہیں منزل مبارک ہو
نیا ساتھی مبارک ہو
مگر اے ہمدم دیرینہ!
مجھے اتنا تو بتلا دو
کہ واپس کس طرف جاؤں
کہاں سے ساتھ لائے تھے
مجھے اتنا تو سمجھا دو
اگر ایسا نہیں ممکن
تو مجھ کو اس طرح توڑو
کہ میں یکسر بھول جاؤں
بھٹکنے سے تو بہتر ہے
تمہارے پاس مر جاؤں

☆☆☆

''عروبہ!'' وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی جب اپنے عقب میں آواز سن کر اسے

رک جانا پڑا، دایاں پاؤں سیڑھی پر جمائے، بایاں پاؤں اوپر اٹھائے ریلنگ کو تھامے وہ گردن گھما کر انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی، اس سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ ان کے تاثرات سخت اور لہجہ نفرت آمیز ہوتا تھا، مگر اس وقت وہ سخت غصے میں دکھائی دے رہی تھیں۔

''کیا آپ یہاں تشریف لا سکتی ہیں تا کہ میں آپ سے بات کرسکوں۔'' ہمیشہ کی طرح طنز کا نشتر چھوڑتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا تھا، اس نے ایک ٹھنڈی سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے ایک خاموش نظر لاتعلق نظر آتے بابا پر ڈالی اور چلتے ہوئے ان کے سامنے آرکی، وہ نہیں جانتی تھی کہ اب کون سی خطا اس سے سرزد ہوگئی تھی اور کون سی دفعہ لگنے والی تھی۔

''پہلی بات تو یہ......'' ان کی نفرت بھری سخت آواز فضا میں بلند ہوئی تو اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا، گویا عدالت لگ چکی تھی اور وہ بغیر کسی وکیل اور گواہ کے تن تنہا کھڑی اپنا جرم سننے کی منتظر تھی۔

''چلو مجھے تو چھوڑو میں تمہاری کیا لگتی ہوں، مگر اس وقت یہاں میرے علاوہ تمہارے بابا اور عیسیٰ احمد بھی بیٹھے ہیں، کم از کم انہیں ہی سلام کردو، جیسے آئی ہو ویسے ہی منہ اٹھا کر اوپر جا رہی ہو۔'' ان کے انداز گفتگو پر اس نے جز بز ہو کر سامنے صوفے پر بیٹھے اجنبی کو دیکھا تھا جو خاموشی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا، اس سے نظریں ملتے ہی وہ نرمی سے مسکرا دیا، جبکہ اس نے گھبرا کر زاویہ نظر بدل لیا۔

''میں نے سلام کیا تھا۔'' سر جھکائے وہ آہستگی سے بولی۔

''اچھا! تو میں کیا جھوٹ بول رہی ہوں؟'' وہ غصے سے کاٹ دار لہجے میں بولیں تو اس نے جلدی سے سر اوپر اٹھایا۔

''نہیں ماما...... میرا یہ مطلب......''

''بحث ختم کرو اور یہ بتاؤ کہ ٹائم کیا ہوا ہے؟'' درشتی سے اس کی بات کاٹ کر بولیں تو اس نے ناسمجھی کے عالم میں الجھتے ہوئے کلائی پر بندھی گھڑی کے ڈائل کو دائیں ہاتھ سے پکڑا اور وقت دیکھنے لگی۔

''سوا تین۔'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''کالج میں چھٹی ہوتی ہے دو بجے اور تم گھر آ رہی ہو سوا تین، ڈرائیور بھی تمہیں لینے گیا تھا اور واپس آ کر کہہ رہا تھا کہ تم کالج میں نہیں ہو، کہاں تھی؟'' ان کے لہجے کی سختی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی۔

''بک فیئر لگا ہوا تھا، میں وہیں چلی گئی، دراصل آج آخری دن تھا، پہلے مجھے علم نہ ہوسکا تھا، تو آج اپنی دوست کے ساتھ وہاں چلی گئی تھی۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی موٹی موٹی دو کتابیں لاؤنج کی میز پر رکھیں۔

''کیا واقعی تم بک فیئر پر گئی تھی؟'' لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے ان کی سوچ تک رسائی حاصل ہوگئی تھی، اسے ہزار وولٹ کا کرنٹ چھو گیا تھا۔

''غضنفر آپ خود پوچھیں اس سے، اتنی دیر سے کیوں آئی ہے؟'' وہ مڑ کر بابا کو مخاطب کرتے ہوئے بولیں، اس نے آس بھری نظروں سے بابا کو دیکھا کہ شاید وہ اس کے حق میں کچھ بولیں۔

''بیٹا آپ کی ماما کچھ پوچھ رہی ہیں۔'' اس پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر وہ دوبارہ گود میں دھری فائل کی جانب متوجہ ہوگئے تھے، وہ شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھے گئی، اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں دکھ، ناراضگی اور بے بسی سامنے

بیٹھے احمد کو صاف دکھائی دے رہی تھی، وہ ایک جھٹکے سے مڑی اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر آ گئی، اپنے کمرے میں قدم رکھتے ہی وہ خود پر ضبط کھو بیٹھی اور جی بھر کر روئی۔

''تو یہ اوقات ہے تمہاری عروبہ غضنفر! کہ ایک اجنبی شخص کے سامنے تمہاری ذات اور کردار کو نشانہ بنایا جائے تم پر کیچڑ اچھالا جائے۔'' اپنے ہی بازوؤں میں منہ چھپائے وہ روئے چلی جا رہی تھی اور ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا بلکہ جب سے اس نے شعور کی سیڑھی پر قدم رکھا تھا یہی کچھ وہ دیکھ اور سہہ رہی تھی، رات دیر تک لکھنے اور جاگنے کی وجہ سے آنکھیں درد کر رہی تھیں اور اب رونے سے سر بھاری ہو رہا تھا، کچھ ہی دیر میں وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی۔

☆☆☆

اذان کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی، کمرے میں ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا وہ تیزی سے بیڈ سے اٹھی تو جسم میں درد کا احساس ہونے لگا، اتنی دیر تک ایک ہی پوزیشن میں سونے سے جسم میں اکڑاؤ سا محسوس ہو رہا تھا، کچھ دیر تو وہ سوچنے کے قابل نہ ہوئی، مگر رفتہ رفتہ تمام حسیات جاگنے لگیں تو دوپہر کا واقعہ بھی یاد آ گیا، دل ایک مرتبہ پھر بھرانے لگا، بے دلی سے چلتی ہوئی وہ وارڈ روب تک آئی تھی، سوٹ نکالا اور شاور لینے چلی گئی، مغرب کی نماز ادا کر کے نیچے آ گئی یہاں اسے غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوا۔

''ایک کپ چائے مجھے بھی مل سکتی ہے؟'' خیالات میں گم کچن میں کھڑی وہ اپنے لئے چائے بنا رہی تھی جب پیچھے سے عیسٰی احمد کی آواز سن کر بے ساختہ ٹھٹکی مگر اسے کوئی تاثر نہ دیا اور ہنوز اپنے کام میں مصروف رہی، آج ماما نے اسے جتنا دکھی کیا تھا وہ کسی سے بات کرنا تو دور کنار، شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی سو خاموشی سے رخ موڑے کھڑی رہی، چند پل یونہی خاموشی کی نظر ہو گئے، اس نے مڑ کر دیکھا وہ ابھی تک دروازے میں ایستادہ تھا۔

''آپ چل کر لاؤنج میں بیٹھیں، میں چائے دیتی ہوں آپ کو۔'' اس سے نظریں چراتے ہوئے وہ واپس کوکنگ رینج کے پاس آ گئی، اس کی آواز کا بھاری پن اور شدت گریہ سے سرخ آنکھوں کے سوجے ہوئے عیسٰی احمد کو سب کچھ سمجھا گئے تھے، اس نے ایک گہری متاسف نظر اس کی پشت پر ڈالی اور واپس مڑ گیا، صوفے پر بیٹھا وہ گہری سوچ میں مستغرق تھا جب اسے چائے لے کر آتا دیکھ کر وہ ایک دم سیدھا ہوا تھا، اس کے سامنے خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی وہ چائے بنانے میں مشغول تھی۔

''دوپہر میں آنٹی نے آپ سے جو کچھ کہا وہ بہت غلط تھا، انہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا، لیکن آپ......''

''شوگر کتنی لیں گے آپ؟'' سختی سے لب بھینچتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر بولی، تو وہ خاموش ہو گیا۔

''ود آؤٹ شوگر۔'' اس نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا جہاں گہری سنجیدگی رقم تھی، چائے کا کپ اسے تھما کر وہ وہاں سے نکلنے لگی۔

''آپ اپنی چائے بھی یہیں لے آئیں۔'' اسے واپس جاتا دیکھ کر وہ جھٹ سے بولا تھا، اس کے چہرے پر چھائی پژمردگی اور سوجی ہوئی آنکھوں نے اسے شرمندہ کر دیا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی آنٹی اتنی ظالم اور شکی ہیں۔

''میں اپنے روم میں پیوں گی۔'' اس کی جانب دیکھے بناء جواب دے کر وہ کچن میں آ گئی، کپ میں چائے لے کر وہ ابھی کمرے میں آئی

ہی تھی کہ دروازے پر دستک دے کر وہ اندر چلا آیا۔

''آپ!'' اسے دیکھ کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور ہاتھ میں تھاما کپ سائیڈ پر رکھ دیا۔

''آنٹی تو علیشہ اور نویلہ کے ساتھ شاید کسی پارٹی میں گئی ہیں، انکل کا بھی آفیشل ڈنر ہے وہ بھی دیر سے آئیں گے، آپ تیار ہو کر نیچے آ جائیے ہم بھی کسی اچھی سی جگہ پر ڈنر کرنے چلتے ہیں۔'' نرم لہجے میں بولتا ہوا اسے اپنائیت سے فراخہ لانہ پیش کر رہا تھا، انداز ایسا تھا جیسے ان میں صدیوں کی شناسائی ہو۔

''سوری! میں نہیں جا سکتی۔'' اس نے سہولت سے انکار کیا اور کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

''میں کوئی غیر نہیں ہوں، آنٹی کا سگا بھانجا ہوں، بے شک وہ آپ کی اسٹیپ مدر ہیں، مگر رشتہ تو آپ کا بھی مجھ سے بنتا ہے۔'' اس کے لہجے میں واضح خفگی تھی، جس کی پرواہ کیے بغیر وہ اس کے الفاظ پر غور کر رہی تھی، اسے اس کی بات بری محسوس ہوئی تھی۔

''اسٹیپ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ وہ میری مدر ہیں اور بس۔'' وہ سختی سے بولی۔

''شی از ناٹ یور مدر، یہ تو آپ بھی جانتی ہیں اور ان کا بی ہیوئیر بھی بتاتا ہے۔'' صفائی سے کہتے ہوئے اس کے تاثرات جانچنے کے لئے اس کے چہرے کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے بولا، اس کی بات پر اس نے سرعت سے سر اوپر اٹھایا تھا، اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے۔

''آئی ایم گیسٹ ان یور ہاؤس، اینڈ دس از دا پارٹ آف مینرز کہ آپ مجھے کمپنی دیں۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ سٹپٹا گیا، اس کا مقصد اس کی دلجوئی کرنا تھا نا کہ رلانا۔

''میرا آپ سے ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے کہ میں آپ کو کمپنی دوں یا آپ کے ساتھ ڈنر پر جاؤں۔'' اس کی بات نے اسے بہت ہرٹ کیا تھا، اس کی طرف سے رخ موڑے وہ روکھائی سے بولی۔

''میں نیچے آپ کا ویٹ کر رہا ہوں، کوئی ایکسکیوز نہیں چلے گا۔'' اس کے انکار کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ماحول کی کثافت کو دور کرنے کے لئے بشاشت سے بولتا ہوا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد نیچے سے ہارن بجنے کی آواز آنا شروع ہوئی تو رکنے کا نام نہ لیا، شاید وہ ہارن پر ہاتھ رکھ کر اٹھانا بھول گیا تھا، ایک تواتر سے بجتے ہارن سے تنگ آ کر وہ اٹھ کر کھڑکیوں کے پردے برابر کرنے لگی تو نظر نیچے پورچ میں کھڑی گاڑی میں بیٹھے عیسیٰ احمد سے الجھ گئی، مسلسل ہارن بجاتا وہ اسی کا منتظر تھا، اس نے کھڑکیوں پر پردے گرائے، روم لاکڈ کیا اور بیٹھ گئی، ہارن کی آواز آنا بند ہو گئی اور اس کے دو منٹ بعد ہی اس کے روم کا دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی مگر دروازہ کھولنے کی ہمت نہ ہوئی، کچھ دیر بعد خاموشی چھا گئی تو اس نے سکون کا سانس لیا، دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تھا اور اب عیسیٰ احمد کے سامنے نیچے جانے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی، بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا، تمام رات وہ سو نہ سکی۔

☆☆☆

زندگی جس موڑ پر بھی اسے لے آئی اس نے خاموشی سے اپنا سفر جاری رکھا، کسی سے کوئی شکوہ، شکایت یا حرف گلہ اس کے لبوں پر نہ آیا تھا، اس نے زندگی کو نہیں، بلکہ زندگی نے اسے گزارا تھا، اس روئے زمین پر کوئی اس کی جائے پناہ نہ

تھی اور نہ ہی ٹھکانہ، اس سفر میں وہ کل بھی تنہا تھی اور آج بھی۔

اردگرد کے ماحول سے لاتعلق وہ چلی جارہی تھی، خزاں رسیدہ پتے اس کے قدموں تلے آکر اپنی بے وقعتی پر زور سے چلائے تھے، لو کے تھپڑے اس کے چہرے سے ٹکرا کر اس کی گلابی رنگت کو اور بھی زیادہ دہکا رہے تھے، موسم کی سختی سے بے نیاز وہ اس دنیا سے دور، بہت دور چلی جا رہی تھی، خیالوں میں گم، اردگرد سے بے نیاز وہ آگے بڑھ رہی تھی، موڑ کاٹتے ہوئے وہ سامنے سے آتی منی بس سے ٹکرا گئی جو اسے کچلتی ہوئی آگے بڑھ گئی، سب کچھ اتنا آناً فاناً ہوا کہ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا، بھری دوپہر میں بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اسے ہر سو شام پھیلتی محسوس ہوئی تھی، آخری خیال جو اس کے ذہن میں ابھرا وہ تنہائی کا احساس تھا، اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

اتنی جوان موت پر ہر آنکھ پرنم تھی، خاندان بھر کے لوگ، محلے سے آنے والے اور اس کے بابا کے جاننے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، اس کے جنازے میں شرکت کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

سارا شہر اس کے جنازے میں شریک تھا وہ جو اک شخص تنہائیوں کے خوف سے مرا فروا ملنے کے قابل نہ رہی تھی، آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر میگزین کے صفحوں پر بہہ رہے تھے، اس کا دل بری طرح دکھی ہوا تھا، ناول کا اینڈ اس کی توقع کے برخلاف بہت برا ہوا تھا، سب کام چھوڑ چھاڑ کر اپنے پسندیدہ ناول کی آخری قسط پڑھنے بیٹھی تھی اور اب بری طرح اداس ہو رہی تھی، ٹیسٹ بھی اس سے تیار نہ ہو سکا، دل بے چین سا ہو گیا تھا، وہ لائیٹ آف کر کے لیٹ گئی۔

☆☆☆

صبح ناشتے کی میز پر عیسیٰ احمد کو دیکھ کر اسے سخت شرمندگی ہوئی تھی، اپنی کل شام کی حرکت یاد آکر اسے اس کے سامنے آنا عجیب سا لگ رہا تھا، ساتھ ہی ماما کی باتیں، ان کے طنزیہ جملے جو انہوں نے کل عیسیٰ احمد کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر کہے تھے۔

وہ کرسی گھسیٹ کر بہت آہستگی سے بیٹھی تھی، اس نے کسی کی طرف نہیں دیکھا تھا، مگر وہ جانتی تھی عیسیٰ احمد اسی کو دیکھ رہا ہے۔

''آج تو تمہیں کتابیں خریدنے نہیں جانا؟'' اردگرد سے بے نیاز سر جھکائے وہ خاموشی سے بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی، ماما کی بات سن کر پل بھر کو اس کے ہاتھ رکے تھے، اس نے نظریں اٹھا کر بابا کو دیکھا جو سلائس پر جیم لگا کر نویلہ کو دے رہے تھے، نادانستگی میں اس نے عیسیٰ احمد کو دیکھا، وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا، وہ دوبارہ ناشتے کی جانب متوجہ ہوگئی۔

''نہیں۔'' سنجیدگی سے جواب دے کر جوس کا خالی گلاس رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی، عیسیٰ احمد خاموشی سے یہ سب دیکھے گیا، فائل اور بیگ لیے وہ باہر کی جانب بڑھی جہاں ڈرائیور اس کا منتظر تھا، عیسیٰ احمد کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

''میرے عزیزو تمام دکھ ہے۔'' گود میں رکھی فائل پر انگشت شہادت پھیرتے ہوئے وہ گہری سنجیدگی سے بولی، وہ دونوں اس وقت کالج کے نسبتاً سنسان گوشے میں بیٹھی تھیں، ان کے سامنے میز پر برگر، کولڈ ڈرنک، اور آئسکریم پڑی تھی مگر ان دونوں نے کسی چیز کو چھوا تک نہ تھا۔

''ٹھیک ہی تو کہتا تھا۔'' اس نے سامنے سفیدے کے درخت کی شاخوں پر بیٹھے کوے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''عروبہ غضنفر ہم گوتم بدھ کے ماننے والے نہیں ہیں، We are not his followers۔'' فروا نے اس کی بات سے اختلاف کیا۔

''But i am agree with him۔'' کوے نے ہلکے سے پر پھڑ پھڑائے تھے۔

''زندگی میں اگر غم آتے ہیں تو خوشیاں بھی ساتھ ہوتی ہیں، پھر اگر غموں پر ہی آنسو بہاتے رہیں تو یہ کہاں کی انسانیت ہے۔'' اس نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

''You are a very realistic girl, but sometime i feel that you are living in a world of fontacy۔'' فروا کی بات سن کر بھی اس کے چہرے پر ٹھہرے سکون میں کچھ خاص فرق نہ آیا تھا، پل بھر کو پلکیں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا اور وہ اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں اترنے لگی۔

''تم بہت مشکل ہو یار۔'' فروا نے تھک کر گویا اعتراف کیا۔

''لوگوں کے الفاظ اتنا اثر نہیں کرتے جو کچھ لمحوں میں تمہاری آنکھیں کہہ جاتی ہیں۔'' کوے کے چونچیں مارنے سے کچھ پتے گرے تھے۔

''ہاہ......'' اس نے ایک ٹھنڈی سانس فضا کے سپرد کی تھی اور پلکوں کی چلمن گرالی، فروا بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''میں ہمیشہ سب کو مشکل اور نا قابل قبول لگی ہوں، میں شاشد ریاضی کے اس سوال کی طرح نا قابل فہم ہوں جسے چوائس پر ایکسٹرا سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہے، ایک دن تم بھی چھوڑ دو گی۔'' فروا تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے سامنے آبیٹھی، اس کا رخ موڑ کر اپنی جانب کیا۔

''کائیں...... کائیں۔'' کوے نے ان کے سروں پر ایک غوطہ لگایا اور دوسرے درخت پر جا بیٹھا۔

''ایسا کبھی دوبارہ سوچنا بھی مت، تم میری best friend ہو بہت امپورٹنٹ ہو میرے لئے۔'' اپنے بازو اس کے شانوں کے گرد پھیلا کر بولی تو اسے ڈھیروں طمانیت کا احساس ہوا۔

''اور پھر اتنی اچھی رائٹر سے دوستی تو ہمارے لئے اعزاز کی بات ہے یار!'' وہ بشاشت سے بولی تو عروبہ غضنفر بھی مسکرا دی۔

''تھینکس فروا! اگر تم میری زندگی میں نہ ہوتی تو......'' دانستہ بات کو ادھورا چھوڑ کر وہ ایک مرتبہ پھر کوے کو دیکھنے لگی تھی جو ان کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا تھا، فروا نے گہری نظروں سے اس کے تھکے تھکے وجود کو دیکھا تھا۔

''کبھی کبھی تم جو یہ ادھوری باتیں کرتی ہو نہ یہ الجھا کر رکھ دیتی ہیں یار...... ادھوری باتیں بھی ادھوری محبت کی طرح ہوتی ہیں، بہت درد دیتی ہیں، الجھاتی ہیں، رات کے آخری پہروں میں بے چین کرتی ہیں، ادھوری باتیں مت کیا کرو۔'' کوا ان کی میز کے اوپر سے گزرا۔

''بدتمیز۔'' فروا نے فائل لہرائی تو وہ اڑ گیا۔

''کب سے تاک میں تھا۔'' وہ حقارت سے بولی تھی۔

''لینے دیتی، کتنا کھا لیتا؟'' عروبہ غضنفر نے درخت کی شاخ پر خفا بیٹھے کوے کو دیکھا۔

''یار سارا خراب کر دیتا۔'' اسے عروبہ کی

بات سے اچنبھا ہوا۔

''مجھے کوے بے پسند ہیں۔'' اس کی بات پر فروا کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

''واٹ؟'' وہ تیزی سے سیدھی ہوئی، کوا کائیں کائیں کر کے احتجاج کر رہا تھا۔

''ہاں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''سب ان سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے فروا کو دیکھا۔

''کیونکہ یہ کھانے کی چیزوں کو خراب کر دیتے ہیں۔'' فروا نے جھٹ کہا۔

''کیا انسان، انسان سے کچھ نہیں چھینتا، انہیں تو اللہ نے عقل نہیں دی، انسانوں کو تو عقل، شعور سب دیا ہے، پھر بھی۔'' وہ کوؤں کی حمایت میں بولنے لگی۔

''یار باقی تو پتا نہیں یہ جو جاتے جاتے کپڑوں پر بیٹ کر کے خراب کر جاتے ہیں نا تو وہ بہت برا لگتا ہے۔'' وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''وہ صاف ہو جاتی ہے، مگر جو انسان دوسرے انسان کے کردار پر کیچڑ اچھالتا ہے نا وہ کبھی صاف نہیں ہوتا۔'' فروا لمحہ بھر کو خاموش رہ گئی۔

''حد ہے ویسے یار۔'' وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

''کوؤں کو پسند کرنے کی فروا ایک وجہ اور بھی ہے۔'' اس نے برگر اٹھا کر تھوڑا سا پیس اتار کر پھینکا، کوا اڑ کر آیا اور اسے اپنی چونچ میں دبا کر درخت کے اوپر سے ہوتا ہوا انجانے دیس کی سمت پرواز کر گیا۔

''اچھا وہ کیا وجہ ہے؟'' وہ دلچسپی لیتے ہوئے بولی۔

''ہر ایک ان سے نفرت کرتا ہے، فروا کبوتر، مینا اور طوطا کو تو سبھی پسند کرتے ہیں، بات تو تب ہے نا جب کوئی ان کوؤں کو پسند کرے۔'' اس نے پل بھر کو توقف کیا۔

''اور میں فروا۔'' اس نے انگلی سے اپنی جانب اشارہ کیا۔

''ہر اس انسان، جانور، پرندے اور چیز کو اوون کرتی ہوں جسے ساری دنیا ڈس اوون کرے۔'' اس نے برگر کا ایک bite لیا۔

''اچھی بات ہے۔'' فروا کو اس بدصورت اور بھونڈی آواز والے پرندے اور اس کے ذکر سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس نے برگر اٹھا لیا اور کھانے لگی۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا اور سب لوگ لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے، اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی وہ بغور اس منظر کو دیکھ رہی تھی، عیسیٰ احمد علیشہ اور نویلہ کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا، بابا دائیں ہاتھ میں چائے کا کپ تھامے، بائیں ہاتھ میں پکڑے اخبار سے نظریں اٹھا کر گاہے بگاہے ماما کی جانب دیکھ لیتے تھے، وہ غالباً انہیں کوئی اہم بات بتانا چاہ رہی تھیں اور ان کے پوری طرح اپنی جانب متوجہ نہ ہونے پر جھنجھلاہٹ کا شکار ہو کر غصے سے اخبار کو گھور رہی تھیں، دراز قامت، گندمی رنگت والے چہرے پر کھڑی خوبصورت ستواں ناک، کشادہ پیشانی اور کنپٹیوں سے جھانکتے سفید بال ان کی شخصیت کو جاذب نظر بنا رہے تھے، ان کی شخصیت سے ایک انوکھا رعب اور وقار چھلکتا تھا، ان کو دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی، وہ بے خیالی میں انہیں دیکھے گئی، اچانک انہوں نے سر اوپر اٹھایا تو کمرے کی کھڑکی میں وہ کھڑی نظر آئی، ایک سرسری نظر اس پر ڈال کر وہ ماما کی جانب متوجہ ہو گئے، ان سے ایک پل میں نظر ملتے

ہی اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی، کھڑکی کے پٹ بند کر کے وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

''آئی لو یو بابا......لو یو سو مچ۔'' وہ ان سے کتنی محبت کرتی تھی یہ تو وہ انہیں کبھی بتا ہی نہیں سکتی تھی۔

وہ کتابیں لے کر بیٹھ گئی، مگر لاشعوری طور پر وہ منتظر رہی کہ بابا اسے بھی چائے پر بلائیں گے، مگر اس کا انتظار لاحاصل ہی رہا، کتابوں سے دل اچاٹ ہونے لگا تو انہیں رکھ کر وہ نیچے لان میں آ گئی، عیسیٰ احمد نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی اور دوبارہ علیشہ اور نویلہ کی جانب متوجہ ہو گیا، مگر اس کی ہر آنکھوں سے جھانکتی خفگی عروبہ غضنفر سے مخفی نہ تھی۔

''او کے آنٹی ہم چلتے ہیں، ایسا نہ ہو بارش شروع ہو جائے اور یہ دونوں تو مجھے بخشنے کے موڈ میں نہیں ہیں۔'' ٹیبل سے اپنا موبائل اور والٹ اٹھاتے ہوئے اس نے ایک نظر آسمان پر ڈالی اور آنٹی سے مخاطب ہوا۔

''عروبہ تم بھی چلو نا ہمارے ساتھ۔'' نویلہ کے کہنے پر اس نے عیسیٰ احمد کو دیکھا جو علیشہ کی کسی بات پر مسکراتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی گاڑی کی چابی کو لاپرواہی سے گھما رہا تھا۔

''میرا موڈ نہیں ہے۔'' اس کے انکار کرنے پر عیسیٰ احمد نے فوراً اس کی طرف دیکھا تھا۔

''عروبہ بیٹا کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟'' ملازمہ اس کے لئے چائے لے آئی تھی، وہ خاموشی سے سپ لے رہی تھی جب بابا نے پل بھر کو اخبار سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا، دل میں امنڈتی ہزاروں خواہشوں کا سر کچلتی ہوئی وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں بابا۔'' اس کا شدت سے جی چاہا کہ کہہ دے۔

''بابا مجھے بہت کچھ چاہیے، آپ کا پیار، محبت، اپنائیت اور بہت کچھ۔'' مگر ہمیشہ کی طرح زبان کو چپ کا قفل لگائے بیٹھی رہی، کیونکہ اسے انسانوں سے مانگنا نہیں آتا تھا۔

☆☆☆

کالج کی چھٹی کو آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا، ڈرائیور اسے لینے نہیں آیا تھا۔

''ماما پھر سے خفا ہوں گی۔'' پریشانی کے ساتھ ساتھ اب اسے گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی، وقت جیسے جیسے گزر رہا تھا اس کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا، تین بج چکے تھے، کالج میں رہ جانے والی وہ آخری لڑکی تھی، اب تو اسے گیٹ پر کھڑے بڑی توند اور خوفناک مونچھوں والے گارڈ سے بھی ڈر لگ رہا تھا، قریب تھا کہ وہ رو دیتی کہ باہر سے گاڑی کے ہارن کی آواز آئی، وہ بھاگ کر گیٹ سے باہر نکلی تو نظریں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے عیسیٰ احمد سے ٹکرائیں۔

''ڈرائیور کہاں ہے؟ مجھے اب تک لینے کیوں نہیں آیا؟ سارا کالج خالی ہو چکا ہے، میں اکیلی بیٹھی کب سے انتظار کر رہی ہوں۔'' کھڑکی میں جھکی وہ تیز تیز بول رہی تھی، جواب دینے کی بجائے اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا، جبکہ وہ پچھلا دروازہ کھول رہی تھی۔

''آگے آ کر بیٹھیں، میں ڈرائیور نہیں ہوں آپ کا۔'' اس کے سرد اور سپاٹ انداز میں کہنے پر وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہوتی کچھ ہی دیر میں اس کے ساتھ بیٹھ گئی، وہ نہایت خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا، چہرے کے تاثرات بھی خطرناک حد تک سنجیدہ تھے۔

''آپ خفا ہیں مجھ سے؟'' گاڑی کی خاموش فضا میں اس کی آواز ابھری تو عیسیٰ احمد نے ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر ایک خاموش مگر

کاٹ دار نظر اس کی سمت اچھالی۔

''ایسا کوئی رشتہ ہے ہمارے بیچ جس میں روٹھا یا منایا جائے؟'' اس کی بات اس کو واپس لوٹائی تو اسے ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا، اس کی جانب سے رخ موڑے وہ کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر کو دیکھنے لگی، عیسیٰ احمد کو اپنے الفاظ کو بدصورتی اور سختی پر افسوس ہونے لگا، ایک بے کلی تھی جو کل سے اس کے پورے وجود کو گھیرے ہوئے تھی اور اب اس میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

''مجھے افسوس ہوا کہ آپ روم لاکڈ کر کے بیٹھ گئیں، مجھ پر اعتبار نہیں کیا، میں زبردستی تو آپ کو ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا نا۔'' وہ اپنے کل کے اور ابھی کے رویے کی وضاحت دے رہا تھا، عروبہ غضنفر نے گردن گھما کر اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

''ایسی بات نہیں ہے، لیکن اگر میں آپ کے ساتھ جاتی تو ماما خفا ہو جائیں مجھ سے۔'' احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے عیسیٰ احمد نے اس کے چہرے کو نظروں کے حصار میں لیا۔

''خوش تو وہ آپ سے کبھی بھی نہیں ہوں گی، میں لکھ کر دے سکتا ہوں۔'' ان کے ہاں قیام کے دوران نہ صرف آنٹی بلکہ انکل علیشہ اور نویلہ کا رویہ بھی اس کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔

''مگر ایسے زیادہ خفا ہوتیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''آپ ان کی اتنی پرواہ مت کیا کریں۔'' اس نے سمجھانا چاہا۔

''اس سے میں خود کو روک نہیں سکتی، کیونکہ میں محبت کرتی ہوں ان سے۔'' اس کی بات پر عیسیٰ احمد کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

''اپنے پیاروں سے تو سبھی پیار کرتے ہیں، محبت کے جواب میں تو سبھی محبت دے سکتے ہیں، اصل محبت تو یہ ہے کہ انسان نفرت کے جواب میں محبت دے اور پھر یکطرفہ محبت کا بھی اپنا ہی مزا ہے۔'' وہ ہمہ تن گوش تھا۔

''مگر اس یکطرفہ محبت سے آپ کو کیا فائدہ ملے گا؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''محبت میں فائدے کا سوال کہاں سے آ گیا۔'' اس نے نظریں پھیر کر حیرت سے اسے دیکھا۔

''یہ تو بس دینے اور دیتے چلے جانے کا نام ہے، یہ کوئی بزنس نہیں ہے کہ جہاں سے زیادہ فائدہ حاصل ہونے کی امید ہو وہاں کی جائے، یہ تو ہر رشتے میں موجود ہونی چاہیے، بغیر کسی غرض اور مقصد کے، جہاں مقابل سے کوئی توقع رکھی جائے وہ کاروبار ہوتا ہے اور میں اپنے گھر کے لوگوں سے محبت کرتی ہوں، کاروبار سے نہیں۔'' اس نے تفصیلاً اپنا نکتہ نظر بیان کیا۔

''محبت کے متعلق آپ کی تھیوری مجھے پسند آئی، usually ایسی محبت لوگ کرتے نہیں ہیں، give and take کا اصول لاگو ہونے لگا ہے اب جذبوں میں بھی، میرا پرسنل خیال بھی یہی ہے جہاں سے آپ کو پیار اور عزت نہیں ملتا وہاں ٹائم ضائع نہ کریں، ویسے آپ کافی مختلف ہیں اپنے باقی گھر والوں سے۔'' اس نے اچانک کہا۔

''مختلف یا مشکل؟'' پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے وہ بولی تھی۔

''جتنی مشکل آپ دکھائی دیتی ہیں، اتنی ہیں نہیں۔'' اس کے لہجے میں اٹل یقین بول رہا تھا اور یہی یقین اس کی آنکھوں سے بھی چھلک رہا تھا، اس کے اتنے وثوق سے اپنے متعلق رائے

قائم کرنے پر چند ثانیے وہ حیرت سے لب نیم وا لئے اسے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی، عیسیٰ احمد بھی خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

''فروا!'' وہ کسلمندی سے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی جب امی نے اسے آواز دی، مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''فروا طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ اس کے پاس بیٹھ کر محبت سے اس کے بال سنوارنے لگیں۔

''آج کالج نہیں جانا؟'' انہوں نے اس کی پیشانی کو چھوتے ہوئے استفسار کیا۔

''نہیں۔'' اس نے آنکھیں کھول کر ان کے متفکر چہرے کو دیکھا اور مسکرادی۔

''عروبہ نے بھی آج نہیں آنا تھا، میرا بھی موڈ نہیں ہے۔''

''اچھا، چلو اٹھ جاؤ میں ناشتہ بنا دوں تمہارے لئے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''امی آج بازار چلیں۔'' بیڈ سے اتر کر اس نے سلیپر پاؤں میں پہنتے ہوئے کہا۔

''ابھی نہیں فروا۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔

''ابھی پیسے نہیں ہیں، دو ماہ کا مکان کا کرایہ بھی رہتا ہے، اس مہینے مالک مکان نے ہمیں نوٹس بھجوا دینا ہے۔'' انہوں نے وضاحت کی، اس نے کوئی جواب نہ دیا اور کمرے سے نکل گئی، ہمیشہ اس کی خواہشوں کے سامنے امی کی مجبوریوں کی لمبی لسٹ ہوتی تھی۔

☆☆☆

چھوٹے چچا کے بیٹے شاہ زیب کی شادی تھی، ان سب کو آج وہاں جانا تھا، عروبہ غضنفر نے بھی ماما کے کہنے پر کالج سے چھٹی کی تھی، وہ صبح سے ماما، علیشہ اور نویلہ کے ڈریسز پریس کر رہی تھی۔

''ہم لوگ ابھی جا رہی ہیں، تم رات کو اپنے باپ کے ساتھ آ جانا۔'' لاؤنج میں اس وقت ان چاروں کے علاوہ عیسیٰ احمد بھی تھا، وہ خاموشی سے عروبہ غضنفر کو دیکھے گیا۔

''جی بہتر۔'' اس نے سعادتمندی سے سر ہلایا، عیسیٰ احمد کو بہت برا محسوس ہوا تھا اسے اس طرح چھوڑ کر جاتا مگر وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

شاہ زیب کے گھر میں ان کا پرتپاک استقبال کیا گیا تھا، ماما ہر ایک سے اس کا تعارف بڑے فخریہ انداز میں کروا رہی تھیں۔

''یہ عیسیٰ احمد ہے، میرا بھانجا، پچھلے دنوں فرانس سے آیا ہے، وہاں کی Nationallty ہے اس کے پاس۔'' وہ ہر ایک کو بتا رہی تھیں، سارا گھر خوب سجایا گیا تھا، لان برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا، لان کے وسط میں بنے فوارے کے پانی پر جب روشنیاں پڑتی تو ایسا محسوس ہوتا جیسے اس میں سے ہیرے اور جواہرات پھوٹ رہے ہوں۔

''بور ہو رہے ہیں آپ؟'' وہ الگ تھلگ بیٹھا اپنی سوچوں میں گم تھا جب نسوانی آواز سن کر چونک اٹھا۔

''آں...... ہاں...... نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اسے کہتے ہی بنی۔

''اندر آ جائیں ناں۔'' وہ لڑکی بہت اپنائیت سے بولی۔

''میں یہاں ٹھیک ہوں۔'' اس نے موبائل نکال کر کان سے لگا لیا جس کا مطلب تھا مزید بات نہیں کرنا چاہتا، وہ لڑکی مایوس ہو کر واپس پلٹ گئی۔

پاکستان میں وہ پہلی مرتبہ کوئی فنکشن اٹینڈ کر رہا تھا، اس کی پیدائش فرانس میں ہوئی اور

اس کے بعد بھی وہ کبھی پاکستان نہیں آیا تھا، لان میں رونق آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی، رنگ برنگے آنچل لہرا رہے تھے، مرد حضرات بھی فیشن اور تیاری میں خواتین سے پیچھے نہ تھے۔

''انکل آ گئے۔'' انہیں آتے دیکھ کر وہ بے اختیار اٹھ کر کھڑا ہو گیا، مگر اسے حیرت کے ساتھ ساتھ دکھ بھی ہوا، عروبہ غضنفر ان کے ساتھ نہیں تھی۔

''کاش آپ کو اندازہ ہو کہ آپ اپنی سگی بیٹی کے ساتھ کتنا غلط کر رہے ہیں۔'' وہ تاسف سے سر ہلانے لگا۔

''پاپا!'' نویلہ ان کو دیکھ کر دوڑی آئی۔

''ارے میرا بیٹا۔'' انہوں نے اسے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟'' ان سے الگ ہو کر دونوں بازو اٹھا کر تعریف سننے کی منتظر تھی۔

''پرنسس۔'' وہ پدرانہ شفقت سے بولے، نویلہ بہت خوش نظر آ رہی تھی، عیسیٰ احمد کا دل اداس ہونے لگا۔

''اس خوشی پر تمہارا بھی تو حق ہے عروبہ غضنفر۔'' وہ اسی نہج پر سوچے جا رہا تھا، وہ اٹھ کر ان کے قریب آیا۔

''کیسا لگ رہا ہے یہ سب ینگ مین؟'' وہ دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ مار کر دریافت کرنے لگے۔

''گڈ۔'' وہ بدوقت تمام مسکرایا، وہ آگے بڑھ گئے، عیسیٰ احمد وہیں کھڑا ان کی پشت کو گھورتا رہا۔

سب خوش اور شاداں تھے، مگر ایک بے کلی اسے اپنے دل میں محسوس ہو رہی تھی، اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، اسٹیج پر رش بڑھ رہا تھا، وہ باہر کی جانب بڑھا، کچھ ہی دیر میں گاڑی کا رخ غضنفر ولا کی طرف تھا، وہ بہت رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

☆☆☆

''بابا مجھے شام تک لینے آئیں گے، جب تک میں ضروری تیاری کر لوں۔'' وہ اپنے بیڈ روم میں آ گئی، اپنا ڈریس تیار کر کے وہ شاور لینے چلی گئی۔

''میرا خیال ہے ایک کپ چائے پی لی جائے۔'' اسے تھکن محسوس ہو رہی تھی، کچن میں آ گئی، بابا کے آنے کا وقت ابھی نہیں ہوا تھا، اس نے کچن میں ہی چیئر پر بیٹھ کر چائے پی اور اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔

سات بجے تک وہ تیار ہو چکی تھی، اسے نیند کے جھونکے آ رہے تھے، بابا کا انتظار کرتے کرتے وہ تھک گئی تو لیٹ گئی، اسے پتا ہی نہ چلا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔

''عروبہ!'' نیند میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اسے پکار رہا ہے، اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے سامنے عیسیٰ احمد کو دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''آپ، یہاں؟'' وہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی، جبکہ عیسیٰ احمد کو اس کے چہرے پر پھیلتے ناگوار تاثرات واضح نظر آ رہے تھے۔

''اٹھ جائیں، میں آپ کو لینے آیا ہوں۔'' وہ بہت آرام سے صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

''بابا کہاں ہیں؟'' وہ منہ دھو کر آ گئی تھی اور اب سر پر اوڑھے سٹولر کو سیفٹی پنوں کی مدد سے سیٹ کر رہی تھی۔

''وہ ادھر آپ کے چچا کے گھر......'' وہ اس کی بات پر تیزی سے مڑی تھی۔

''انہوں نے ہی مجھے آپ کو لینے بھیجا ہے۔'' اس نے جھوٹ بولا، مبادا وہ ساتھ جانے

سے انکار نہ کر دے، اس نے دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلا لیا تھا، عیسیٰ احمد اسے بے خیالی میں دیکھے گیا۔
''چلیں۔'' وہ مڑی تو اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر ٹھٹکی اور اگلے لمحے سر جھٹک کر باہر کی جانب بڑھی۔
''وہ میک اپ نہیں کرنا تھا آپ نے؟'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کے دھلے دھلائے شفاف چہرے کو دیکھنے لگا۔
''مجھے پسند نہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
گیٹ سے اندر داخل ہوئے تو سامنے ہی اسے بابا نظر آ گئے، اس نے جا کر انہیں سلام کیا۔
''اوہ! بیٹا آپ اب آئی ہیں؟'' ان کے سوال پر عروبہ نے شکوہ کناں نظروں سے عیسیٰ احمد کو دیکھا تھا۔
''کس کے ساتھ آئی ہو؟''
''عیسیٰ کے ساتھ۔'' انہیں جواب دے کر وہ بے دلی سے آگے بڑھی تھی، ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کا موڈ آف ہو چکا تھا، اس کے وہاں آنے یا نا آنے سے کسی کو فرق نہیں پڑتا تھا، اس کا دل اچاٹ ہونے لگا تھا، اس شور شرابے سے اسے وحشت ہونے لگی تھی، اسٹیج پر دولہا اور دلہن کو بٹھایا گیا تھا، مہندی لگانے کی رسم ادا ہو رہی تھی، آرکسٹرا پر میوزک بج رہا تھا۔
''یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟'' وہ اپنے خیالوں میں گم بیٹھی تھی کہ عیسیٰ احمد کے پاس آ کر گویا ہوا۔
''ہیلو محترمہ، میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔'' اس نے عروبہ کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی۔
''آپ کو غلط بیانی نہیں کرنی چاہیے تھی، میرا تو ویسے ہی آنے کا موڈ نہیں تھا، اگر مجھے اندازہ ہوتا......'' اس کی آواز بھرا گئی، سر جھکائے وہ لب کاٹنے لگی۔
''عروبہ!'' عیسیٰ احمد بے چین ہوا تھا۔
''میری بات سنیں۔'' وہ آگے کو جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا، عروبہ کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں۔
''جو لوگ آپ کی پرواہ نہیں کرتے ان سے محبت کرنا چھوڑ دیں۔'' لوہا گرم دیکھ کر اس نے چوٹ لگانے کی کوشش کی۔
''بلکہ میں تو کہوں گا کوئی اچھا سا پرپوزل آئے تو شادی کر لیں۔'' اس نے مشورہ دے ڈالا۔
''کیا؟'' وہ حیرت و استعجاب سے اس کو گھورے گئی۔
''ہاں نا، اس قید تنہائی سے تو نجات ملے گی آپ کو۔'' درحقیقت عیسیٰ احمد کا دل اس کی تنہائی اور دکھ پر کٹنے لگا تھا۔
''والدین کا گھر تو ایک لڑکی کی سلطنت ہوتا ہے، میں کیسے اسے خود سے چھوڑ دوں۔'' وہ بھیگے لہجے میں بولی۔
''اس سلطنت میں آپ کی حیثیت ایک غلام کی سی ہے، آپ یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں۔'' کہنے سے وہ خود کو باز نہ رکھ سکا۔
''مجھے اسی غلامی سے پیار ہے۔''
''آپ کو پتا ہے والٹیئر کہتا ہے کہ۔''
''ان بے وقوفوں کو آزاد کرانا مشکل ہے جو اپنی زنجیروں کی عزت کرتے ہیں۔'' اس کی بات پر وہ ہولے سے مسکرا دی۔
''تو آپ مجھے بے وقوف کہہ رہے ہیں۔''
اس نے خود کو سنبھال لیا تھا اور اب بظاہر نارمل نظر آ رہی تھی۔
''نہیں، مگر آپ کو سمجھداری سے کام لینا ہو

گا، آنٹی اور ان کی بیٹیاں آپ کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔" وہ اسے واضح الفاظ میں سمجھا رہا تھا، ماما نے دور سے ان دونوں کو ساتھ بیٹھے دیکھ کر عیسیٰ احمد کو آواز دی، عروبہ نے بھی سکھ کا سانس لیا، وہ وہاں سے اٹھی تو سامنے سے آتی لڑکی سے ٹکرا گئی۔

"اوہ سوری۔" اس کے ہاتھ میں پکڑی سبز چائے عروبہ کے سفید دوپٹے پر نشان چھوڑ گئی۔

"اٹس اوکے۔" وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھی، اس بات سے قطعاً انجان کے دو آنکھیں بہت دیر سے اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔

"سی!" دوپٹہ دھو کر باہر نکلی تو سامنے سے آتے وجود سے بری طرح ٹکرا گئی، کاریڈور میں گھپ اندھیرا تھا اور لائیٹ بھی آف تھی، اسے لگا جیسے وہ کسی چٹان سے ٹکرائی ہو۔

"آئی ایم سوری۔" وہ شائستگی سے بولا، جبکہ وہ اپنا سر سہلا رہی تھی۔

"آپ اچانک سامنے آئی ہیں۔" اچانک لائٹس آن ہوئیں تھیں، سفید فراک میں سر پر اوڑھے سبز شالر اور شانے پر لہراتے سفید دوپٹے میں وہ کسی منہ بند کلی کی مانند دکھائی دے رہی تھی، فارقلیط حسن اسے دیکھے گیا۔

"اٹس اوکے۔" وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھی۔

"سنیں۔" اس کی محویت ٹوٹی، تیزی سے اس کے راستے میں آیا، عروبہ نے نظریں اٹھائیں، اسے بیباکی سے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ واپس مڑی تھی۔

"میں نے کہا میری بات سنو؟" اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا، عروبہ کے جسم میں گویا کرنٹ دوڑ گیا۔

''ہاتھ چھوڑیں میرا۔'' وہ خوفزدہ ہرنی کی مانند دکھائی دے رہی تھی، عورت کا یہ روپ فارقلیط کے لئے بالکل نیا اور انوکھا تھا، وہ دلچسپی سے اسے دیکھے گیا۔

''میں شور مچا دوں گی۔'' وہ روہانسی ہوئی، اپنے تئیں اس نے بہت بڑی دھمکی دی تھی۔

''رئیلی؟'' وہ تمسخر اڑا رہا تھا۔

''آج تک بہت لڑکیوں سے افیئر چلایا مگر کبھی کسی نے شور مچا کر لوگوں کو اکٹھا نہیں کیا، آج اس کا بھی مزہ دیکھ لیتے ہیں۔'' اس کے سکون میں ذرا فرق نہ آیا۔

''کیا چاہتے ہیں؟'' وہ رو دی۔

''اپنا نام بتاؤ۔'' وہ تحکم بھرے لہجے میں عجلت سے بولا۔

''ماہ جبیں۔'' وہ مسکرا دیا۔

''فون نمبر بتاؤ جلدی۔'' وہ اپنا ہاتھ چھڑوانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، مگر اس کے آہنی ہاتھوں کی گرفت میں ننھی چڑیا کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ گئی، اس نے جلدی جلدی نمبر بولا، کوٹ کی جیب سے موبائل نکال کر اس نے نمبر سیو کیا۔

''جاؤ۔'' فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''عیسٰی...... مم...... مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ گھبرائی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔

''آپ مجھے ڈراپ کر سکتے ہیں؟'' اس کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔

''خیریت؟'' وہ پریشان ہوا۔

''پلیز نو کوئسچن۔'' وہ باہر کی جانب بڑھا، اس کے بیٹھتے ہی وہ گھوم کر دوسری طرف آیا اور گاڑی چلا دی۔

''کسی نے کچھ کہا؟'' وہ نرمی سے بولا، اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔

''یہ لیں۔'' عیسٰی نے ٹشو اس کی طرف بڑھایا، جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا۔

''آپ واپس چلے جائیں۔'' گاڑی گھر کے سامنے پہنچی تو اس نے عیسٰی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور کسی کو مت بتایئے گا کہ مجھے آپ نے ڈراپ کیا ہے۔'' وہ نیچے اترنے لگی تو اسے تاکید کی۔

''آپ کو اس طرح چھوڑ کر میں نہیں جا سکتا۔'' اس نے انکار کیا۔

''یہ مناسب نہیں ہے، پلیز آپ جائیں۔'' وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، وہ اسے دیکھے گیا، چند ثانیے شش وپنج میں مبتلا وہیں کھڑا رہا۔

☆☆☆

''عدیل میرا گریجویشن مکمل ہونے تک ماما کبھی نہیں مانیں گی، ان فیکٹ عروبہ کی شادی بابا پہلے کریں گے، آفٹر آل وہ میری بڑی بہن ہے۔'' علیشہ بڑے ماموں کے بیٹے عدیل کو پسند کرتی تھی، وہ بھی اسے چاہتا تھا، عدیل پر گھر والے شادی کے لئے زور ڈال رہے تھے، ادھر علیشہ تھی کہ مسلسل اسے ٹال رہی تھی۔

''اوکے۔'' اس نے محتاط نظروں سے اردگرد دیکھا۔

''میری ماما اتنا لمبا انتظار نہیں کریں گی۔'' اس نے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

''پھر مجھ سے شکوہ نہ کرنا۔''

''اوکے اب تم اپنے لئے کوئی لڑکی ڈھونڈ لو جو آج ہی شادی کے لئے تیار ہو جائے، بلکہ میں تو کہتی ہوں ادھر اتنی ساری لڑکیاں ہیں ان میں سے کسی کو پسند کرو اور شاہ زیب کے ساتھ ہی تم بھی سہرا باندھ لو کل۔'' منہ پھلا کر غصے سے کہتی

ہوئی پلٹ گئی۔

''اوف......اتنا غصہ۔'' وہ ہنس دیا۔

''سنو تو۔'' مگر اس نے پلٹ کر نہ دیکھا، اس سارے منظر کو عیسیٰ احمد نے آنکھوں میں محفوظ کیا تھا، اس شادی، فنکشن، شور شرابے اور مستی میں اسے کوئی دلکشی محسوس نہ ہو رہی تھی۔

''مجھے واپس گھر چلے جانا چاہیے؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔

''مگر کہیں عروبہ کے لئے کوئی مسئلہ یہ نہ بنا دیں آنٹی۔'' اگلے پل یہ خیال ذہن میں آ کر اسے ایسا کرنے سے روکنے لگا۔

''میرا خیال ہے مجھے انکل کو بتانا چاہیے کہ وہ گھر پر اکیلی ہے۔'' ایک فیصلہ کر کے وہ ان کے روبرو کھڑا تھا۔

''کب اور کیسے گئی؟'' اس کے بتانے پر کہ ''ابھی عروبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی'' وہ پریشان ہونے لگے۔

''کچھ دیر پہلے میں ڈراپ کر کے آیا ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''میں آپ کی آنٹی کو بتا کر آتا ہوں، ہم گھر چلتے ہیں۔'' کچھ ہی دیر میں ان کی واپسی ہوئی تھی۔

''عروبہ!'' انہوں نے دروازے پر دستک دینے کے ساتھ اسے آواز بھی دے ڈالی۔

''بابا آپ؟'' انہیں سامنے دیکھ کر اسے حیرت کا زوردار جھٹکا لگا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟ طبیعت زیادہ خراب ہے تو ڈاکٹر کو بلاؤں؟'' اس نے متعجب نظروں سے انہیں دیکھا۔

''میں ٹھیک ہوں بابا، آپ پلیز پریشان نہ ہوں۔'' کتنی خوشی ہوئی تھی اسے انہیں اپنے لئے فکرمند دیکھ کر، یہ احساس تو اور بھی زیادہ خوش کن تھا کہ وہ اس کے لئے فنکشن چھوڑ کر آ گئے تھے، آج اسے پتا چلا تھا کہ بابا کو اس کی فکر بھی رہتی ہے، لیکن ماما کے ڈر سے اظہار نہیں کرتے۔

☆☆☆

رات کا نا جانے کون سا پہر تھا، اچانک اس کی آنکھ کھل گئی تھی، اسے شدید گھبراہٹ ہو رہی تھی، ذہن میں عجیب و غریب خیالات آ رہے تھے اور اسے پریشان کر رہے تھے، اس کی نظریں پہلو میں بے فکر سوئے ہوئے معصب پر جا ٹھہریں۔

''موسیٰ!'' اسے سخت خوف محسوس ہونے لگا، مارے خوف کے اس کا سانس پھول گیا تھا۔

''مو......سیٰ!'' نحیف آواز میں وہ بمشکل بول پائی، اور ہاتھ بڑھا کر اس کا شانہ ہلایا، موسیٰ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اس کی نظریں عنیزہ پر پڑیں۔

''عنیزہ کیا ہوا؟'' وہ تیزی سے اس کے قریب آیا، عنیزہ کا سانس اکھڑنے لگا تھا۔

''عنیزہ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔'' اس نے موبائل اٹھایا اور تیزی سے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔'' اس نے معصب کو اٹھایا، دور سے ایمبولینس کی آواز آ رہی تھی، معصب کو کندھے سے لگائے، وہ عنیزہ کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا، اچانک عنیزہ کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکل کر بیڈ سے نیچے لٹک گیا تھا۔

''عنیزہ!'' وہ زور سے چلایا اور معصب کو بیڈ پر اچھال کر باہر کی جانب بھاگا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

☆☆☆

سباس گل

''آج تو بارش ہو گی اماں!'' مومنہ نے نیند سے جاگنے کے بعد صحن میں قدم رکھا تو آسمان پر تیرتی ہوئی کالی کالی بدلیوں کو دیکھتے ہوئے بادلوں کی گھن گرج سنتے ہوئے نسرین بی بی کو مخاطب کر کے اطلاع بہم پہنچائی تھی۔

''ہو لی بارش۔'' نسرین نے چھوٹے سے باورچی خانے میں پراٹھے کو توے پہ پلٹتے ہوئے وہیں سے کہا۔

''یہ بادل تو کئی روز سے یونہی گرج رہے ہیں پانی کی ایک بوند تک ٹپکائے بنا شور مچا کے چلے جاتے ہیں، اسی لئے تو کہتے ہیں جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔''

''لیکن جس زور و شور سے یہ رات بھر سے گلا پھاڑ رہے ہیں ناں یہ یقیناً برس کے ہی رہیں گے۔'' مومنہ نے کہا، نظریں بدستور آسمان میں بارش تلاش کر رہی تھیں۔

ناولٹ

''اب کیا موسم کا مزاج ہی جانچتی رہے گی کہ کوئی کام بھی کرے گی، چل پہلے ناشتہ کر لے اور پھر یہ برتن دھو۔'' نسرین بی بی نے اسے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

''اماں! آج تو پکوڑے کھانے کا موسم ہے۔''

''یہ چٹنی اور پراٹھا جو رکھا ہے یہ کون کھائے گا؟ ملکہ عالیہ کے مزاج ہی نہیں ملتے۔'' نسرین بی بی خفگی سے بولیں۔

''موسم کا مزاج دیکھ کر ہمارے مزاج بھی بدل گئے ہیں ذرا دیر کو، پکوڑے بنا لیں ناں اماں میری پیاری اماں!'' مومنہ نے شاہانہ انداز میں کہتے ہوئے آخر میں ماں کو مسکہ لگایا۔

''ہاں ہاں پکا پکا کے بنا بنا کے کھلاتی رہے اور تم مہہ رانی صاحبہ کی طرح پلنگ پہ بیٹھ کے کھاتی رہو آرڈر جاری کرتی رہو۔'' نسرین بی

بی نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
"نخرے اٹھواتی رہوا پنے۔"
"لو تو مائیں اور کس لئے ہوتی ہیں بیٹی کے ناز نخرے اٹھانے کے لئے ناں۔" مومنہ نے نسرین کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔
"باتیں کروالو جتنی مرضی اس سے، چل ہٹ۔" نسرین بی بی نے جھڑکا۔
"پکوڑے بنا لو نا اماں۔" وہ ضد کرنے لگی۔
"ناشتہ تو کر لے پکوڑے دوپہر میں کھا لیجیو۔"
"ناشتہ کرتے ہی میں پکوڑے کا مصالحہ بناؤں گی، مجھے پتا ہے آپ نے نہیں بنانا آپ تو بس مجھے بنا رہی ہیں۔" مومنہ نے پراٹھے کے نوالے توڑتے ہوئے خفا خفا لہجے میں کہا۔
"ناشتہ تو چپ کر کے کر لیا کر۔" نسرین بی بی نے سر پیٹ کر کہا اسی وقت بادلوں کی گھن گرج میں بجلی کی کڑک بھی شامل ہوگئی اور یکا یک تیز بارش ہونے لگی، مومنہ باورچی خانے کی کھڑکی سے جھانکتی ہوئی خوش ہو کر بولی۔
"دیکھا اماں! ہوگئی نا بارش شروع میں نے کہا تھا نا آج تو بارش ہو کے ہی رہے گی اور ہوگئی بارش اب تو پکوڑے بن کر رہیں گے۔"
"ہاں ہاں بنا لے پکوڑے تیرا کہا تو پورا ہو کے رہی رہتا ہے ولی ہوگئی تو تو۔" نسرین بی بی نے چڑ کر کہا۔
"اماں والیوں کو پکوڑوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔" مومنہ سے ایک سال چھوٹی امامہ نے بھی بارش میں نکلتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔
"بس اب تو نیا فتویٰ نہ جاری کر دیکھ اوپر چھت پہ کوئی کپڑا تو نہیں الگنی پہ رہ گیا، مرغیوں کا ڈربہ بھی برآمدے میں رکھ دے وہ کٹ کٹ کر کے سارا گھر سر پہ اٹھائے ہوئے ہیں اور تمہیں ہری ہری سوجھ رہی ہے۔"
"جا رہی ہوں اماں!" امامہ نے ماں کی ڈانٹ سن کر دوپٹہ سر پر پھیلاتے ہوئے زینے کی طرف قدم بڑھائے۔
"اور ہاں ڈربے میں دیکھ لیجیو مرغیوں نے انڈہ دیا ہو تو لیتی آئیو۔" پیچھے سے اماں کی ہدایات جاری تھیں، مومنہ تیز برستی بارش میں آ کر بھیگنے لگی، ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں بارش کا پانی جمع کر کر کے اوپر اچھالتی بچوں کی طرح خوش ہوتی وہ نسرین بی بی کے چہرے پر خوشی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی، وہ باورچی خانے میں جا کر مومنہ کے لئے پکوڑے بنانے کی تیاری کرنے لگیں۔

نسرین بی بی اور امجد علی کا تین مرلے کا یہ دو منزلہ گھر تھا جہاں وہ اپنی چھوٹی سی فیملی کے ساتھ مقیم تھے، دو بیٹیاں تھیں، انیس سالہ مومنہ اور اٹھارہ سالہ امامہ، میٹرک کے بعد دونوں گھر بیٹھ گئیں تھیں کے کالج میں داخلہ لینے اور کالج کی فیس، کتابوں، کپڑوں اور جوتوں کے لئے پیسے تھے نہ وسائل، سو وہ دونوں اب ماں کے ساتھ گھر داری میں لگ گئیں تھیں، افتادہ تو تب پڑی اس چھوٹے سے گھرانے پر جب امجد علی شہر میں پھیلی دہشت گردی کے ہاتھوں ایک اندھی گولی کا نشانہ بن کر موت کی وادی میں جا سوئے، سینتیس برس کی عمر میں نسرین بی بی کی بیوگی کا روگ لگ گیا تھا اور بیٹیوں کو یتیمی کا جلتا سایہ مل گیا تھا، امجد علی کی پرچون کی دکان تھی، جو گھر کے بیرونی کمرے میں بنی ہوئی تھی، امجد علی کے مرنے کے بعد جب دکان بند ہونے سے گھر میں فاقوں کی نوبت آ گئی تو نسرین بی بی نے خود دکان پر بیٹھنا شروع کر دیا، محلے والے پہلے بھی امجد علی کی دکان سے سودا

سلف لیا کرتے تھے اور اب امجد علی کی بیوہ سے لگے تھے کے وہ محلے کی عورت ہے بیوہ ہے اپنا اور اپنی بیٹیوں کا پیٹ پالنے کے لئے دکان پر بیٹھتی ہے تو اس بے چاری غریب بیوہ عورت کا بھی چولہا جلتا رہے گا اور محلے والوں کو بھی خریداری کے لئے زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا، دکان کے علاوہ بھی گھر چلانے کے لئے مومنہ، امامہ کپڑے سینے اور محلے کے بچوں کو پڑھانے کے کام میں لگ گئیں تھیں، مومنہ اور امامہ کے کمائے ہوئے پیسے نسرین بی بی ان کے جہیز کے لئے چھوٹی چھوٹی چیزیں خریدنے میں صرف کر رہی تھیں، دو سال میں وہ تینوں ماں بیٹیاں مشین بن کر رہ گئیں تھیں، نسرین بی بی گندمی رنگت والی خوش شکل عورت تھی دونوں بیٹیاں بھی خوش شکل، خوش مزاج تھیں، مومنہ تو رنگ روپ میں ماں باپ دونوں سے زیادہ حسین نکلی تھی، کھلتا ہوا گندمی رنگ، پانچ فٹ سے زیادہ نکلتا ہوا قد، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، شنگرفی ہونٹ، بھرا بھرا مناسب خدوخال والا جسم، دیکھنے والا ایک نگاہ ڈالے تو پل بھر کو تو نگاہ پلٹنا ہی بھول جاتا تھا، نسرین بی بی کو اسی لئے آج کل مومنہ کی شادی کی فکر ستا رہی تھی، تن من تو حسین تھا ان کی بیٹی کا لیکن گھر میں دھن اتنا نہیں تھا کہ وہ عزت و آبرو سے ایک بھی بیٹی کو بیاہ کر رخصت کر سکتیں اور یہ گھر بھی پچیس سال سے اپنی خستہ حالی پہ نوحہ کناں تھا، بارشوں کا موسم شروع ہوتا تو جہاں مومنہ اور امامہ خوشی سے بارش میں جھومتی، گاتی اور خوشی سے کھلکھلاتیں وہاں نسرین بی بی کمروں کی ٹپکتی چھتوں سے خوف کھاتی ٹپکتی بارش سے چیزوں کو بچانے کے لئے ان کے نیچے کھلے منہ کے برتن رکھا کرتی اور جوں ہی بارش تھمتی، سورج آنکھ کھولتا تو وہ چھت پر مٹی گارے، توڑی اور ریت سیمنٹ سے لپائی کیا کرتی تا کہ اگلی بارش میں چھتیں نہ ٹپکیں، مگر کب تک برسوں کی مرہم پٹی اور لیپا پوتی آخر کب تک چل سکتی تھی، ہر برسات نئے گھاؤ لگا جاتی تھی، ہر بارش پرانی لیپائی، پرانی مرہم پٹی اتار کے چھتوں کے زخم ہرے کر دیا کرتی اور ساتھ ہی نئے زخم، نئے گھاؤ اور نئے چھید بھی کر جاتی، یہی وجہ تھی کے چھتیں کمزور اور ناتواں ہو گئیں تھیں، ہر وقت یہی ڈر لگا رہتا تھا کہ اب یہ چھتیں سجدہ ریز ہوئیں کے تب ہوئیں۔

''مومنہ، امامہ! اب بس کرو اور کتنا نہاؤ گی بارش میں؟ بیمار پڑنے کا ارادہ ہے کیا؟ چلو جا کے کپڑے بدلو۔'' نسرین بی بی نے باورچی خانے کی کھڑکی سے ہی ان دونوں کو بارش میں نہاتے دیکھ کر ڈپٹا۔

''پکوڑے بھی بن کے تیار ہو گئے پر ان کا جی نہیں بھرا نہانے سے۔'' نسری بی بی نے پکوڑوں کا ذکر بطور خاص بلند آواز میں کہا تو مومنہ خوشی سے چیخ اٹھی۔

''ہائے سچی، اماں تم کتنی اچھی ہو نا۔''

''بس بس زیادہ مسکہ نہ لگا جا کے کپڑے بدل۔''

''اچھا اماں!'' مومنہ پکوڑے کھانے کے خیال سے ہی خوشی خوشی بارش میں بھیگے کپڑے تبدیل کرنے چل دی۔

جبکہ امامہ ابھی آسمان کا جائزہ لیتی وہیں چھوٹے سے صحن میں کھڑی بارش میں بھیگ رہی تھی، نسرین بی بی کو تاؤ آ گیا۔

''اب تجھے کیا الگ سے پیغام بھجوانا پڑے گا چل اندر۔''

''اچھا اماں!'' امامہ منہ بسورتی ہوئی کپڑے نچوڑتی کمرے میں چلی گئی، دونوں کپڑے تبدیل کر کے بال خشک کرتی باورچی

خانے میں آ بیٹھیں اور پکوڑے کھانے لگیں۔

''اماں چائے ملے گی؟'' امامہ نے ڈرتے ڈرتے کہا اور نسرین بی بی کے گھورنے پر بولی۔

''اماں! سردی لگ رہی ہے۔''

''تو کس نے کہا تھا اتنی دیر بارش میں نہاؤ، اب اگر بیمار پڑ گئیں تو جان پہ الگ بن آئے گی اور جو خرچہ ہوگا دوا دارو پہ وہ الگ، فائدہ کیا ہے ایسی تفریح کا جو بعد میں تکلیف کا باعث بن جائے، ہم غریبوں کو یہ چونچلے زیب نہیں دیتے۔''

''کیا ہے اماں! اب ہم بارش میں بھی مزا نہ کریں اور تو کوئی تفریح یا خوشی ہم افورڈ کر نہیں سکتے اب بارش تو مفت میں ملتی ہے اس سے بھی کفران نعمت سمجھ کے منہ موڑ لیں۔'' امامہ نے لٹھ مار انداز میں کہا تو نسرین بی بی نے نرم پڑتے ہوئے اسے چائے بنانے کی اجازت دے دی۔

''اچھا بنا لے ایک کپ چائے۔''

''اماں! دو کپ بلکہ تین کپ ایک ایک آپ کے لئے اماں۔'' مومنہ نے پکوڑے کھاتے ہوئے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کھال میں رہ اپنی بڑی عیاشیوں سوجھ رہی ہیں، دودھ پتی کوئی سستا ہے کیا جو دن دو، دو بار چائے کا نشہ کیا جائے؟'' نسرین بی بی نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''اماں میری پیاری اماں پلیز۔'' مومنہ نے حسب عادت خوشامد کی۔

''اچھا بنا لے باز تھوڑی آنا ہے تو نے۔'' نسرین بی بی کو اس کی معصوم، شوخ ادا پہ پیار ہی آتا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح اب کی بار بھی اس کی بات مان گئیں تھیں۔

''اماں زندہ باد۔'' مومنہ نے خوشی سے نعرہ لگایا، نسرین بی بی کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ ٹپکتی چھتوں کا جائزہ لینے کمروں کی طرف چل دیں۔

بارش وقفے وقفے سے جاری تھی، مغرب کا وقت تھا، سیاہ بادلوں کی وجہ سے شہر کا شہر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، اس پر لائیٹ بھی نہیں تھی، جن گھروں میں جنریٹر تھے وہاں روشنی جگمگا رہی تھی، بارش تیز ہوا اور گھپ اندھیرا ماحول کو خاصا خوفناک بنا رہے تھے اس سمے، نسرین بی بی نے لالٹین جلا کر برآمدے میں دیوار پہ لگی ہک پہ لٹکا رکھی تھی جس کی وجہ سے ملگجی پیلی روشنی تھوڑی تھوڑی ہر طرف بکھری ہوئی تھی، ٹپ ٹپ کرتی چھت، خالی پتیلی جس میں بارش کی ٹپ ٹپ کا پانی جمع ہوتا جا رہا تھا اور نسرین بی بی کے دل میں چھت کے زمین بوس ہونے کا خوف بیٹھتا جا رہا تھا۔

''اماں! آج تو بارش اگلے پچھلے سارے حساب بیباق کرنے پہ تلی ہے۔'' مومنہ نے فکر مندی سے کہا۔

''ہاں دیکھ تو یا تو ہو نہیں رہی تھی اب جو ہوئی ہے تو رکتی ہی نہیں ہے، بارش تو رحمت ہوتی ہے مگر ہم جیسے کچے گھروں میں رکھنے والوں کے واسطے یہ بارش زحمت بھی بن جاتی ہے۔'' نسرین بی بی جو بستر میں گھسی بیٹھی تھیں اداسی سے بولیں۔

''اللہ جی سے بھی غریب کی گھڑی بھر کی خوشی نہیں دیکھی جاتی، سچ ہی تو ہے اللہ جب بھی دیتا ہے چھپڑ پھاڑ کے دیتا ہے۔'' امامہ کھیس میں دبکی ہوئی بیٹھی تھی لرزتی آواز میں بولی۔

''اچھا اب اللہ سے خیر کی دعا مانگ کفر بکنے کا وقت نہیں ہے یہ، اللہ کی مرضی وہ جس بھی حال میں رکھے ہمیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے، ہزاروں لاکھوں لوگوں سے بہت اچھے حال میں ہیں ہم، اپنے ہی دیس میں اس وقت ہزاروں لوگ ہیں

جن کے سر پہ ایسی چھت رہنے والے بھی اس وقت اس بارش سے بچنے کے ہزار جتن کر رہے ہوں گے، کتنے ہی ایسے ہوں گے جو کھلے آسمان تلے بیٹھے ہوں گے بے یارو مددگار، بے سرو سامانی کی حالت میں، شکر ہے اللہ پاک کا کہ اس نے ہم ناشکروں کو سر چھپانے کو چھت دے رکھی ہے۔'' نسرین بی بی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں اماں! شکر ہے اللہ کا۔'' مومنہ بولی، اسی وقت گھر کا بیرونی دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔

''دیکھو، اس وقت کون آ گیا وہ بھی اتنی بارش میں؟'' نسرین بی بی نے مومنہ سے کہا وہ پلنگ سے اتر کر برآمدے میں آ گئی، ہک پہ لٹکتی پرانی سی چھتری اتار کے کھولنے لگی۔

''لالٹین لے جا کے اندر سے ہی پوچھ لے کے کون ہے؟''

''اچھا اماں!'' مومنہ نے چھتری لی اور لالٹین اتار کے صحن میں دروازے کی جانب قدم بڑھائے، نسرین بی بی کو بے چینی ہونے لگی وہ بھی اٹھ کر برآمدے میں آ گئی، دروازہ مسلسل کھٹکھٹایا جا رہا تھا۔

''کون ہے؟'' مومنہ نے برستی بارش کے شور کی وجہ سے دروازے کے قریب جا کر بلند آواز میں پوچھا۔

''مسافر ہوں، سنا ہے کہ آپ کے ہاں کمرہ خالی ہے کرایے کے لئے، کیا مجھے اس بارش میں پناہ مل سکتی ہے؟'' باہر سے ایک دلکش مردانہ آواز مومنہ کی سماعتوں میں اترتی ہوئی رس گھول گئی۔

''اماں! مسافر ہے کمرہ کرایے پہ چاہتا ہے۔'' مومنہ نے وہیں سے چیخ کر بتایا تھا ماں کو۔

''اس وقت؟'' نسرین بی بی سوچ میں پڑ گئیں۔

''اچھا دروازہ کھول دے بارش میں پانی پانی ہو رہا ہوگا بے چارہ۔'' اماں کے کہنے پر مومنہ نے دروازہ کھول دیا، ایک اونچا لمبا خوبرو جوان گھر میں داخل ہوا تھا۔

''السلام علیکم!'' نوجوان نے لالٹین کی روشنی میں مومنہ کے سندر چہرے کو دیکھتے ہوئے بہت مہذب انداز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام، کون ہیں آپ؟'' مومنہ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''کیا کہیں اندر چل کر بات ہو سکتی ہے میں بارش میں بری طرح بھیگ چکا ہوں۔'' وہ اپنا سوٹ کیس ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے بولا۔

''تو برساتی لے کر گھر سے نکلنا تھا نا۔''

''گھر سے نکلا تھا تو مطلع صاف تھا یہ تو بن بلائی برسات نے یہ حال کر دیا۔'' وہ اس کی بات سن کر بولا۔

''ہاں بن بلائی برسات اور بن بلائے مہمان الجھن کا باعث تو بنتے ہی ہیں، خیر آیئے۔'' مومنہ نے معنی خیز بات کہی اور برآمدے کی جانب قدم بڑھا دیئے، وہ بھی اپنا سامان اٹھائے اس کے پیچھے چلتا ہوا برآمدے تک آ گیا جہاں نسرین بی بی کھڑی تھیں۔

''السلام علیکم! میرا نام اقبال ہے انسپکٹر اقبال حسن، میں یہاں نیا ہوں سنا ہے کہ آپ کے گھر میں اوپر کوئی کمرہ ہے جو کرایے کے لئے دینا چاہتی ہیں آپ اسی لئے حاضر ہوا ہوں۔'' اقبال نے ایک ہی سانس میں اپنا تعارف اور مدعا بیان کر دیا۔

''اکیلے ہو؟'' نسرین بی بی نے اس کے چہرے کو لالٹین کی روشنی میں دیکھتے ہوئے سوال

کیا۔

''جی ابھی تک تو۔'' اقبال نے مومنہ کے چہرے کو دیکھا۔

''دیکھو بیٹا، پانچ ہزار ماہانہ دے سکو تو کمرہ ابھی لے لو۔''

''پانچ ہزار ماہانہ۔'' اقبال منمنایا۔

''کیوں زیادہ ہے؟'' مومنہ بولی۔

''نہیں میں آپ کو منہ مانگا کرایہ دینے کے لئے تیار ہوں۔'' وہ اس کے چہرے کے خدوخال کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے گہرے اور معنی خیز لہجے میں بولا تھا، مومنہ کا دل پل بھر کو زور سے دھڑکا اور پھر سنبھل بھی گیا اور وہ سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔

''تو میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ اماں کی طرف دیکھو اور سنو کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں، آج مہمان ہو اس لئے رات کا کھانا مفت ملے گا، کل صبح سے ناشتے اور لنچ، ڈنر کے پیسے بھی تمہارے کرایے میں شامل ہوں گے۔''

''جی بہتر اور کچھ۔'' وہ دلچسپی سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا، نسرین بی بی دوسری لالٹین کی تلاش میں باورچی خانے میں جا گھسی تھیں۔

''اپنی آنکھوں کو لگام ڈال کے رکھو بہت بھٹک رہی ہیں اِدھر اُدھر۔'' مومنہ نے تیزی سے کہا۔

''تم بھی اپنی سندر صورت پہ نقاب ڈال کے رکھو بہت بے لگام کر رہی ہے یہ میری آنکھوں کو، کہیں میری بینائی بہک ہی نہ جائے۔'' وہ معنی خیز اور شوخ لہجے میں بولا نظریں بدستور مومنہ کے سنہرے حسن لٹاتے چہرے کی زینت بنی تھیں۔

''ہاہ ہائے دور دفعہ، بے شرم نہ ہو تو......

اماں!'' مومنہ شرم وحیا سے کٹ کر بولی منہ پہ ہاتھ رکھتی، آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتی باورچی خانے کی طرف بڑھتے ہوئے ''اماں'' کو آواز دینے لگی، اقبال سٹپٹا گیا اس خیال سے کے اس بارش میں یہ لڑکی اسے اپنے گھر سے نکال ہی نہ دے کہیں۔

''کیا ہے؟ ہاں بیٹا پھر پانچ ہزار میں منظور ہے یہاں کرایے دار کی حیثیت سے رہنا، صبح کا ناشتہ اور رات کا کھانا تمہیں باقاعدگی سے مل جایا کرے گا، البتہ دوپہر کا کھانا تم باہر ہی کھانا۔'' نسرین بی بی نے دوسری لالٹین برآمدے میں لٹکاتے ہوئے اقبال سے مخاطب ہو کر کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے خالہ جی! مگر میں نے تو ابھی کمرہ دیکھا تک نہیں ہے اور آپ پانچ ہزار مانگ رہی ہیں۔'' اقبال نے جھجکتے ہوئے کہا تو مومنہ طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے بولی۔

''ہاہاہا ابھی تو کہہ رہے تھے کہ منہ مانگا کرایہ دینے کے لئے تیار ہوں، اب کیا ہوا انسپکٹر؟''

''چیز اگر پسند آ جائے تو منہ مانگی قیمت دے کر خریدی جا سکتی ہے، بنا دیکھے اور جانچے تو عقل کا اندھا ہی سودا کرتا ہے۔'' اقبال بھی اس سے بات کرنے کے موڈ میں تھا جبھی اس طرح کہہ گیا ورنہ اس کا دل تو اس من موہنی صورت والی لڑکی کو دیکھ کر ہی وہاں ٹھہر جانے کے لئے خوشی خوشی راضی ہو گیا تھا۔

''اسی لئے تو کہتے ہیں کہ پہلے بات کو تو لو پھر سوچ سمجھ کر بولو...... ہاہاہا۔'' مومنہ نے اس کی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تو نسرین بی بی نے اسے گھورا تھا۔

''خالہ جی! میں ایک دو دن تو یہاں ٹھہر سکتا ہوں ناں اگر کمرہ پسند نہ آیا تو جتنے رہوں گا اس کا کرایہ آپ کو دے دوں گا۔'' اقبال نے کھسیانا سا

ہو کر نسرین بی بی کو دیکھتے ہوئے کہا تو مومنہ کی زبان پھسلی تھی۔

"یہ کوئی ہوٹل کا کمرہ نہیں ہے انسپکٹر، گھر کا کمرہ ہے جو ایک دو دن ٹھہرنے کے لئے درکار ہے آپ کو۔"

"تو چپکی نہیں رہ سکتی چل اندر سے اوپر والے کمرے کی چابی لا۔" نسرین بی بی نے اسے دبے دبے لہجے میں ڈپٹتے ہوئے کہا اقبال کن اکھیوں سے مومنہ کے چہرے کے بدلتے زاویوں کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"اچھا اماں!" مومنہ منہ بسورتی ہوئی کمرے میں چلی گئی، جہاں امامہ کھیس میں دبکی تھر تھر کانپ رہی تھی، لالٹین کی روشنی میں مومنہ نے امامہ کو بغور دیکھا تھا۔

"تجھے کیا ہوا؟" مومنہ نے اسے یوں کانپتے دیکھ کر حیرانگی سے استفسار کیا۔

"باہر پولیس آئی ہے کوئی چور ڈاکو نہیں آیا جو تو یوں تھر تھر کانپ رہی ہے۔"

"مجھے بخار ہو گیا ہے۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"شاباش اے اب تو مجھے بھی اماں سے ڈانٹ پڑوائے گی اور آئندہ کے واسطے بارش میں نہانے پہ پابندی لگا دیں گی اماں تیرے اس بخار کی وجہ سے۔" مومنہ پرانی سی سنگھار میز کی دراز سے اوپر والے کمرے کے تالے کی چابی نکالتے ہوئے بڑبڑائی اور چابی لے کر تیزی سے باہر چلی گئی۔

"لو اماں چابی۔" اس نے چابی نسرین بی بی کے ہاتھ پہ رکھ دی اور جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے واپس پلٹ گئی امامہ کی خبر جو لینی تھی، نسرین بی بی لالٹین اور چھتری لئے زینہ چڑھنے لگیں، اقبال ان کے پیچھے تھا اس نے مڑ کر ایک بار کمرے کی سمت ضرور دیکھا تھا اس خیال سے کے شاید اس الہڑ مٹیار کا سندر چہرہ اسے پھر سے دکھائی دے جائے مگر اسے ناکامی ہوئی تھی، مومنہ، اماں کے نیچے آنے سے پہلے امامہ کو پیناڈول کی دو گولیاں کھلا کر لٹا چکی تھی اور اسے شور مچانے سے باز رہنے کی تاکید کر چکی تھی ورنہ اماں سے دونوں کو خوب ڈانٹ پڑتی، امامہ بھی اماں کے ڈر سے سوتی بن گئی اور دوا کے زیر اثر آ کر اسے سچ مچ نیند بھی آ گئی۔

رات جتنا زوروں کا مینہ برسا تھا، صبح اتنی ہی چمکیلی، سنہری اور تیز دھوپ نکل آئی تھی، نسرین بی بی نے اللہ کا شکر ادا کیا سورج کے آنکھیں کھولنے پر اور چھت کی درزوں اور سوراخوں کو پھر سے ریت سیمنٹ سے لپائی کر کے بند کر دیا تھا اور دعا کی تھی کے اگلے کئی دن تک بارش نہ ہوتا کہ جو پلستر اس نے کیا ہے وہ سوکھ جائے۔

اقبال نے صبح نیند سے بیدار ہونے پہ کمرے کا جائزہ لیا، یہ ایک صاف ستھرا سلیقے اور قرینے سے سجا سادہ سا کمرہ تھا، ایک مسہری تھی جو نجانے کس زمانے میں خریدی گئی ہو گی اس کی پالش اتر چکی تھی، اس پر ایک پرانا سا گدا بچھا تھا جس پر دھلی ہوئی صاف ستھری کاٹن کی پھولدار چادر بچھی تھی، اس سنگل مسہری پہ وہ رات بہت آرام اور سکون سے سویا تھا، اس کے علاوہ کمرے میں دو کرسیاں اور ایک اسٹول رکھا تھا وہ بھی خاصے پرانے ڈیزائن کے تھے اور ان کا حسن و شباب بھی ڈھل چکا تھا، ایک دیوار گیر الماری تھی بنا دروازے کھڑکی کے، ایک کارنس تھا جس پر چھوٹا شیشہ اور باوا آدم کے زمانے کی ایک ٹیبل کلاک رکھی ٹک ٹک کر رہی تھی، پرانا پنکھا چھت سے لٹکا تھا اور بلب میں بجھا بجھا سا دکھائی دے رہا تھا کمرے کی دیواروں پر ہلکے سبز رنگ کی قلی

کے آثار بتا رہے تھے کہ یہاں برسوں پہلے سبز رنگ کرایا گیا ہوگا، ایک کھڑکی جو مشرق کی جانب کھلتی تھی تازہ ہوا اور سورج کی روشنی کا بہتر ذریعہ تھی، اقبال کمرہ دیکھ کر قدرے مطمئن ہوا تھا۔

''ناٹ بیڈ۔'' اقبال نے کمرے کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔

غسل خانہ بھی کمرے کے باہر کچھ فاصلے پر بنا ہوا تھا وہ اپنے کپڑے سوٹ کیس میں سے نکال کر غسل خانے میں چلا گیا۔

''اے مومنہ! ذرا دیکھیو جا کے مرغی نے انڈہ دیا کے نہیں۔'' نسرین بی بی نے پلنگ پہ کروٹیں بدلتی مومنہ سے کہا تو وہ بیزاری سے بولی۔

''تم خود پتا کرلو نا اماں!''

''میں باورچی خانے میں مصروف ہوں اٹھ جا کے انڈہ لا وہ اقبال بھی آتا ہی ہوگا پہلا ناشتہ ہے اس کا اس گھر میں انڈہ، پراٹھا بنا دوں گی چائے کے ساتھ تو خوش ہو جائے گا، پانچ ہزار آرام سے دینے کو آمادہ ہے اور کیا چاہیے ہمیں؟'' نسرین بی بی نے کمرے میں آ کر اس کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''اماں! ابھی پکا تھوڑی پتا ہے کہ وہ یہاں مستقل رہے گا بھی کے نہیں رات تو وہ ایک دو دن رہنے کا کہہ رہا تھا۔'' مومنہ نے آلکسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں آں، پر میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہ یہاں رکے گا ضرور آخر، برستی بھیگتی رات میں ہم نے اسے اپنے گھر میں پناہ دی ہے، پیٹ بھر کے کھانا کھلایا ہے اگر شرم، لحاظ اور احساس والا ہوا تو ضرور قدر کرے گا اور رکے گا یہاں، کرایہ تو ہم آج کی تاریخ سے شمار کریں گے رات کی تواضع تو انسانیت کے ناطے تھی۔'' نسرین بی بی نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اپنی ماں کی مثبت مزاجی پر مسکراتی ہوئی بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتی ہوئی اٹھ کر چھت پر چلی آئی اور اسٹور نما چھوٹے سے کمرے سے مرغیوں کے ڈربے کو باہر نکالتے ہوئے مرغیوں کی شکوے بھری کٹ کٹ کٹاک شروع ہونے پر جھنجلا گئی۔

''دیتی ہوں دانہ پانی شور مت کرو، انڈہ کہاں ہے؟'' وہ مرغیوں سے یوں پوچھ رہی تھی جیسے وہ اس کی بات سمجھ ہی تو رہی تھیں، مومنہ نے نظریں دوڑائیں ڈربے میں دو انڈے پڑے تھے اس نے پہلے دانہ پانی والا برتن بدل کے رکھا پھر دونوں انڈے اٹھا کے ڈربے کا دروازہ بند کر دیا اور انڈے لے کر نیچے آ گئی، اقبال کے آنے تک اس کا ناشتہ تیار ہو گیا تھا۔

''السلام علیکم خالہ!'' اقبال برآمدے میں قدم رکھتے ہوئے نسرین بی بی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اماں کو آتے ہی خالہ بنا لیا اس نے تو بڑا چالاک ہے یہ۔'' امامہ جو بخار اتر جانے پر بہتر محسوس کر رہی تھی اقبال کے ''خالہ'' کہنے پر مومنہ سے مخاطب ہوئی جو کپڑوں کی سلائی چیک کر رہی تھی اور اس سے انجان بننے اور نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''وعلیکم السلام بیٹا! آؤ ناشتہ کرلو۔'' نسرین بی بی نے جھٹ پٹ ناشتے کی ٹرے برآمدے میں بچھے تخت پر لا رکھی، مومنہ نے سلائی والے کپڑے فوراً سمیٹ کر شاپر میں ڈالے تھے اور اقبال کو سنا بھی دیا کہ۔

''یہ پہلا دن ہے آپ کا یہاں اس لئے اس وقت ناشتہ مل رہا ہے ورنہ دن کے ساڑھے گیارہ بجے کون ناشتہ کرتا ہے۔''

''جی بہتر ویسے ہم پولیس والوں کی زندگی

ایسی ہی ہوتی ہے بے وقت سونا، جاگنا، کھانا پینا اور کبھی کبھی تو ڈیوٹی کے دوران کھانے کا ہوش ہی نہیں رہتا۔'' اقبال نے تخت کے کنارے پر بیٹھ کر ناشتہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ٹھیک کہتے ہو بیٹا! تم مومنہ کی باتوں کا برا نہ ماننا اس کی تو عادت ہے خواہ مخواہ بولنے کی۔'' نسرین بی بی نے لجاجت سے کہا تو وہ مومنہ کو بہت تاؤ آیا۔

''واہ اماں! ایک پرائے آدمی کی خاطر اپنی بیٹی کو شرمندہ کرا دو۔'' مومنہ غصے سے بولی مگر بہت آہستگی سے۔

''تو مومنہ نام ہے آپ کا، کرتوت کا فراں تو نہیں ہیں ناں؟'' اقبال شوخ لہجے میں شرارت سے بولا تو مومنہ تو تپ اٹھی۔

''اپنی کھال میں رہو انسپکٹر، ورنہ وہاں ماروں گی پینے کو پانی تک نہیں ملنے کا ہاں۔''

''ہاں اس کا اندازہ تو مجھے ہو رہا ہے۔'' اقبال مسکراتے ہوئے مدھم آواز میں بولا نسرین بی بی صحن میں چارپائی بچھانے چل دی تھیں جبھی ان دونوں کی تو تکار نہیں سن پائی تھیں۔

''خالہ! یہ ایک مہینے کا ایڈوانس کرایہ ہے پانچ ہزار ہیں پورے گن لیجئے۔'' اقبال ناشتے سے فارغ ہوا تو اپنی سیاہ شرٹ کی جیب میں سے پانچ ہزار ہزار کے نوٹ نکالے اور نسرین بی بی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، نسرین بی بی تو خوش ہو گئیں کہ اتنا اچھا کرائے دار مل گیا جو کرایہ بھی ان کا منہ مانگا اور مہینہ پورا ہونے سے پہلے ہی ادا کر رہا ہے، جبکہ مومنہ اور امامہ حیران ہو رہی تھیں کے رات تو وہ ایک دو دن رکنے کی بات کر رہا تھا اور اب ایک مہینے کا ایڈوانس کرایہ ادا کر رہا تھا، مومنہ نے دیکھا وہ اونچا لمبا، خوبرو جوان پولیس کی وردی میں اور بھی اسمارٹ دکھائی دے رہا تھا، دن کے اجالے میں اس کا حسن مزید نکھر کر سامنے آیا تھا، کلین شیو چہرے پر مومنہ کو دیکھ کر در آنے والی شوخی اور شرارت نمایاں ہو رہی تھی، وہ اس کی حیرانگی سے حظ اٹھا رہا تھا۔

''جیتے رہو بیٹا! تمہاری بڑی مہربانی بس بیٹا اس بات کا خیال رکھنا کے میں ایک بیوہ اور دو یتیم بچیوں کی ماں ہوں، تم قانون کے محافظ نہیں ہو بلکہ عوام کے محافظ ہو، اسی گھر کی حفاظت بھی تمہارا ذمہ ہے اب، خیال رہے بیٹا جی کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ہم ماں بیٹیوں پر بات آئے یا لوگ باتیں بنائیں۔'' نسرین بی بی کے لہجے میں خدشے بول رہے تھے، اقبال ان کی بات کا مطلب بخوبی سمجھ گیا تھا، یہ ایک ماں کے خدشے اور خوف تھے، ایک جوان آدمی کو اپنے گھر کرائے دار رکھ کر انہیں محلے والوں کی باتوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا وہ اچھی طرح سے یہ بات سمجھ رہا تھا۔

''آپ اطمینان رکھیں خالہ جی! میں اس گھر کی عزت پہ بات نہیں آنے دوں گا، آپ کی عزت، میری عزت ہے جب تک میں یہاں ہوں آپ کے گھر کی طرف کوئی میلی نظر سے دیکھنے کی جرأت نہیں کرے گا یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' اقبال نے بہت مہذب اور پر خلوص لہجے میں انہیں یقین دلایا۔

''جیتے رہو بیٹا، مجھے یقین ہے تم اپنے کہے کا مان رکھو گے۔'' نسرین بی بی نے اس کا کندھا تھپکا اور اطمینان سے مسکرا کر کہا۔

''انشاء اللہ!'' وہ مسکرایا تو نسرین بی بی وہ رقم رکھنے کے لئے کمرے میں چلی گئیں، ان کے جاتے ہی مومنہ بول پڑی۔

''تم تو ایک دو دن کے لئے یہاں رکنے والے تھے ناں تو پھر اب کس لئے رک رہے ہو؟''

''تمہارے لئے رک رہا ہوں۔'' وہ اس

کے چہرے کو دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں مدھم آواز میں بولا، مومنہ سٹپٹا گئی۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟'' مومنہ نے خود کو ارمل کیا۔

''دل کے معاملے میں صرف دل کی سنتی چاہیے دماغ کی نہیں، لہٰذا میں نے بھی اپنے دل کی سنی ہے دل نے کہا'' اقبال حسن! یہاں سے کہیں مت رک جا، سو میں رک گیا۔''

''بہت مانتے ہو اپنے دل کی۔'' مومنہ اس کی بات سن کر دل کی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے نظریں چرا کر بولی۔

م تو دل کے مرید ہیں سائیں
ہ جو کہتا ہے مان لیتے ہیں

اقبال بہت جذب ہے یہ شعر اس کی ماعتوں کی نذر کرتا اس پر ایک بھرپور شوخ نگاہ التا ہوا سر پر پی کیپ رکھتا دروازے کی جانب ھ گیا تھا اور مومنہ اس کی باتوں کے سحر میں اثر ں کھو سی گئی تھی۔

سات میں، تم سے ملے ہم سجن
م سے ملے تم برسات میں
ینہ کرنا کہیں یہ آس ٹوٹ جائے
اتس چھوٹ جائے
ا نہ سکے ہائے، مل نہ سکے ہم
سات میں

مومنہ کا ریڈیو پرانے فلمی گانے سنا رہا تھا وہ مغنیہ کے ساتھ ساتھ خود بھی گنگنا رہی تھی کہ بال چلا آیا۔

''اتنے غمزدہ گانے کیوں سن رہی ہو؟ ان کو اچھی امید رکھنی چاہیے۔'' اقبال نے ڑے پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کس سے؟'' مومنہ نے آنکھیں اس کے بہہ چہرے پر جما کر پوچھا۔

''اللہ سے اور۔'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''اور؟'' مومنہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور ان سے جن پر انسان کو اعتبار وہ جن سے انسان کو پیار ہو۔'' اقبال اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا، مومنہ بلش ہو گئی۔

''لوگ صرف پیار کی باتیں کرتے ہیں، پیار نبھاتے نہیں ہیں۔'' مومنہ نے آہستگی سے کہا اور سوئی میں دھاگہ ڈالنے لگی۔

''میرے پیار پہ اعتبار کرنا، نبھا کے بھی دکھا دوں گا۔'' اقبال نے اس کی جھکی ہوئی گھنیری پلکوں کو دیکھتے ہوئے نرم اور مدھم لہجے میں کہا تو اسے جھٹکا سا لگا تھا اور سوئی اس کی انگلی میں چبھ گئی تھی۔

''سی۔'' کی آواز اس کے لبوں سے نکلی تھی اور اقبال ہنستا ہوا اس کے سر پہ ہلکی سی چپت رسید کر کے زینہ چڑھ گیا، وہ انگلی دانتوں تلے دابے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''ہائے میں مرگئی یہ انسپکٹر کتنی آسانی سے اتنی بڑی بات کہہ گیا، پاگل نہ ہو تو، ہائے میرے دل کو کیا ہو رہا ہے؟'' مومنہ دل تھامے حیرت، مسرت اور بے یقینی کو ملی جلی کیفیت میں گھر کر کہا اس کی یہ خود کلامی امامہ کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔

''پیار ہو رہا ہے اور کیا؟'' امامہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے شوخی سے مسکراتے لہجے میں کہا۔

''بکواس نہ کر۔'' مومنہ بری طرح سٹپٹا گئی۔

''بکواس نہیں ہے یہ مجھے سب پتا چل گیا ہے تو بھی اب زیادہ بن مت اچھا۔'' امامہ نے

اسے کہنی ماری۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تو کیا کہہ رہی ہے۔'' مومنہ انجان بنتی نظریں چراتی ہوئی ریڈیو بند کرتے ہوئے بولی۔

''تو میں سمجھا دیتی ہوں تجھے۔'' امامہ شوخی سے بولی۔

''دیکھ اگر چور گھر کے دروازے تک آئے اور بنا چوری کیے ہی واپس چلا جائے تو کسی کو پتا نہیں چلتا، لیکن اگر چور گھر کے اندر گھس آئے اور سب کچھ چرا کر لے جائے تو سب کو پتا چل جاتا ہے بالکل اسی طرح محبت اگر یک طرفہ ہو تو کسی کو پتا نہیں چلتا اور محبت اگر دو طرفہ ہو تو سب کو پتا چل جاتا ہے، جیسے اسے (اقبال کو) دیکھ کر تجھے کچھ کچھ ہوتا ہے ٹھیک ویسے ہی تجھے دیکھ کر اسے دل میں بھی بہت کچھ ہوتا ہوگا، جبھی تو اپنے پیار کا اظہار کر گیا وہ خود سے اور اپنا دل تجھے دے کر تیرا دل وہ لے گیا تجھ سے، ہے ناں۔''

''چل ہٹ، بے شرم۔'' مومنہ دوپٹے کا کونہ دانتوں میں دباتی ہوئی شرما گئی، امامہ کو اس کی اس ادا پہ ہنسی آ گئی، نسرین بی بی جو امامہ کی باتیں سن چکی تھیں باورچی خانے میں کھڑی رب سے دعا مانگنے لگیں۔

''میرے مالک! تو نے اگر اقبال کو وسیلہ بنا کے یہاں بھیجا ہے تو ربا، مجھے عزت سے اپنی مومنہ کو رخصت کرنا بھی نصیب کرنا۔''

☆☆☆

مومنہ کی آنکھوں میں خوبصورت خواب نمو پانے لگے، اقبال بظاہر اس سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا، صبح ناشتہ کر کے ڈیوٹی کے لئے گھر سے نکل جاتا تو شام کو چھ سات بجے تک گھر لوٹتا وہیں نیچے برآمدے میں بیٹھ کر رات کا کھانا کھاتا، چائے پیتا، نسرین بی بی اور امامہ سے دنیا جہان کی باتیں کرتا، مومنہ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی محبت اور پسندیدگی کے سندیسہ دیتا اور امامہ اور نسرین بی بی سے نظر بچا کر اسے دیکھ کر مسکرا دیتا اور مومنہ کے من میں ڈھیروں پھول کھلا دیتا۔

نسرین بی بی اور امامہ بازار گئیں تھیں، کچھ ضروری اشیاء کی خریداری کے لئے، مومنہ نے دوپہر کا کھانا پکانے کے بعد میلے کپڑے اکٹھے کیے اور دھونے لگی، جب وہ چھت پہ لگی الگنی پر کپڑے سوکھنے کے لئے پھیلا رہی تھی تو اقبال وہاں چلا آیا، مومنہ کپڑے پھیلا کر مڑی تو اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر ڈر گئی مگر یہ ڈر لمحہ بھر کا ہی تھا وہ فوراً سنبھل بھی گئی تھی اور اس سے استفسار کرنے لگی۔

''تم آج بے وقت کیسے آ گئے؟''

''آج ہی تو صحیح وقت پہ آیا ہوں۔'' اقبال اس کے سنہری چہرے کو دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولتا ہوا دو قدم آگے آیا تھا۔

''مطلب؟'' مومنہ نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا کاسنی رنگ لان کے شلوار قمیص اور سفید جارجٹ دوپٹے میں، میں وہ بے حد دلکش اور دلنشین لگ رہی تھی اسے۔

''تم سے بات کرنے کا موقع ہی ملتا۔'' اقبال نے کہا۔

''یہ کہو کے میرے سامنے تمہارے بولتی بند ہو جاتی ہے۔'' مومنہ نے بڑی ادا سے کہتے ہوئے اپنی چٹیا ہلائی تھی۔

''ہاں یہ بھی سچ اور اگر تم میرے سامنے نہ ہو تو میرا دل ڈوبنے لگتا ہے، میری سانس بند ہو، ہو جاتی ہے۔'' اقبال نے اس کے چہرے کو وارفتگی سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ سرخ پڑ گئی، نگاہیں چراتے ہوئے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے بولی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''چل جھوٹا۔''

''سچی مومنہ! تو نے کسی اور طرف دیکھنے جو گا نہیں چھوڑا مجھے، بند آنکھوں میں بھی تو ہی نظر آتی ہے، کبھی میری دلہن بنی، کبھی میری محبوبہ بنی تو کبھی۔'' اقبال نے اس کومل سا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت محبت وجذبے سے کہا۔

''چل چھوڑ میرا ہاتھ جھوٹا کہیں کا۔'' مومنہ نے سٹپٹا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑاتے ہوئے روٹھے پن سے کہا۔

''مجھ سے شادی بھی کرے گا کہ بس یونہی ٹائم پاس کر ایسی پیار دلار کی باتیں بگھارے گا۔''

''شادی کروں گا تو صرف تجھ سے۔'' اقبال نے دل سے کہا۔

''اچھا، تیرے گھر والے مان جائیں گے؟''

''میں منالوں گا۔''

''اتنا یقین ہے خود پہ۔'' مومنہ زینہ اترتے ہوئے بولی، اقبال بھی اس کے ساتھ ہی زینہ اترنے لگا۔

''ہاں ہے، کیوں، تجھے نہیں ہے یقین؟'' اقبال نے زینہ اترتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہے تو، پر تیرا کیا پتا، خواب دکھا کے مجھے حقیقت کی دھوپ میں جلتا چھوڑ جائے۔''

''سن مومی! مجھے قسمت کا تو پتا نہیں ہے پر اپنی محبت کا پتا ہے دل کا پتا ہے جو صرف تیرا ساتھ چاہتا ہے، میری بہن کی شادی ہو جائے پھر میں تیری ڈولی اٹھانے آؤں گا پکا۔''

''اور جو نہ آیا ڈولی اٹھانے تو؟'' مومنہ نے خوشی سے نہال ہوتے ہوئے خدشے میں گھر کر کہا۔

''تو جنازہ اٹھانے آجاؤں گا بس تو ٹینشن نہ لے میں آؤں گا ضرور۔'' وہ شرارت سے مذاق سے بولا، مومنہ کا منہ بن گیا۔

''ہاں تجھ سے یہی امید ہے مجھے تو، تو میرا جنازہ ہی اٹھوا کے رہے گا آیا بڑا محبت کے دعوے کرنے والا۔''

''قسم سے وعدہ کرتا ہوں اگلی برسات تو میرے سنگ منائے گی، برسات میں ملے ہیں تو۔''

''تو برسات میں ہی بچھڑیں گے ہے ناں۔'' مومنہ اس کی بات کاٹ کر چڑ کر بولی۔

''نہیں ناں، میں آؤں گا نا تجھے لینے۔''

''چل دیکھتی ہوں تو اپنے کہے کا پورا کب کرتا ہے؟'' مومنہ نے مسکراتے ہوئے اس کی وجیہہ چہرے کو دیکھا تھا۔

''برسات میں۔'' وہ بولا تو مومنہ ہنس پڑی اور اقبال اس کی ہنسی کے جلترنگ میں کھوسا گیا۔

☆☆☆

رم جھم کرتا مینہ برساتا جب بھی موسم آئے
کسے خبر ہے سورج نکلے یا بارش ہو جائے

فجر کے بعد مطلع بالکل صاف تھا، سورج نے مندی مندی آنکھیں کھول کر دنیا کو نئی صبح کا پیغام دینا شروع کیا تھا ہر طرف سورج کی روشنی بکھر رہی تھی دھیرے دھیرے کہ یکا یک بادل بہت زور وشور سے گرجنے لگے، بجلی کڑکنے لگی ایک بار تو بجلی کے کڑکنے کی آواز اس قدر تیز ہوئی کے گہری نیند میں ڈوبے اقبال کی بھی آنکھ کھل گئی۔

''یا اللہ خیر، لگتا ہے کہیں بجلی گری ہے، اللہ سب کو اپنی پناہ میں رکھنا۔'' نسرین بی بی نے دل تھام کر دعا کی اور گرجتے بادلوں، کڑکتی بجلیوں کا ساتھ دینے کے لئے زوروں کی بارش بھی چلی آئی اور پھر جو دھواں دھار بارش شروع ہوئی تو سب جل تھل ہو گیا آسمان پہ کالے بادل تھے نہ

اندھیرا روشن صبح تھی اور بارش بہت تیزی سے برس رہی تھی۔

''یہ ایک دم موسم کے مزاج کیوں بگڑ گئے؟ مجھے تو سفر پہ نکلنا تھا۔'' اقبال نے بستر سے نکل کر کھڑکی کھولی اور بارش کو آسمان کی وسعتوں سے زمین پر اترتے دیکھ کر خود کلامی کی۔

''اماں! آج تو بادل بھی نہیں تھے نہ بارش کے آثار تھے، سورج نکلنے کی تیاری میں تھا کہ اچانک سے ہی بجلی کڑکی بادل بھاگم بھاگ آئے اور گرج گرج کے برسنے لگے۔'' مومنہ کے آسمان سے برستی بارش کو دیکھتے ہوئے حیرانگی سے پر لہجے میں کہا تو نسرین بی بی کہنے لگیں۔

''ہوں لگتا ہے یہ بادل جا تو کہیں اور ہی رہے تھے برسنے کو، پر راستے میں بھانڈا پھوٹ گیا جس کے نتیجے میں یہاں جل تھل ہو گیا۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہیں خالہ! ہوا تو کچھ ایسا ہی ہے دیکھ لیں اب بارش تھمنے کو ہے اور روشنی بتا رہی ہے کہ سورج بھی کچھ ہی دیر میں نکلا چاہتا ہے۔'' اقبال تیار ہو کر اپنا سوٹ کیس اٹھائے تیزی سے برآمدے میں آتے ہوئے بولا، مومنہ اور نسرین بی بی اسے اپنے سامان کے ساتھ دیکھ کر ٹھٹکیں تھیں۔

''ہاں مگر بیٹا، تم سامان اٹھائے کہاں نکل لئے، سب خیر ہے نا۔''

''جی خالہ، واپس لاہور تبادلہ ہو گیا ہے رات ہی آرڈر آئے ہیں ابھی تھانے جا کے منتقلی کے آرڈر لوں گا پھر لاہور کی بس پکڑوں گا اور پھر کل صبح انشاء اللہ سٹی تھانے میں رپورٹ کروں گا۔'' اقبال نے تخت پر بیٹھ کر تفصیل بتائی۔

مومنہ کا تو دل ہی بجھ گیا تھا اس کے جان کر سن کر، نسرین بی بی الگ افسردہ ہو رہی تھیں کے معقول کرایے دار ملا تھا وہ ہاتھ سے جا رہا تھا اور شاید مومنہ کا بر بھی، جانے وہ کیا، کیا آس لگا بیٹھی تھیں ''اقبال حسن'' سے اور آس و امید کے مستقبل کے سپنے تو مومنہ کی آنکھوں میں بھی سج گئے تھے، کیا وہ صرف سپنے ہی تھے؟ یہ خیال مومنہ کا دل چیر گیا۔

''اچھا، مگر بیٹا ابھی تو تمہیں قصور آئے مہینہ بھی نہیں ہوا۔'' نسرین بی بی نے افسردگی سے کہا۔

''بس خالہ! نوکری کی، تے نخرہ کی، سرکار کی نوکری میں سرکار کا ہی حکم چلتا ہے، لیکن میں آؤں گا آپ سے ملنے، آپ نے مجھے اپنے گھر میں بہت اپنائیت کا احساس دلایا ہے میرا خیال رکھا ہے، اس گھر سے آپ سب سے میں آئندہ بھی رشتہ جوڑے رکھنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا بیٹا! خیر سے جاؤ اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے آمین۔'' نسرین بی بی نے دل سے دعا دی۔

''آمین، شکریہ خالہ!''

''اقبال بھائی ناشتہ۔'' امامہ ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

''شکریہ میری بہن۔'' اقبال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اقبال بھائی! آپ دوبارہ آئیں گے ہم سے ملنے؟'' امامہ نے پوچھا۔

''آؤں گا ضرور آؤں گا میری ایک امانت ہے یہاں وہی لینے آؤں گا۔'' اقبال نے مومنہ کے اداس چہرے کو دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ تینوں خوش ہو گئیں۔

''میں آتی ہوں۔'' نسرین بی بی اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئیں، امامہ بھی مومنہ اور اقبال کو اکیلے میں بات کرنے کا موقع دینے کی غرض سے اٹھ کر باورچی خانے میں گھس گئی۔

''تو......تو جا رہا ہے۔'' مومنہ نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہوں، مجبوری ہے۔''

''اور محبت۔'' مومنہ نے اس کی بھوری آنکھوں میں دیکھا۔

''وہ تو ہے تجھ سے۔'' وہ چائے کا آخری گھونٹ بھر کر بولا۔

''جبھی مجھے چھوڑ کے جا رہا ہے نا۔'' وہ روٹھی تھی۔

''اری پگلی، ہمیشہ کے لئے تھوڑی جا رہا ہوں، واپس آؤں گا میں۔'' وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

''کب آئے گا؟''

''برسات میں۔'' وہ دھیرے سے گنگنایا۔

''سچ۔'' مومنہ نے اس کی صورت کو دیکھا۔

''بالکل سچ۔'' وہ مسکراتے ہوئے ایمانداری سے بولا۔

''چھ مہینے بعد میری بہنوں کی شادی ہے وہ بیاہ کے اپنے گھر رخصت ہو جائیں گی تو میں ماں سے کہوں گا کے میں نے اس کے لئے بہو ڈھونڈ لی ہے اب وہ میرے ساتھ جا کر اپنی بہو کو رخصت کرا کے لے آئیں۔''

''بھلا تو نہیں دے گا مجھے؟'' مومنہ کا دل خوف اور خدشے میں گھرا تھا زبان نے سوال کر ڈالا۔

میں جس دن بھلا دوں تیرا پیار دل سے
وہ دن آخری ہو میری زندگی کا

اقبال نے اس کی بات کے جواب میں یہ شعر گنگنایا تو وہ حیا سے شرخ پڑتے ہوئے بولی۔

''چل جھوٹے۔''

''تیرے سر کی قسم۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''نہ میرے سر کو داؤ پہ کیوں لگا رہا ہے؟'' اس نے ہاتھ کھینچا۔

''تو اور کیسے یقین دلاؤں تجھے؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''بولا تو ہے کہ آؤں گا برسات میں اور تجھے ڈولی چڑھا کے لے جاؤں گا۔''

''نہ آیا تو۔''

''فکر نہ کر تیرا آخری دیدار تو میں ضرور کروں گا اور تیرے جنازے کو کندھا میں ہی دوں گا۔'' وہ اسے تنگ کرنے کو بولا۔

''ہاں آں، جانتی ہوں میں، تو تو میرا جنازہ ہی اٹھا سکتا ہے، ڈولی نہیں اٹھنے کی تیرے سے۔'' وہ ناراض ہوگئی۔

''دیکھو مومنہ، ایسی دل دکھانے والی باتیں نہ کر، مذاق ایک طرف میں نے کہا ہے نا کہ تجھ سے پیار کرتا ہوں اور بیاہ بھی کروں گا تجھ سے تو بس یقین کر لے، اللہ نے چاہا تو میں اپنی دونوں بہنوں کے فرض سے فارغ ہوتے ہی تیرے گھر آؤں گا خالہ سے تیرا ہاتھ اور تیرا ساتھ مانگنے بس تو میرا یقین کریں اور انتظار کریں، کرے گی نا میرا انتظار۔'' اقبال نے اس کا ہاتھ تھام کر نرم اور مدھم لہجے میں سنجیدگی سے کہا۔

''کروں گی، پر سن اتنا انتظار نہ کرائیں کے میں قبر میں جا سوؤں۔'' مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''تجھے قبر میں تو میں ہی اتاروں گا آ۔'' اقبال نے خفگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ کر کہا تو وہ ہنس پڑی۔

''اچھا اب ناراض نہ ہو، ہنسی خوشی جا اور ہنسی خوشی آ، میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک تیرا انتظار کروں گی، لیکن تو میری آخری سانس کا انتظار نہ کرنے بیٹھ جائیں یہاں آنے کے لئے

سنا۔'' مومنہ نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اداسی سے کہا۔

''جو حکم میرے من کی ملکہ، اب اجازت ہے میں جاؤں، رب نے چاہا تو جلد ملیں گے۔'' وہ بہت شوخ لہجے میں بولا۔

''رب راکھا۔'' مومنہ نے نم آنکھوں سے اسے الوداع کہا، اقبال کا دل تڑپ کر رہ گیا اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ کر مگر وہ بھی مجبور تھا اسے جانا ہی تھا۔

وہ نسرین بی بی اور امامہ کو ''خدا حافظ'' کہہ کر جانے لگا تو ریڈیو پر بجتا گانا اس کے قدم روک گیا۔

دیر نہ کرنا کہیں یہ آس ٹوٹ جائے سانس چھوٹ جائے
مل نہ سکے ہائے مل نہ سکے ہم برسات میں
ہم سے ملے تم سجن تم سے ملے ہم برسات میں

گانا مومنہ کے دل کی بات کہہ رہا تھا، اقبال نے مومنہ کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے امید کی ڈور تھما کر وعدے کا دیپ جلا کر وہاں سے بارش میں بھیگتا ہوا نکل گیا، وہ جانتا تھا اس بارش میں مومنہ کے آنسوؤں کا پانی چھلک رہا تھا، یہ بن بادل برسات یونہی تو نہیں ہوئی تھی، یہ سب اس کی اچانک یہاں سے واپسی کے سبب ہی ہوئی تھی، وہ اپنے دل کو سنبھالتا، سمجھاتا اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

اقبال کیا گیا تھا مومنہ کا سکھ چین بھی اس کے ساتھ ہی چلا گیا تھا، اس کے جانے کے ایک ہفتے بعد اس کی خیریت سے پہنچنے کی چھٹی آئی تھی، جسے پڑھ کر وہ مطمئن اور مسرور ہو گئی تھی کہ اقبال کو اس کی فکر تھی جبھی تو اسے لاہور پہنچ کر چھٹی لکھی تھی اور پھر مومنہ کی نظریں دروازے پہ لگی رہنے لگیں، ہر آہٹ پر دل زور سے دھڑکتا، دروازے کی ہر دستک پہ اقبال کے آنے کی خواہش اور انتظار بڑھ جاتا، امامہ اور نسرین بی بی اس کی بے قراریوں پر تڑپ کر رہ جاتیں اور افسردہ ہو جاتیں، اقبال جو اگلی بارش، اگلے ساون اور آنے والی برسات میں آنے کا اسے بیاہ کر لے جانے کا وعدہ کر کے گیا تھا، اس کے صبر و ضبط کے بندھن توڑنے کو تھا، کتنی برساتیں آئیں گزر گئیں پر وہ نہ آیا، جب بھی بارش ہوتی مومنہ دروازے پہ نظریں گاڑھے اقبال کی آمد کی منتظر رہتی، بارش ہو ہو کے تھم جاتی پر وہ نہ آتا اور پھر ایک برسات مومنہ کی آنکھوں سے برسا کرتی رات کی تاریکی اور خاموشی میں تکیے کے سینے پہ سر رکھے وہ اپنے آنسو بہایا کرتی، اس کی دبی دبی سسکیوں سے کئی بار امامہ بھی بے کل ہو جایا کرتی، امامہ اور نسرین بی بی نے تو اقبال کے آنے کی آس ہی چھوڑ دی تھی، وہ مومنہ کو بھی سمجھاتی تھیں کہ اب وہ اقبال کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔

''وہ نہ آیا اب اور کیوں آنے لگا، یتیم مسکین لڑکی کو بیاہنے، اس کی ماں نہیں مانی ہو گی یا اور ہو گی اس کی کوئی مجبوری تو ناحق اپنی آنکھوں کا نور کیوں گنوا رہی ہے اس بے وفا کے پیچھے۔'' نسرین بی بی سمجھاتیں۔

''اماں! وہ بے وفا نہیں ہو سکتا، یہ میرا دل کہتا ہے۔'' مومنہ کھوئے کھوئے لہجے میں کہتی۔

''دل کی خوب کہی تو نے، یہ کم بخت دل ہی تو ہے جو پیار محبت کے معاملے میں بے ایمان ہو جاتا ہے، سارا کیا دھرا اس دل ہی کا تو ہے۔'' نسرین بی بی چڑ کر کہتیں۔

''ہاں جب تک دل دھڑکتا ہے تب تک انتظار تو رہتا ہے نا اماں! جس دن دل بند ہو گیا انتظار بھی اپنے آپ ہی بند ہو جائے گا، ختم ہو جائے گا۔'' مومنہ افسردگی سے کہتی تو اماں کا دل

ڈھل جاتا۔

''پتا نہیں کون سی برسات میں آئے گا تیرا ساجن؟'' امامہ بھی چڑ کر کہتی تو مومنہ اداس لہجے میں آس کی لو جگائے کہتی۔

''وہ ضرور آئے اس نے برسات میں آنے کا وعدہ کیا تھا۔''

پھر سے ساون کی جھڑی لگی تھی، برسات کا موسم شروع ہو گیا تھا اور مومنہ کے دل پہ اقبال کی محبت کی یادیں رم جھم کرتی اس کے سارے زخم ہرے کرنے لگیں تھیں، دل خوش بھی تھا مغموم بھی تھا، خوش اس لئے تھا کہ اسے یقین کی تھپکیاں مل رہی تھیں کے اب کی برسات میں اس کے دل کا میت ضرور آئے گا اور مغموم اس لئے تھا کہ اگر اب کی بار بھی وہ نہ آیا تو پھر مزید ضبط وصبر کا پارا نہ رہے گا، اس کی ہمت اور محبت دونوں ہی انتظار کرتے کرتے تھک چکی تھیں اب تو صرف وصل کی نوید ہی اس کے تھکے ماندے وجود میں زندگی کی تازہ روح پھونک سکتی تھی۔

نسرین بی بی دکان پہ آئے گاہکوں کو بیسن اور گھی دینے کے بعد دکان بند کر کے اندر آئیں تو امامہ فرمائش کرنے لگی۔

''اماں! پکوڑے بنا لو نا آج، سب کے گھر پکوڑے بن رہے ہیں۔''

''سالن جو پکا رکھا ہے وہ کون کھائے گا؟'' وہ پلنگ پہ بیٹھ گئیں۔

''اماں! وہ کل کو کھا لیں گے ناں۔'' امامہ نے کہا۔

''کل تک خراب ہو جاوے گا یہاں کون سا فریج ہے جو سنبھال کے رکھ لیں گے؟'' نسرین بی بی نے پلنگ میں ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے کہا تو وہ تیزی سے بولنے لگی۔

''اوہو اماں! ابھی تو دن کے گیارہ بجے ہیں پکوڑے پیٹ تھوڑی بھریں گے رات میں کھا لیں گے سالن اور دیکھو بارش کی وجہ سے کتنی ٹھنڈک ہو گئی ہے نہیں ہوتا بیگن کا بھرتہ خراب، میری اچھی اماں ابھی تو پکوڑے بنا لو نا قسم سے بہت دل چاہ رہا ہے، بارش میں پکوڑے کھانے کا اپنا ہی مزہ ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے، مومنہ سے کہہ بیسن گھول لے۔'' نسرین بی بی کو اس کی ضد کے آگے ہار ماننا ہی پڑی۔

''مومنہ تو بارش میں نہا رہی ہے وہ نہیں کچھ کرنے کی۔'' امامہ نے انہیں مومنہ کی بابت بتایا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''ایک تو اسے بارش میں نہانے کی اللہ جانے کیا بیماری ہے؟'' نسرین بی بی بڑبڑاتی ہوئی پلنگ سے اتر کر باہر برآمدے میں چلی آئیں اور صحن میں بارش میں بھیگتی مومنہ کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں مخاطب ہوئیں۔

''اری او مومنہ! اندر آ جا، کپڑے بدل، بیمار پڑے گی کیا؟ یہ آخری غسل نہ ہو تیرا آسمان تلے، اری سن رہی ہے؟ بارش میں نہانا جوان لڑکیوں کو زیب دیتا ہے کیا؟''

''اماں! بارش میں نہانا جوانوں کو ہی تو زیب دیتا ہے اب بھلا بوڑھے یا تمہاری عمر کے لوگوں کو کیا پتا کے بارش کا مزا اور رومان کیا ہوتا ہے؟'' مومنہ نے بارش کے پانی کو ہاتھوں میں جمع کر کے فضا میں اچھالتے ہوئے کہا۔

''بچی! ہم پیدائشی بڈھے اور عمر رسیدہ نہیں ہیں، ہم پہ بھی جوانی آئی تھی، یہ برساتیں ہم نے بھی دیکھ رکھی ہیں، یہ ساون کے برسات کے موسم ہم پہ بھی آئے تھے کبھی، سوائے دکھ کے کچھ نہیں دیتے، ایک جھڑی آسمان سے لگتی ہے تو ایک جھڑی آنکھوں سے لگتی ہے، کس میں کون بہہ

جائے کیا خبر؟ وہ نہیں آنے کا اب، کرایے دار تھا تو نے دل کا مالک بنا ڈالا گھر کا کمرہ کرایے پہ دیا تھا تو نے تو دل کا کمرہ بھی اس کے حوالے کر دیا بنا کرایے بھاڑے کے، اگلا قبضہ بھی کر گیا اور نارسائی کا، ہجر کا دکھ بھی دے گیا۔'' نسرین بی بی نے وہیں کھڑے کھڑے تاسف اور دکھ سے بھرے لہجے میں کہا تو وہ اداسی سے بولی۔

''اماں! اس نے کہا تھا وہ آئے گا ضرور آئے گا، وہ برسات میں ہی آنے کا وعدہ کر کے گیا تھا۔''

''کتنی برساتیں آئیں اور گزر گئیں وہ نہیں آیا نا، تو بھی گزر جاوے گی پر وہ نہیں آنے گا۔'' نسرین بی بی تپ کر بولیں۔

''وہ آئے گا اماں! ہاں اماں وہ کہتا تھا تیرے جنازے کو کندھا میں ہی دوں گا۔'' وہ ان کے پاس آکر جوش سے بتانے لگی، نسرین بی بی اور امامہ کو اس وقت اس کی ذہنی کیفیت پر شبہ ہونے لگا۔

''اچھا تو وہ تیرے مرنے کا انتظار کر رہا ہے کہ کب تیرے مرنے کی خبر جائے اور وہ یہاں آ کے اپنا کہا پورا کرے۔''

''وہ آئے تو اماں! میں مرنے کو بھی تیار ہوں۔'' مومنہ نے دلگیر اور اداس لہجے میں کہا۔

''چل اندر جا کے کپڑے بدل، مرن جوگی دل کو روگ لگا کے بیٹھ گئی ہے۔'' نسرین بی بی نے قدرے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''اچھا اماں!'' وہ کپڑے بدلنے چلی گئی اور نسرین بی بی کی نگاہیں آسمان سے برستی طوفانی بارش کو دیکھتے ہوئے تشویش میں مبتلا ہونے لگیں تھیں۔

صبح سے رات ہوگئی تھی مگر بارش تھی کے تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی، بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گھن گرج بہت خوفناک تھی، امامہ کو نسرین بی بی کے ساتھ ان کے بستر میں لیٹ گئی تھی، مومنہ دوسرے کمرے میں تھی جہاں وہ اور امامہ سویا کرتی تھیں اور جب بھی امامہ کو ڈر لگتا وہ اماں کے پاس جا کے سو جاتی تھی، مومنہ سونے سے پہلے چاروں قل اور آیت الکرسی، درود پاک پڑھتی تھی اور پڑھتے پڑھتے اس کی آنکھ لگ جایا کرتی تھی جبھی اسے کبھی ڈر بھی نہیں لگتا تھا۔

''اے مومنہ تو بھی ادھر آ جا، وہاں اکیلی کیوں پڑی ہے؟'' نسرین بی بی کو مومنہ کی فکر ہوئی تو لیٹے لیٹے آواز لگائی۔

''میں ادھر ہی ٹھیک ہوں اماں، آپ سو جائیں گے۔'' مومنہ نے جواب دیا۔

''ہاں جانتی ہوں کتنی ٹھیک ہے تو، رات بھر آسمان برسے گا اور شب بھر تیری آنکھیں برسیں گی اس شہری بابو کی یاد میں، جانتی ہوں کتنا دکھا ہو گا آج بھی تیرا دل وہ نہیں آیا نا اور کیوں آنے لگا ایک غریب لڑکی کو خواب دکھا کے چلا گیا، یہ بھی نہیں سوچا کے اس غریب کے پاس تو نیند ہی اپنی تھی اب وہ نیند بھی نہ رہی، ہائے میری بچی! یا اللہ! بھیج دے اس اقبال حسن کو میری مومنہ کی آنکھوں کی برسات تھم جائے اب تو بہت برس لیں اس پگلی کی آنکھیں، بس اب بس کر دے مولا۔'' نسرین بی بی خود کلامی کر رہی تھیں، اللہ کو بھی مخاطب کر رہی تھیں اور مومنہ کے نصیب اور حال پہ بھی دکھی ہو رہی تھیں، امامہ بھی افسردگی سے بولی۔

''کہا بھی تھا مومنہ سے کہ، احتیاط سے محبت کرنا، یا محبت سے احتیاط۔''

''پر بے سود رہا سمجھانا، محبت ہو جائے تو پھر احتیاط کہاں ہوتی ہے؟''

''بس مالک! اب تو یہ برسات تھم جائے

بہت برس لیا ساون، جل تھل ہو گیا تن من، یہ بارش تو دل ڈبونے کو ہے۔" نسرین بی بی با آواز بول رہی تھیں، امامہ آیت الکرسی پڑھتے ہوئے آنکھیں بند کر سونے کی کوشش کرنے لگی، بارش کے شور نے کڑکتی بجلیوں کی چیخوں اور ہواؤں سرکشی نے انہیں سونے ہی نہ دیا۔

رات کا پہر تھا شاید جب وہ تینوں نیند کی وادی میں اتری تھیں، ابھی نیند گہری بھی نہ ہوئی تھی کے ایک زور دار دھماکے کی آواز نے انہیں ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا، نسرین بی بی اور امامہ کو لگا جیسے زلزلہ آیا ہو۔

زلزلہ تو آیا تھا نسرین بی بی کے گھر میں، ان کی اور امامہ کی زندگیوں میں جس نے ان کا رہا سہا سکھ چین جینے کا آسرا اور ہنسنے بولنے کی امید تک ان سے چھین لی تھی، ان کی زندگی تباہ کر دی تھی، دل تہس نہس ہو گئے تھے، وہ تین سے دو ہو گئیں تھیں، لالٹین کی پیلی روشنی اور گلی میں کھڑے بجلی کے کھمبے پر جلتے سرکاری بلب کی روشنی میں انہیں اپنے اوپر ٹوٹنے والی قیامت کا اندازہ ہو رہا تھا، مومنہ جس کمرے میں اکیلی سوئی تھی اس کمرے کی چھت زمین بوس ہو گئی تھی، چھت کا ملبہ مومنہ کے نازک وجود کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا، مومنہ ابدی نیند سو چکی تھی اس بات کا یقین ہو گیا تھا نسرین بی بی اور امامہ کو پھر بھی وہ ہلکی سی آس کا دامن تھامے چیختی ہوئی گرے ہوئے ملبے سے مومنہ کو نکالنے کے لئے دوڑی تھیں، محلے والے بھی ان کی چیخ و پکار اور چھت گرنے کی خوفناک دل دہلا دینے والی آواز سن کر گھروں سے باہر نکل آتے تھے اور اسی گھر پہ ٹوٹنے والی قیامت پر انگشت بدندان اور دکھی تھے۔

"مومنہ...... مومنہ...... میری بچی...... یا اللہ!...... میری بچی کو کچھ نہ ہو...... یا اللہ رحم۔" نسرین بی بی روتے چیختے ہوئے پاگلوں کی طرح مومنہ پر سے چھت کا ملبہ ہٹا رہی تھیں، محلے والے بھی ان کی مدد کو آ گئے تھے چند منٹوں میں مومنہ کا بے جان ٹھنڈا جسم ملبے کے ڈھیر سے برآمد ہو گیا تھا، مگر وہ دنیا کے جھمیلوں سے آزاد ہو چکی تھی، نسرین بی بی اور امامہ اس کے بے جان وجود میں سانسوں کی حرارت ڈھونڈنے کی کوشش رو رو کر ہلکان ہو رہی تھیں، آسمان جو ذرا دیر کو تھما تھا پھر سے اس کی آنکھیں برسنے لگیں شاید وہ بھی اپنی اس ستم ظریفی پہ آنسو بہا رہا تھا کے اس کی تندی و تیزی کی وجہ سے ایک معصوم لڑکی ابدی نیند سو گئی تھی، کچے گھر کی چھت ہی نہیں گری تھی اس لڑکی کے کچی عمر میں دیکھے گئے خوابوں کا آسمان بھی زمین بوس ہو گیا تھا، حیرت کی بات یہ تھی کہ مومنہ کے جسم پہ سر سے پاؤں تلک زخم کا ایک بھی نشان نہیں تھا، وہ ملبے کے بوجھ تلے دم گھٹنے سے مر گئی تھی، یا اپنے دل کے میت کے انتظار میں اس کی سانسیں چلتے چلتے تھک گئیں تھیں، آس ٹوٹ گئی تھی اور سانس بھی ٹوٹ گئی تھی۔

موت بھی کتنی طاقتور ہوتی ہے ایک پل میں سب کچھ ختم کر دیتی ہے، ہر جذبہ، ہر رشتہ ہر احساس فنا کر ڈالتی ہے، مومنہ جو ایک عرصے سے درد دل سہتی آ رہی تھی آج اس درد سے اس ذہنی و قلبی اذیت و بے قراری سے، انتظار کے جاں گسل لمحوں سے نجات پا گئی تھی، اہل محلہ کے چند معززین نے مومنہ کی تدفین کا بندوبست کر دیا تھا، میت تیار تھی اور ہر آنکھ اشکبار تھی، مومنہ کی ماں اور بہن کے بین ان کے آنسو اور آہیں ہر ایک کا دل دکھ سے اور آنکھ اشکوں سے بھر رہی تھیں، ہر کوئی مومنہ کی جوان موت پر غمزدہ اور سوگوار تھا، گھر کے چھوٹے سے صحن سے اہل محلہ کا

ہجوم تھا، سفید کفن میں لپٹی مومنہ چارپائی پر لیٹی تھی، ہر جذبے اور احساس سے بہت دور اپنی آخری آرامگاہ جانے کے لئے تیار تھی۔

''اماں! اقبال بھائی۔'' اچانک امامہ کی نظر دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے اقبال حسن پر پڑی تو وہ حیرت سے چونکتے ہوئے نسرین بی بی کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر بولی۔

نسرین بی بی نے اشکبار آنکھوں سے دیکھا وہ اقبال ہی تھا حیرت سے گنگ، صدمے سے سفید پڑتا ہوا، دکھ، بے بسی اور پچھتاوے کے احساس سے مرتا، تڑپتا ہوا، وہ تو اسے اپنی دلہن بنانے آیا تھا اور وہ کفن پہنے اپنے سفر آخرت پہ جانے کو ابدی رخصتی کے لئے تیار تھی۔

''فکر نہ کر تیرے جنازے کو کندھا میں ہی دوں گا۔'' ان تینوں کی ساعتوں میں ایک ساتھ یہ جملہ گونجا تھا۔

''تو یہ مومنہ کی، میت کو کندھا دینے اور اسے قبر میں اتارنے کو آیا ہے، ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا کہ مومنہ کی میت کو کندھا دینے ضرور آوے گا، لے مومنہ آگیا تیرے دل کا میت تیری میت کو کندھا دینے، تجھے لحد میں اتارنے، دیکھ میری بچی، تیرا کہا سچ ہوگیا وہ آگیا ہے تیرے جنازے کو کندھا دینے۔'' نسرین بی بی دل ہی دل میں مومنہ سے مخاطب تھیں اور تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔

اقبال حسن مرے مرے قدموں سے چلتا آگے آیا تھا، مومنہ کی میت کو اس کے کفن میں سے جھانکتے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے لب آہستگی سے ملے۔

''مو......منہ۔'' مومنہ کے چہرے پر گہرا سکون، سناٹا اور اطمینان جھلک رہا تھا، شاید اس یقین سے کے اقبال آگیا تھا اس کی میت کو کندھا دینے، اقبال نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے بکھرنے سے سب کے سامنے رونے سے باز رکھا ہوا تھا، محلے والے اقبال کو پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے، کچھ کو یاد آگیا تھا کہ وہ نسرین بی بی کا کرایے دار تھا کبھی۔

''مومنہ! میں برسات میں آگیا ہوں لیکن تو کہاں چلی گئی ہے، میرا مذاق تقدیر نے سچ کیوں کر دکھایا؟ کیوں مومنہ، تھوڑا سا انتظار اور کیا ہوتا، اتنی بڑی سزا دے ڈالی مجھے دیر کرنے کی، اب میں کیسے جیئوں گا میں تو......سارے کام نبٹا کے آیا تھا تجھے ڈولی چڑھانے، تو نے مجھے ہی نبٹا دیا، ادھر تو سب کچھ نبیڑ کے چل دی۔''

''ہاں آں، جانتی ہوں میں، تو تو میرا جنازہ ہی اٹھا سکتا ہے ڈولی نہیں اٹھنے کی تیرے سے۔''

''سن اتنا انتظار نہ کرائیں کے میں قبر میں جا سوؤں۔''

''میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک تیرا انتظار کروں گی، لیکن تو میری آخری سانس کا انتظار نہ کرنے بیٹھ جائیں یہاں آنے کے لئے سنا۔'' مومنہ کی کہی باتیں اسے یاد آ رہی تھیں، تڑپا رہی تھیں۔

''فکر نہ کر تیرا آخری دیدار تو میں ضرور کروں گا اور تیرے جنازے کو کندھا میں ہی دوں گا۔'' اقبال اپنی ہی بات کو یاد کرکے تڑپ کر رو دیا۔

''مومنہ! مجھے معاف کر دے میں نے تجھے بہت انتظار کرایا اتنا کہ تو دنیا سے ہی روٹھ گئی، میں اپنے کاموں میں لگا رہا اور قضا نے اپنا کام کر دکھایا، تو نے ٹھیک کہا تھا میں تو تیرا جنازہ ہی اٹھا سکتا ہوں، ڈولی اٹھانے کا دم نہیں ہے مجھ میں۔''

وہ بے بسی سے روتا ہوا اس کے آخری دیدار کے بعد نسرین بی بی اور امامہ کو اشکبار آنکھوں سے

دیکھنے لگا، جیسے ان سے معافی مانگ رہا ہو۔
بعض اوقات منہ سے نکلی بات بھی سچ ثابت ہو جاتی ہے مومنہ اور اقبال نے مذاق مذاق میں جو باتیں کہی تھیں وہ سب کی سب پوری ہو گئیں تھیں، اقبال آیا تو تھا اپنے وعدے کے مطابق برسات میں ہی آیا تھا، مگر مومنہ بھی اپنی کہی ہوئی باتوں کے مطابق اسے دفنائے جانے کو تیار ملی تھی، اس نے اپنی آخری سانس تک اقبال کا انتظار کیا تھا، شاید ایک آدھ برسات اور نکال لیتی اسے ملنے کی آس، امید اور انتظار میں، مگر برا ہو، اس عمر رسیدہ بوسیدہ اور زخم خوردہ چھت کا جو مزید کسی برسات کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی سو گھٹنے ٹیک دیئے بے چاری چھت نے اور سانسیں ہار دیں انتظار کی ماری مومنہ نے اور اب اس کی میت دفنائے جانے کو تیار تھی۔

دیر نا کرنا کہیں یہ آس ٹوٹ جائے
سانس چھوٹ جائے
مل نہ سکے ہائے، مل نہ سکے ہم
برسات میں، برسات میں
ہم سے ملے تم صنم، تم سے ملے ہم
برسات میں

دور کہیں ساعتوں میں مومنہ کے ریڈیو پر بجنے والا یہ گیت گونج رہا تھا اور اقبال کا دل بند ہو رہا تھا، ادھر اہل محلہ میت کو لیجانے کے لئے نسرین بی بی سے اجازت مانگ رہے تھے، اقبال نے تڑپ کر مومنہ کے چہرے کو دیکھا تو اسے لگا جیسے وہ اس سے کہہ رہی ہو۔
''آ گئے میری میت کو کندھا دینے، لو کر لو میرا آخری دیدار وہ بھی برسات میں۔''
''مومنہ!'' اقبال ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا، وہ خوشی خوشی آیا تھا، اب آزردگی کی تصویر بنا ہوا تھا، اس کا روم روم درد و جدائی کی آگ میں جل رہا تھا۔
''میت کو کندھا دینے کون کون آئے گا؟''
ایک کراری مردانہ آواز نے اقبال کو متوجہ کیا تھا، وہ خاموشی سے میت کے سرہانے آ گیا۔
نسرین بی بی اور امامہ کی چیخیں بلند ہو گئیں تھی، کلمہ شہادت کی آواز کے ساتھ میت جنازہ گاہ لے جانے کے لئے اٹھا لی گئی، اقبال بھی میت کو کندھا دینے والوں میں شامل تھا، بارش پھر سے شروع ہو گئی تھی اور یہ بھی غنیمت تھا کہ بادل کی برسات میں اقبال کی آنکھوں سے ہونے والی برسات کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی اور وہ محبت جو اقبال اور مومنہ کے بیچ پروان چڑھی تھی برسات میں آج وہ محبت اپنے انجام پہ نوحہ کناں اور اشکبار تھی اور اسی دوہری برسات میں مومنہ کو لحد میں اتارتے ہوئے اقبال نے اپنا دل بھی اس کے ساتھ لحد میں اتار کر دفن کر دیا تھا اور اس پر صبر اور معافی کی مٹی ڈال دی تھی۔
معافی مومنہ سے مانگی تھی دیر سے آنے پر اور صبر تو اب اسے ساری عمر کرنا تھا کہ آنے والی ہر برسات میں اس کے زخم ہرے ہونے تھے اور آنکھوں سے بھی جھڑی لگنی تھی برسات میں۔

☆☆☆

آگہی کا ایک پل
رابعہ عمران چوہدری

"آج کل ہم آئسکریم کھانے چلیں گے پارو کو بھی لے چلیں گے۔" طیبہ نے اپنے چھوٹے بھائی حمزہ سے کہا۔

"مگر کاجل مجھے تو پاروتی اچھی نہیں لگتی مجھے، مجھے کویتا اچھی لگتی ہے۔" حمزہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"مگر اجھے پاروتی کو تو تم بہت اچھے لگتے ہو اور مجھے بھی پاروتی اور اس کا بھائی سمیر بہت اچھا لگتا ہے۔" طیبہ نے اپنی پینٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر گھومتے ہوئے کہا۔

سمیر اور عروج ان کے نیبرز میں رہتے تھے اور زیادہ تر ان کے گھر پائے جاتے تھے۔

"اوکے یار جیسے تمہاری مرضی، مام اور ڈیڈ کو بتا دینا کل سنڈے ہے ہم سنڈے کو خوب انجوائے کریں گے۔" حمزہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

سلطانہ بیگم جو تسبیح کرنے میں مصروف تھیں مگر دھیان حمزہ اور طیبہ کی باتوں کی طرف لگا ہوا تھا۔

"بہو...... اے بہو...... یہاں آؤ ذرا۔" سلطانہ بیگم نے غصے سے بہو کو آواز دی۔

"جی اماں جی میں کچن میں بچوں کے لئے کسٹرڈ بنا رہی تھی۔" شازیہ نے بے زار ہو کر جواب دیا۔

"بہو ذرا بچوں پر توجہ دو، کیبل دیکھ دیکھ کر ویسے ہی بولنے لگتے ہیں، حمزہ چھٹی میں اور طیبہ ماشاء اللہ ساتویں میں ہے، اب بچے، بچے تو نہیں رہے اب یہ بڑے ہو رہے ہیں انہیں کچھ طور طریقے سکھاؤ، اب بھی دکھو تو آتے سے بچے اور باتیں کیسی کر رہے ہیں۔" سلطانہ بیگم نے ناک پہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہو گیا ہے اماں جی صرف بول ہی رہے ہیں ناں یہ بھی بچوں کے کھیلنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے، بلکہ بچوں کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آتی ہیں کہ کیسے وہ ہر بات کو فوراً پک کر لیتے ہیں۔" شازیہ نے اپنے تئیں بہت اچھی بات کی، مگر سلطانہ بیگم کو بہو کی بات بالکل پسند نہ آئی۔

"میں اتنی اچھی کتابیں لا کر دیتی ہوں ان کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے کہ اس میں سے کوئی اچھی بات ہی پک کر لیں، بہو بیگم برائی میں کشش ہوتی ہے ذرا توجہ دو ان پر، اس عمر میں ایسی باتیں سیکھیں گے تو ذہن پر اچھا اثر نہیں پڑے گا۔" سلطانہ بیگم نے شازیہ کو گھورتے ہوئے کہا، تو شازیہ کو پتنگے لگ گئے۔

"آج کل کے جدید دور میں بھلا کتابیں پڑھنے کا وقت کس کے پاس ہے، کمپیوٹر ہیں بچے کمپیوٹر زیادہ پسند کرتے ہیں، اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔" شازیہ نے سلگتے انداز میں جواب دیا۔

"ارے وہ پہلے سے زیادہ پڑھی جاتی ہیں کتابیں اور آج کل کے بچوں کے کھیل بھی نرالے ہیں، پہلے تو بچے رسا کودتے، بنٹے کھیلتے، لڈو، سٹاپو اور لڑکے تو کرکٹ گلی ڈنڈا، یہ سب اچھے کھیل ہی تھے، اب یہ موئے کمپیوٹر نکل آئے، ان کی وجہ سے بچوں کو کھیلنے کا وقت ہی نہیں ملتا، ورنہ بیڈمنٹن کھیلنے سے بچوں کی ذہنی اور جسمانی ورزش ہوتی ہے، بچے کا ذہن تیز ہوتا ہے چاک و چوبند رہتے ہیں مگر آج کل کے دور میں تو بس ٹی وی کے آگے بیٹھ جاؤ، عامر کو بس ہر وقت کمپیوٹر کے آگے بیٹھے رہنا پسند ہے، اور تم ہو تو خیر سے موبائل پر ہی اپنی آنکھیں اندھی کروا لو گی، موبائل نہ ہوں تو مائیں بچوں پر توجہ دیں چوبیس گھنٹے موبائل کی ٹوں ٹوں بجتی رہتی ہے۔" سلطانہ بیگم نے اپنے دل کی بات منہ پر ہی دے ماری۔

"اچھا اماں آپ تو بس ہاتھ دھو کر میرے

بچوں کے پیچھے لگ گئی ہیں، اب بچوں کو گھٹا گھٹا ماحول ملے گا تو وہ آگے کیا خاک پڑھیں گے۔''
شازیہ بڑبڑاتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔
''ارے ہاں شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دو بچوں کو، جو کچھ مرضی کرتے پھریں، جیسے خود بے لگام ہے ویسے ہی بچے بے لگام، میں لگتی تو بری ہوں ناں، مگر تمہارے ہی فائدے کو کہتی ہوں اولاد جوان ہو رہی ہو تو اس کا خیال رکھنا پڑھتا ہے، ورنہ اس عمر کے بگڑے بچے کبھی نہیں سدھرتے، میں بچوں کے پیچھے یونہی نہیں لگ گئی، ارے میری تو جان ہے ان میں، بھلا میں ان کا برا سوچوں گی۔'' سلطانہ بیگم نے آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو صاف کیا اور دوبارہ تسبیح کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

☆☆☆

''پاپا یہ دیکھیں پاروتی کی بندیا کتنی پیاری لگ رہی ہے ناں؟'' عامر آفس سے آکر کمپیوٹر پہ مصروف تھا، اچٹتی نظر چھوٹی عروج پر ڈالی جو پاروتی بنی مسکرا بلکہ شرما رہی تھی، عامر مسکرا کر پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔
''پاپا ہم ساتھ والے پارک میں چلے جائیں آئسکریم کھانے کے لئے۔'' حمزہ نے عامر کے گالوں پہ کس کرتے ہوئے کہا۔
''مگر اکیلے جاؤ گے کیا؟'' عامر نے کمپیوٹر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔
''پاپا میں اور عروج، سمیر، طیبہ اور ساتھ ہمارا باڈی گارڈ ہے ناں وہ رامیش۔''
''او کے بیٹا جلدی آجانا، ساڑھے چھ ہو رہے ہیں، گھنٹے تک آجانا اور اپنی ماما سے پیسے بھی لیتے جاؤ۔'' عامر نے سابقہ مصروف انداز میں کہا، سارے بچے باہر کی طرف بھاگے۔
''مما پلیز جلدی سے پیسے دے دیں۔''
شازیہ نے انہیں پیسے دے کر روانہ کیا اور خود فون پر سہیلی سے باتیں کرنے لگی۔
سلطانہ بیگم سب کچھ دیکھ کر بھی چپ بیٹھی رہیں مگر اب ان کی برداشت جواب دیتی جا رہی تھی۔
''شازیہ بہو بچی کو دوپٹہ لینے کی عادت ڈالواؤ یوں سڑکوں جیسے حلیے میں گھومنا اچھی بات نہیں ہے۔'' سلطانہ بیگم نے حتی المقدور لہجے کو نرم رکھا۔
''اماں جی چھوٹی سی بچی کہاں سنبھالتی پھرے گی دوپٹے کو، اسے شوق ہی نہیں ہے تو میں کیا کروں۔'' شازیہ نے لاپروائی سے کہا۔
سلطانہ بیگم خاموشی سے دانے گرانے لگی اور مگر دل میں ہر وقت ایک دھڑکا سا لگا رہتا وہ ہر لمحے اپنے بچوں کی خیر مانگتی، اب بھی وہ پریشانی کے عالم میں دعا مانگنے میں مصروف ہو گئیں۔

☆☆☆

سلطانہ بیگم اور عبداللہ کا ایک ہی بیٹا تھا، عامر، اکلوتا ہونے کی وجہ سے ان کی آنکھ کا تارا تھا، عبداللہ کو ہارٹ اٹیک ہوا جب عامر پانچ برس کا تھا، برا وقت کب بتا کر آتا ہے، سلطانہ بھی حالات کے تھپیڑوں کی زد میں آ گئی، تمام رشتے داروں نے اس کڑے وقت میں ان کا ساتھ نہ دیا، مگر سلطانہ بیگم نے ہمت نہ ہاری، سلائی، کڑھائی کر کے صبر و شکر کے ساتھ وقت گزارا اور عامر کو اچھی سے اچھی تعلیم دلوائی، عامر کی نوکری لگ گئی تو سب رشتے دار سلطانہ بیگم کے ساتھ مراسم بڑھانے لگے۔
مگر عامر کا سخت رویہ تعلقات کو بڑھا نہ سکا، یوں پھر سلطانہ بیگم نے عامر کے لئے لڑکیاں دیکھنی شروع کر دیں، شازیہ، عامر کے آفس میں ہی کام کرتی تھی، عامر نے ماں سے کہا تو سلطانہ

بیگم خوشی خوشی شازیہ کے گھر گئیں، یوں عامر اور شازیہ کی شادی ہو گئی، شروع شروع میں شازیہ ٹھیک رہی، ویسے بھی وہ ہر معاملے میں اچھی بہو ثابت ہوئی، سلطانہ بیگم کے کھانے پینے کا ان کے ہر کاموں کر بروقت کرتی تھی، مگر چونکہ وہ حجاب کرتی رہی اس لئے تھوڑی سی براڈ مائنڈڈ تھی، سلطانہ بیگم کی طبیعت پر اس کی کچھ حرکتیں بہت ناگوار گزرتیں، کبھی کبھی وہ شازیہ کو ٹوک بھی دیتیں، مگر شازیہ وہی کرتی جو اس کا دل چاہتا، یوں کبھی کبھار وہ غصے سے بولنے لگ جاتیں، جس پر شازیہ برا مان جاتی۔

طیبہ پیدا ہوئی تو سلطانہ بیگم بہت خوش ہوئیں، وہ روایتی ساس کی طرح لڑکی کی پیدائش پر منہ بنانے والی نہ تھیں بلکہ سلطانہ بیگم نے طیبہ کے پیدا ہونے پر بہت خوشیاں منائیں، حمزہ پیدا ہوا تو ان کی فیملی مکمل ہو گئی، سلطانہ بیگم بہت خوش تھیں اور ہر وقت بچوں کو سنبھالنے میں مصروف رہتیں، مگر جو ہی بچوں نے ذرا قد کاٹھ نکالا تو ان کے ہاتھ سے نکلنے لگے، سلطانہ بیگم کو گھر میں کیبل کی موجودگی بہت بری لگتی اور کئی دفعہ منع کر چکنے کے باوجود کیبل موجود تھی۔

''ارے میں کہتی ہوں بچوں کا گھر ہے یہ موئی کیبل کٹوا دو تو، کیسی بے ہودگی ہے، بچے گانے لگا کر بیٹھ جاتے ہیں ان منحوس لڑکیوں نے تو ایسے واہیات کپڑے پہنے ہوتے ہیں، خدا کی پناہ، ماں بھی بچوں کو ساتھ بٹھائے گانے دیکھتی ہے، بری تو میں لگوں گی، مگر بچے یہ اچھی بات نہیں ٹی وی کے ذریعے یہ ہندو لوگ مسلمانوں کا مستقبل خراب کر رہے ہیں، یہ بچے تو ہمارا آنے والا کل ہیں، ان کو ایسی خرافات سے دور ہی رکھو کیونکہ بچے ہر اچھی بری بات کو فوراً پک کرتے ہیں۔'' سلطانہ بیگم محبت سے بہو کو سمجھا رہی تھیں، بیٹے کو کیا کہتیں کہ وہ تو سارا دن گھر سے باہر رہتا ہے، کام سے آتا تو اتنا تھکا ہوا اور آتے ہی مصروف ہو جاتا، سو اس سے کہنے کا کیا فائدہ بچے تو زیادہ وقت ماں کے ساتھ گزارتے اور تربیت تو ماں کی گود سے گھر سے شروع ہوئی ہے ناں، سلطانہ بیگم کا انداز فکر والا تھا۔

''ماں جی کیبل پر بچوں کے لئے کارٹون آتے ہیں، عامر نیوز سنتے ہیں، پھر میں بھی گھر میں کبھی بور ہو جاتی ہوں تو چلو کچھ چینل گھما کر دیکھ ہی لیتی ہوں، طیبہ اور حمزہ ابھی بہت چھوٹے ہیں ان کو بھلا گانوں اور فلموں کی کیا سمجھ ہو گی، اب میں ماں ہوں کیا مجھے فکر نہیں ہوتی آپ تو خواہ مخواہ ہی پریشان ہو جاتی ہیں اور ہاں میں نے آپ کے لئے سوٹ سلوایا ہے، کل حمزہ کا برتھ ڈے ہے ناں۔'' شازیہ نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

''ارے بہو کیا ضرورت تھی اتنے کپڑے تو ہیں میرے، اچھا چلو تمہاری خوشی کے لئے پہن لوں گی۔'' سلطانہ بیگم نے بہو کے تیور دیکھتے ہوئے کہا کہ کہیں بہو ناراض ہی ناں ہو جائے، سلطانہ بیگم کہنا چاہتی تھیں کہ کیا ضرورت ہے سالگرہ منانے کی، ان کو ایسی فضول تقریبات بالکل پسند ناں تھیں مگر بچوں کی خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ہمیشہ کی طرح خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆

سالگرہ پر بہت سے لوگ آئے تھے، سلطانہ بیگم اتنا ہجوم دیکھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں، عامر نے محسوس تو کیا مگر ماں کی الگ تھلگ رہنے والی طبیعت سے وہ واقف تھا، سو خاموش رہا، طیبہ، عروج اور ثناء نے ڈانس بھی کیا، فنکشن بہت دیر تک جاری رہا۔

طیبہ کی سلیولیس دیکھ کر تو سلطانہ بیگم نے شور

مچا دیا، عامر نے ماں کو سمجھایا کہ اب ایسا نہیں ہوگا مگر شازیہ بہت بولی۔

''اماں جانے کس زمانے کی باتیں کرتیں ہیں عامر، تم خود سوچو اتنی بڑی بڑی فیملیز نے آنا تھا، کیا طیبہ کو دوپٹہ اوڑھا دیتی؟ ان سب کی بیٹیاں نہیں تھیں کیا، وہ لائبہ اور کائنات کو دیکھا تھا اماں تو بس ہمیشہ مجھ میں خامیاں نکالتی رہتی ہیں۔'' شازیہ رونے لگی۔

''بیٹا کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی چال بھی بھول گیا، لائبہ، کائنات جو کچھ مرضی کریں، ہم کیا جانتے بوجھتے یوں اندھے کنویں میں کود پڑیں۔'' سلطانہ بیگم نے غصے سے کہا۔

عامر ہمیشہ ماں کی ہاں میں ہاں ملاتا تھا، مگر فی الوقت اسے شازیہ کی باتیں بھی ٹھیک لگیں، شازیہ بہت شدت سے رو رہی تھی سو عامر پریشان ہو گیا۔

''کمال ہو گیا اماں جی اب زمانہ بدل گیا ہے آپ بھی حد کر دیتی ہیں، بچے تو ہیں ابھی، اور شازیہ کو کون سا نا سمجھ ہے، آخر وہ اپنے بچوں کا برا تو نہیں چاہے گی ناں۔'' عامر نے ذرا نرمی سے ماں کو سمجھایا۔

''اچھا بیٹا آئندہ میں کچھ نہیں کہوں میں تو بھول ہی گئی ہوں اب زمانہ بدل چکا ہے، مگر میری بات یاد رکھنا، زمانہ اب بھی وہی ہے، لوگ بدل چکے ہیں، لوگوں نے مل کر زمانہ بھی بدل دیا ہے اور اس بات کا نقصان سبھی کو ہوگا، کچھ لوگ جلدی سمجھ جاتے ہیں کچھ لوگ ٹھوکر کھا کر سمجھتے ہیں۔'' سلطانہ بیگم نے در پردہ شازیہ کو سنایا۔

یوں لڑائی کا خاتمہ ہوا اور سب اپنے کمروں میں چلے گئے، عامر بہت مصروف رہتا اور سلطانہ بیگم اب کچھ نہ بولتی، شازیہ اپنی من مانی کرتیں، یہاں تک بات قابل قبول تھی مگر بچوں کو کھلی آزادی تھی کہ وہ جو چاہیں کریں۔

☆☆☆

''ماما جی، پپا جی کب آئیں گے؟'' حمزہ نے شازیہ سے کہا جو ٹی وی پر اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھنے میں مصروف تھی۔

''ارے میرے بچوں آ جائیں گے تمہارے پپا جی اب جاؤ جا کر کھیلو۔'' شازیہ نے اس کا گال چوم کر بھگا دیا۔

''حمزہ بیٹا ادھر آؤ۔'' سلطانہ بیگم نے آواز دی تو حمزہ دوڑ کر ان کے پاس گیا۔

''حمزہ بیٹا ایسے نہیں بولتے، اللہ تعالیٰ گناہ دیں گے اور......''

''مگر گرینڈ ماں، ٹی وی میں بھی سب ایسے بولتے ہیں تو ہم بھی بول لیتے ناں اور ان کو گناہ نہیں ملتا تو اپن کو کون سالا کچھ کہے گا۔'' حمزہ بھاگ گیا اور سلطانہ بیگم منہ پر ہاتھ رکھے بیٹھ گئیں ان کو لگا کہ ان کی اس گھر میں کوئی اوقات ہی ہیں، ان کے سینے میں درد ہونے لگا، سینے کو مسلتے مسلتے وہ دود سے دوہری ہوتی گئیں، شازیہ کو آواز دی، شازیہ دوڑ کر آئی، انہیں سیدھا کیا اور جلدی سے عامر کو فون کیا۔

انہیں فوراً ہارٹ کے ڈاکٹر کے پاس لے گئے، آئی سی یو کے باہر کھڑے شازیہ اور عامر رو رو کر دعا مانگ رہے تھے بچے گھر اکیلے تھے اور رات بھی ہونے والی تھی، عامر نے شازیہ سے کہا کہ وہ گھر جا کر بچوں کو بھی ساتھ لے آئے یہاں پر نجانے کتنی دیر لگ جائے۔

شازیہ جب گھر آئی تو باہر کا گیٹ کھلا ہوا تھا اور اندر بالکل اندھیرا جب وہ طیبہ اور حمزہ کے بیڈ روم تک پہنچی تو اسے کچھ آوازیں سنائی دیں وہ چونک کر رک گئی۔

''ڈارلنگ آج تو تمہاری ڈانٹنے والی دادی

بھی گھر پر نہیں، کتنا مزہ آ رہا ہے ناں، کاجل آئی لو یو کاجل۔" شازیہ نے دروازے کو دھکا دیا اور اندر کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"سمیر طیبہ کے ساتھ لیٹا ہوا تھا اور طیبہ کا سر سمیر کے سینے پر تھا اور سمیر کا ہاتھ....."

"اوہ میرے خدا......!" بچے ایک جھٹکے سے اٹھے، شازیہ نے سمیر اور طیبہ کو بے شمار طمانچے مار دیے، سمیر روتا ہوا بھاگ گیا، شازیہ کو چکر آنے لگے وہ گھومتا سر پکڑ کر فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔

"مما میں بالکل پوتر ہوں آپ نے مجھے اتنا مارا۔" چٹاخ شازیہ نے طیبہ کو اور تھپڑ لگا دیا، تو وہ اونچی اونچی آواز میں رونے لگی۔

"حمزہ کہاں ہے؟" شازیہ کے پوچھنے پر طیبہ نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

شازیہ اوپر بھی دبے پاؤں گئی اور سارے کمرے چیک کیے، پریشانی کے عالم میں سٹور روم کا دروازہ کھولا تو حمزہ اور عروج کو کم و بیش ویسی ہی حالت میں دیکھ کر وہ تو یوں سکتے میں آ گئی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں وہ لٹھے کی طرح سفید پڑ گئیں۔

عامر کا فون آیا کہ اماں خطرے سے باہر ہیں تو شازیہ نے آدھے گھنٹے تک آنے کا کہا۔

پھر اس نے اپنے دونوں بچوں کو خوب مارا پھر مارتے ہوئے اچانک ہی رک گئیں، شازیہ نے سوچا کہ اماں اس مسئلے کو سلجھالیں گی اور اسے اب احساس ہوا کہ اماں ٹھیک ہی کہتی تھیں، وہ بچے ضرور تھے مگر نا سمجھ نہیں ان کے علم میں نہیں کہ سب کچھ غلط ہے مگر فلمیں اور ڈرامے، گانے وہ دیکھ کر وہ ان کی کاپی کرتے رہے اور اماں گھر تھیں تو وہ بچوں کی مصروفیات پر نظر رکھتیں آج

ان کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی بات نہ ماننے کی وجہ سے یہ دن دیکھنے پڑے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"مما کیا ہوا آپ کیوں رو رہی ہیں، مما سوری، وہ سمیر نے کہا تھا کہ کمپیوٹر پر مووی دیکھیں گے پھر ویسے ہی کریں گے تو ہم بھی بڑے ہو کر ٹی وی پر آئیں گے۔" حمزہ نے آگے بڑھ کر چپ کرایا۔

حمزہ عمر میں ان سے کچھ بڑا اور کافی سمجھدار تھا، شازیہ نے دونوں کو بٹھا کر سمجھایا اور کیبل کی تار نکال کر پھینک دی، طیبہ کے کپڑے چینج کروائے اور اپنا ایک دوپٹہ اس کو اوڑھایا دونوں کو لے کر ہسپتال کی طرف نکل پڑیں۔

"اماں کو ہوش آ گیا ہے ہارٹ اٹیک کا ہلکا سا جھٹکا لگا تھا مگر بروقت طبی امداد مل جانے پر جلد ہی ان کی حالت بہتر ہو گئی۔" ڈاکٹر نے اجازت دی تو سب اندر اماں کے پاس گئے۔

"دادو، ہم آ گئے اب آپ ٹھیک ہو جائیں گی آپ نہیں تو تو مما نے ہم کو بہت مارا بھی تھا۔" طیبہ نے آنکھوں میں پانی لاتے ہوئے کہا۔

سلطانہ بیگم دوپٹے میں لپٹے معصوم سے چہرے کو محبت سے دیکھنے لگیں پھر شازیہ کی طرف دیکھا جس نے سلطانہ بیگم کے پاؤں پکڑ لیے۔

"اماں جی مجھے معاف کر دیں، مجھے آج پتہ چلا کہ میں غلطی پر تھی، میں سمجھی کہ میں آزادانہ ماحول دے کر اپنے بچوں کو پراعتماد بنا لوں گی مگر بچے تو بچے ہوتے ہیں، مگر آپ کی بات سہی تھی کہ بچے اب بڑے ہو رہے ہیں، ان کی ایکٹیوٹیز پر نظر رکھنا ضروری تھا، ضروری نہیں کہ وہ اچھی بات پک کریں، بری باتوں کو بھی وہ فوراً پک کر سکتے ہیں، آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں، گھر چلیں آپ نے ابھی میرے بچوں کی ساری ذمہ داری

اٹھانی ہے، کیونکہ مجھے اپنی تربیت پر بھروسہ نہیں رہا بلکہ میں بھی آپ کے زیر سایہ رہ کر خود کو بدلنا چاہوں گی، اماں جی پلیز مجھے معاف کر دیں آپ ٹھیک تھیں میں ہی غلط تھی۔'' عامر نے روتی ہوئی شازیہ کو اٹھایا اور سلطانہ بیگم نے اسے گلے لگالیا۔

سلطانہ بیگم ٹھیک ہو کر گھر آ گئیں، تو گھر کی روٹین چینج ہو گئی۔

☆☆☆

''چلو بچو نماز کا ٹائم ہو گیا ہے، نماز پڑھو۔'' شازیہ نے سب کو اٹھا دیا۔

''مما جی مجھے تو کچھ کچھ بھول گئی ہے۔'' حمزہ نے کہا۔

''لیکن مما مجھے ساری نماز آتی ہے، میں دادو کے ساتھ کبھی کبھی نماز پڑھتی تھی ناں۔'' طیبہ بولی۔

عامر مسجد کی طرف چل پڑے۔

''حمزہ روز پڑھو گے تو کبھی بھی نہیں بھولے گی۔'' شازیہ نے اس کو بانہوں میں لیتے ہوئے کہا۔

کیبل کٹوا دی گئی تھی، سلطانہ بیگم نے شکر ادا کیا کہ شازیہ کو بروقت عقل آ گئی، سلطانہ بیگم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئیں، ان کو فارغ اوقات میں کہانیاں سناتیں، اچھی اچھی کتابیں پڑھنے کو دیتیں، چند ہی دنوں میں بچے اس روٹین میں ایڈجسٹ ہو گئے، گھر کا ماحول بے حد پرسکون ہو گیا، شازیہ سب کچھ سلطانہ بیگم سے پوچھ پوچھ کر کرتی، سلطانہ بیگم کو اہمیت ملی تو وہ بھی خوش ہو گئیں۔

واقعی گھر میں بزرگوں کا سایہ باعث رحمت ہوتا ہے اور بڑوں کے مقابلے میں بھلا بچوں کے فیصلے کب پائیدار ہوتے ہیں، شازیہ بھی سلطانہ بیگم کے مقابلے میں ابھی بچی تھیں، شازیہ نے بھی اپنی تمام مصروفیات ترک کر دیں اور زیادہ ٹائم بچوں اور اماں جی کے ساتھ گزارتی، عامر بھی اب خاص طور پر کچھ وقت بچوں کے لئے نکالتا، یوں ان کی زندگی متوازن راہ پر چلنے لگی۔

☆☆☆

مبشرہ انصاری

حیران کن نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی، وہ اس کا ہاتھ جھٹکتی تیزی سے اٹھتی کھڑکی کے پاس آکھڑی ہوئی۔

''مانو!'' الحان بھی اسی تیزی سے اٹھتا اس کے پیچھے چلا آیا۔

''آپ جانتے بھی ہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اس نے غصے کا اظہار کیا۔

''ہاں...... جانتا ہوں...... بہت اچھے سے جانتا ہوں۔'' الحان نے اپنی وکالت کی، مانہ اب کے براہ راست اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''جب سے ہم ملے ہیں، تب سے آپ چھوٹے بچوں کی طرح ہی بی ہیو کررہے ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی، الحان لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا۔

''تو انسان بچوں جیسی حرکتیں کس کے سامنے کرتا ہے؟ اسی سے ناں، جسے وہ پسند کرتا ہے، جس سے وہ محبت کرتا ہے رائٹ؟'' مانہ لاجواب ہوگئی، الحان اب کے دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

''تمہیں ابھی بھی مجھ پر یقین نہیں مانو؟''

وہ پوچھ رہا تھا، مانہ نظروں کا زاویہ پھیرے کھڑکی سے باہر برستی بارش کو دیکھنے لگی۔

''مجھے بتاؤ کہ میں کیسے ثابت کروں کہ میں واقعی تم سے محبت کرنے لگا ہوں؟'' وہ التجا کرنے لگا۔

''اب سے پہلے کتنی لڑکیوں سے کہہ چکے ہیں یہ سب کچھ؟'' وہ ایک بار پھر سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''صرف تمہی سے کہہ رہا ہوں مانو، ٹرسٹ می۔'' مانہ معنی خیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی، الحان چند ثانیے خاموش کھڑا رہا، پھر بولا۔

''میں مانتا ہوں کہ میرے بہت سے افیئرز رہ چکے ہیں، بٹ ٹرسٹ می، جو میں تمہارے لئے فیل کرتا ہوں، ایسا میں نے کبھی کسی کے لئے فیل نہیں کیا نیور، یہ پہلی اور آخری بار ہے، پلیز مجھ پر یقین رکھو، میں تمہارا یقین ٹوٹنے نہیں دوں گا۔'' اس کے لہجے، اس کے انداز بیان میں سچائی تھی، مانہ نے محسوس کیا، وہ اس کی جانب دیکھنے لگی، پھر دھیمے سے گویا ہوئی۔

''میں فی الحال اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی الحان!''

''تمہیں وقت درکار ہے؟ جتنا مرضی وقت لو، بس ایک بار بول دو، کہ تمہیں مجھ پر یقین ہے۔'' وہ پھر سے التجا کرنے لگا۔

''الحان! ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے، مجھے نیند آ رہی ہے، گڈ نائٹ۔'' وہ جانے لگی، الحان نے جلدی سے اس کی بازو پکڑ کر اسے جانے سے روک لیا۔

''کیا چاہتی ہو تم؟ کیسے ثابت کروں اپنی محبت؟ اگر تم چاہتی ہو کہ میں ان تمام لڑکیوں کو ایلیمینیٹ کر دوں تو میں کر دوں گا، ٹرسٹ می۔''

''میں ایسا کچھ نہیں چاہتی الحان، آپ کے اور میرے راستے الگ ہیں، ایسا کچھ نہیں ہو سکتا، جیسا آپ چاہتے ہیں۔''

''کیوں نہیں ہو سکتا، کیا پرابلم ہے؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''کیونکہ۔'' وہ چند ثانیے خاموش رہی پھر سے بولی۔

''آپ ہائی فائی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور میں...... آپ میں اور مجھ میں زمین آسمان کا فرق ہے اور ویسے بھی آپ کے طبقے کے لوگ ریلیشن شپ اس طرح سے بدلتے ہیں، جیسے ایک سے دو بار پہنے گئے پرانے کپڑے، آئی ایم سوری میں آپ کے ساتھ اس راہ پر ہرگز نہیں چلوں گی، جس کا انجام مجھے پہلے سے معلوم ہے۔'' وہ نم نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''ایسا کچھ نہیں ہو گا مانو! ایک بار مجھ پر ٹرسٹ کر کے تو دیکھو...... میں...... میں۔''

''الحان! میں فی الحال آپ پر ٹرسٹ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، پلیز ٹرائے ٹو انڈرسٹینڈ۔''

''یو نو واٹ، تمہیں مجھ پر ٹرسٹ ہے اور تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے، میں تمہاری آنکھوں میں دیکھ سکتا ہوں، تمہاری آنکھوں میں صاف صاف لکھا ہے کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔'' الحان نے سرگوشی کی۔

''ناممکن۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اپنی بازو چھڑائی۔

''ہم ایک دوسرے کو جانتے ہی کتنا ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک، ڈیڑھ مہینے سے بس؟ یہ بہت کم عرصہ ہوتا ہے کسی کو جانچنے پرکھنے کے لئے اور آپ کہتے ہیں کہ آپ کو اس ڈیڑھ مہینے میں مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟'' الحان خاموشی سے اس کی جانب دیکھتا رہا، پھر فیصلہ کن انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہے، تمہاری یہی مرضی ہے تو یہی سہی، میں اس شو کے اینڈ میں، کسی لڑکی کو سلیکٹ نہیں کروں گا، تم یہ شو چھوڑ کر چلی جاؤ گی، تب بھی میں تمہارے ہی پاس آؤں گا، اس شو سے الگ تمہیں لگتا ہے کہ میں یہ سب اس شو کی خاطر کر رہا ہوں؟ نہیں میری محبت میری فیلنگز صرف میں محسوس کرتا ہوں اور میں تمہیں ثابت کر کے دیکھاؤں گا کہ میری محبت میری فیلنگز تمہارے لئے کس قدر سچی اور پائیدار ہیں، میں تمہارے دل میں اپنے لئے اپنے نام کی محبت کی لو، تمہاری

آنکھوں کے ذریعے بھانپ سکتا ہوں، صرف تمہارے لبوں سے اقرار کا منتظر ہوں اور اس اقرار کے لئے تمہارے دیئے گئے ہر امتحان سے گزر جاؤں گا، یہ میرا تم سے وعدہ ہے گڈ نائٹ۔"

وہ ٹھوس لہجے میں بولتا، الٹے قدموں چلتا، باہر نکل گیا، مانہ تفکر بھرے انداز میں اسے دیکھتی، پاس رکھے بیڈ کی جانب بڑھنے لگی، وہ بیڈ پر لیٹتی، لحاف اوڑھتی، کھڑکی کے باہر برستی بارش پر نگاہیں جمائی نجانے کہاں کہاں کی سوچوں میں غلطاں تھی۔

"جس انسان کے دل میں روشنی نہ ہو، وہ چراغوں کے میلے سے کیا حاصل کر سکتا ہے بھلا؟" من ہی من میں ہم کلام ہوتی وہ لب بھینچنے لگی۔

"الحان مجھے نہیں جانتے، وہ صرف میری زندگی کے صرف ایک پہلو سے واقف ہیں، میرا پاسٹ کیا ہے، وہ یہ نہیں جانتے اور اگر جان جائیں تو شاید میری طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کریں۔" آنسو کے دو قطرے لڑھکتے ہوئے تکیے میں جذب ہو گئے۔

"میں اتنا اونچا خواب نہیں دیکھ سکتی، میں اتنی اونچی اڑان نہیں اڑ سکتی، میرے پر بہت کمزور ہیں، میں اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔" من ہی من میں ہم کلام ہوئی وہ نجانے کتنی دیر تک خود سے لڑتی رہی، جب لڑ لڑ کر تھک چکی تو نیند نے اپنا وار کیا۔

کھڑکی سے باہر برستی بارش کو اپنی نظروں کا محور بنائے وہ دھیرے دھیرے آنکھیں موندے نیند کی آغوش میں کھو گئی۔

☆☆☆

ایک بن تھا مہیب، جس کے درخت تھے عجیب، جس کے پتوں سے اٹھتا تھا دھواں عجیب، دھویں سے جب سورج کی کرنیں گزرتی تھیں تو گم گم ہو جاتیں، ٹیڑھی ہو ہو جاتیں، دھویں سے گزر کر فضا کو سنوارتیں، سنوارتی ہوئی فرش پر دھیمے دھیمے دھیرے دھیرے قدم رکھتی ہوئی اتر آتیں، شاید ڈرتی تھیں کہ بن جاگ نہ جائے، دھویں، سنورتی ہوئی فضا، موتیوں سے دمکتے ہوئے مخملی فرش کے درمیان ٹیڑھی میڑھی گم ہوتی پھر ہویدا ہوتی ہوئی گلیوں کا جال دور تک بچھتا چلا گیا تھا، ان گلیوں میں کوئی چلتا پھرتا نظر نہ آتا تھا، اس سنسان بن میں ایک ہلکی ہلکی مہک ستا رہی تھی، جانے کہاں سے آتی تھی، کتنی دور سے آئی تھی، دور کہاں جانے والی تھی، درختوں پر سہانے رنگوں کے پھل جانے کس کے انتظار میں تھے، کبھی کبھی گلیوں پر کسی اڑتے ہوئے پرندے کا سایہ چپکے سے گزر جاتا، اس بن میں سایوں سے بچتی بہکتی ہوئی ایک نازک سی لڑکی، لہک لہک کر قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھی، کبھی اس درخت سے کبھی اس درخت سے سرگوشیاں کرتی پھر اپنے ہی آپ مسکراتی، زیر لب گنگناتی ہوئی رک جاتی، کچھ سوچتی اور پھر آگے بڑھ جاتی، اس کی بانہوں میں کانچ کی رنگ برنگی چوڑیاں تھیں، اس کے دائیں ہاتھ میں ایک وائلن تھا، جب وہ ہاتھ اٹھا کر وائلن کو دیکھتی تو اس کی چوڑیاں خواب سے چونک اٹھتیں اور بن کی کسی سنسان گلی میں ایک لمحے کے لئے شور اٹھتا اور گم ہو جاتا، کبھی کبھی وہ وائلن کو غور سے دیکھتی اور اپنے سانس کی رفتار کو بہت ہی سست کر دیتی، شاید وائلن کی اصل دھن ابھی اپنے سفر سے نہ لوٹی تھی، یہ سوچ کر اس کے ہاتھ چوڑیوں کو جھنجناتے ہوئے اس کی ٹانگوں کے ساتھ لپٹ لپٹ جاتے اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی ایک گلی سے دوسری گلی میں داخل ہو جاتی،

پیچھے مڑ کر دیکھتی، پھر کچھ دیر چل لینے کے بعد مڑتی کہ شاید اس کے پیچھے کوئی حسین شہزادہ نہ آ رہا ہو اور ایک لمبا گہرا سانس لیتی اور اس کا اگلا قدم گلی کے فرش پر پوری طرح سے جم جاتا، اس کا پچھلا قدم آدھا فرش پر اور ایڑی فضا میں معلق ہو جاتی، اس کی پائل چمکتی ہوئی صاف صاف دکھائی دیتی، وہ اس طرح دھندلائی ہوئی گلیوں میں گزرتی ہوئی ایک صحن میں بالکل بے دھیانی سے چلی آئی، اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی، اس کی نظر درختوں کی دیوار سے ٹکرا کر اوپر کی طرف اٹھی، اٹھتی گئی، درخت لمبے ہوئے گئے، دھندلا دھندلا، نیلا نیلا آسمان اونچا ہوتا گیا، اس کی نظر تھک گئی اور پھر ایک دم سے صحن کے فرش پر آ رہی، وہ بری طرح گھبرا گئی، اس کے سرخ شفاف ماتھے پر پسینے کی بوندیں ابھر آئی تھیں، اس کے گھبرائے ہوئے پسینے سے نہائے ہوئے چہرے پر کسی یاد سے ایک نور سا چھا گیا، اس کے ہاتھوں میں جنبش سی ہوئی، ہاتھ اوپر کو اٹھے، دونوں ہاتھوں مین وائلن تھامے وہ ایک دھن چھیڑ بیٹھی، ایک میٹھی سی، مدھر سی، دل موہ لینے والی دھن، اس دھن میں ایک درد چھپا تھا، اس کی لے اونچی ہوتی رہی، اس نے وائلن بجاتے بجاتے کن اکھیوں سے دیکھا، درخت اب بونے ہو رہے تھے اور ان کی دیواروں میں درزیں پیدا ہونے لگی تھیں، درزیں، دروازے بن رہے تھے، جو گلیوں میں کھلتے تھے، وائلن کی دھن سے بن جاگ اٹھا، فضا کانپنے لگی، آسمان لرزنے لگا، ان کی مدد کے لئے بادل اور برق اٹھ دوڑے، بادل گرجنے لگے، برق چمکنے لگی، درخت ڈرنے لگے، اس افراتفری کو دیکھ کر اس لڑکی نے بھاگنا شروع کیا، وہ گلیوں میں گم ہوتی، نکلتی ہوئی شاہراہ پر آ نکلی، جہاں سے دور عین سامنے کی طرف برق کی روشنی میں آسمان صاف نظر آ رہا تھا، بھاگتے بھاگتے کبھی رک جاتی مڑ کر دیکھتی، اوپر کی طرف دیکھتی اور وائلن کی دھن ایک بار پھر سے چھیڑ دیتی، اس کی دھن سے فضا بن آسمان، بادل، بجلی ایک بار پھر تلملا اٹھتے، چیختے، دھاڑتے، آنکھیں دکھاتے، وہ پھر بھاگتی، اب وہ بن کو پار کرنے ہی والی تھی کہ بادل اس زور سے گرجا کہ اس کا دل دہل گیا، اس کے قدم زمین نے پکڑ لئے، پھر بجلی کوندی، اس کی چمک اتنی روشن تھی کہ اس کے سامنے پھیلتے ہوئے منظر کی ایک ایک تفصیل اس پر وا ہو گئی، بن کے پار ایک وسیع میدان تھا، اس بن اور میدان کے درمیان نیچی سطح پر دریا بہہ رہا تھا، دریا کے عین وسط میں ایک ناؤ تھی، اس ناؤ میں ایک نوجوان تھا، نوجوان زور زور سے ناوء کھینچتا بن کے دہانے کی طرف بڑھ رہا تھا، اس کی آس بندھی، اس کا ڈر کم ہوا، وہ تیز تیز قدم اٹھاتی دریا کی طرف بڑھی، وہ دریا کے قریب ہوتی گئی، اب وہ پانی میں گرتے ہوئے پانی سے اٹھتے ہوئے چپوؤں کی آواز صاف صاف سن رہی تھی، دریا کی طرف سے آتی ہوا میں ایک تندی تھی، اس تند ہوا میں اس کا قدم اٹھانا محال ہو گیا، مگر وہ دریا کے کنارے کی طرف بڑھتی رہی، جب اس کے قدموں نے دریا کے کناروں کو چھوا تو بجلی بہت زور سے کڑکی اور کڑکتے ہوئے فضا کو چیرتی شعلہ دکھاتی ہوئی دریا کے طرف اس ناؤ کی طرف گرنے لگی، اس کے دل سے ایک ہوک اٹھی اور چیخ بنی، اس کے کانوں نے چیخ سنی اور اس کی آنکھوں نے نوجوان کے چہرے کو بجلی کی سرخ سرخ روشنی میں دیکھا، مانہ نے اس نوجوان اور نازک لڑکی کو پہچان لیا، وہ لڑکی مانہ خود تھی اور نوجوان جس کی طرف بجلی لپکی چلی آ رہی تھی، الحان تھا، اس احساس کے شور نے

اس کے جسم میں ایک لرزا پیدا کر دیا، وہ چیختی ہوئی خواب سے چونک پڑی، اس کی چیخ کو سن کر آتش دان کے قریب سویا الحان ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، اس نے مانہ کی جانب دیکھا، وہ خوف سے کانپ رہی تھی، وہ اس کی جانب دوڑا، مانہ کا چہرہ پسینے میں شرابور تھا، اس کے ہونٹوں پر ایک ہی فقرہ رقص کر رہا تھا، وہ کانپ رہی تھی۔

''الحان پر بجلی گری، الحان پر بجلی گری۔''

الحان ہڑبڑاہٹ میں اسے تھامتے ہوئے بولا۔

''مانو!...... کیا ہوا...... کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا؟'' مانہ نے کوئی جواب نہ دیا، اس کے حواس ابھی درست نہ ہوئے تھے، وہ بار بار اپنا فقرہ غیر شعوری طور پر مجبوری کے تحت دہرائی جاتی تھی۔

''الحان پر بجلی گری، الحان پر بجلی گری۔''

الحان کے شعور نے اب فقرہ قبول کر لیا، وہ تحمل سے گویا ہوا۔

''مانو! میں بالکل ٹھیک ہوں، دیکھو تمہارے سامنے موجود ہوں، مجھے کچھ نہیں ہوا، مجھ پر کوئی بجلی نہیں گری، تم نے کوئی برا خواب دیکھا ہے، ہوش میں آؤ۔'' الحان اس کے لئے پانی لے کر آیا، پانی کے دو گھونٹ پیتے ہی وہ حواس میں واپس آنے لگی، لمبے لمبے سانس کھینچنے لگی۔

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ بغور اس کی جانب دیکھتا پوچھ رہا تھا، مانہ اثبات میں سر ہلانے لگی، الحان نے لمبی سانس کھینچی، بارش تھم چکی تھی، کھڑکی کے شیڈ سے گرتی پانی کی بوندیں زمین کو سلام کرتے ہی خاموشی کا زور توڑتیں ایک الگ دھن چھیڑے دے رہی تھیں، الحان نے کھڑکی کے باہر نگاہ دوڑائی، ہلکی پھلکی بوندا باندی ابھی بھی جاری تھی۔

''شکر ہے کہ طوفان تھم گیا، میں باہر جا کر جائزہ لے کر آتا ہوں۔''

وہ اٹھا اور باہر جاتے دروازے کی جانب بڑھ گیا، دروازہ کھلتے ہی سرد ہوا کے جھونکوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا، وہ سرد ہوا سے ٹھٹھرتا باہر نکل گیا، مانہ کھڑکی پر نگاہ دوڑائی، بیڈ پر سے نیچے اتری، اس چھوٹے کمرے میں جاتے ہی اس نے اپنے اور الحان کے کپڑوں کو ہاتھ لگا کر جائزہ لیا، کپڑوں میں نمی ابھی بھی باقی تھی، وہ کچھ سوچنے لگی ارد گرد نگاہ دوڑائی، پاس ہی اسے ایک سٹیل کا سوس پین رکھا دکھائی دیا، وہ پانی پینے کے استعمال کے لئے تھا، مانہ نے جلدی سے وہ سوس پین اٹھایا، دوسرے ہاتھ میں اپنے اور الحان کے کپڑے دبوچتی وہ آتش دان کے پاس چلی آئی، ایک لحاف کھینچ کر اس نے فرش پر بچھا دیا، الحان کی شرٹ اس لحاف پر سیدھی رکھتی، وہ اب سوس پین کو آتش دان میں بھڑکتی آگ پر گرم کرنے لگی، جب ساس پین اچھے سے گرم ہو گیا، تو ڈونگے کو الحان کی شرٹ پر پھیرتی وہ شرٹ کی نمی دور کرنے لگی۔

الحان باہر شیڈ تلے بندھے اپنے گھوڑے کی پیٹھ سہلاتا دور دور نظر دوڑا رہا تھا، دور دور تک کسی مددگار کا نام ونشان تک دکھائی نہ دیتا تھا، گھوڑا اپنی دم ہلاتا الحان ہی کی جانب دیکھ رہا تھا، الحان اس کی پیشانی سہلاتا واپس اندر چلا آیا، دروازہ بند کرتے ہی اس نے مانہ پر نگاہ دوڑائی، اسے تعجب ہوا، وہ اشتیاق بھری نگاہوں سے اس کی حرکات نوٹ کرتا اس کے سامنے جا بیٹھا۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟'' وہ اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

''کپڑوں میں ابھی بھی نمی باقی تھی، سوچا آئرن کر لوں تاکہ کپڑے پہننے کے قابل ہو

جائیں۔" وہ مصروف انداز میں بولی، الحان مسکرا دیا۔

"گریٹ، آئرن؟ یہ کوئی نیا طریقہ ایجا کیا ہے تم نے کپڑے آئرن کرنے کا؟" مانہ نے اس پر نگاہ دوڑائی، پھر کپڑے آئرن کرتی مصروف انداز میں گویا ہوئی۔

"پرانے زمانے میں، میرا مطلب کے پہلے کے زمانے میں لوگ اسی طرح سے کپڑے آئرن کیا کرتے تھے۔"

"کتنی پرانی عورت ہو تم؟" وہ اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگانے لگا، مانہ نے ایک خفا سی نگاہ اس پر دوڑائی۔

"میری نانی ماں نے بتایا تھا۔" وہ اس کی خفگی نوٹ کرتا، اپنی ہنسی روکتا سیدھے ہو بیٹھا۔

"اوکے، آپ کی نانی ماں نے بتایا، گڈ، گڈ آئیڈیا اور کیا کیا بتایا آپ کی نانی ماں نے؟" وہ ہنوز اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

"مذاق اڑانے کی ضرورت نہیں، میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم سچ کہہ رہی ہو، مجھے تم پر ٹرسٹ ہے مانو، میں بس تمہیں سننے کا شوقین ہوں۔" اسی پل ایک انجن کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی، وہ جلدی سے اٹھا اور باہر کی جانب دوڑ لگائی، ایک ٹرک انہی کے کیبن کی جانب بڑھتا دکھائی دیا۔

"مانو! ہمارے مددگار آن پہنچے۔" وہ ٹرک ڈرائیور کو ہاتھ سے اشارہ کرتا اونچی آواز میں بولا، مانہ جلدی سے الحان کے کپڑے اٹھاتی دروازے کی جانب دوڑی، الحان اندر داخل ہوا۔

"آپ پہلے چینج کر لیں، پھر میں کر لوں گی۔" اس نے کپڑے الحان کی جانب بڑھائے۔

"نہیں پہلے تم جاؤ، میں یہ آگ بجھا دوں تب تک۔" الحان نے آتش دان کی جانب قدم بڑھائے، مانہ جلدی سے اس چھوٹے کمرے میں داخل ہو گئی۔

☆☆☆

مانہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ چوب محل پہنچتے ہی اسے وہاں پر موجود تمام سات لڑکیوں کے استفسار کرتے چہروں اور ترش نگاہوں کا سامنا کرنا ہو گا اور ایسا ہی ہوا، چوب محل میں قدم رکھتے ہی جبکہ مسکان اسے دیکھتے ہی تفکرانہ انداز میں اس کے پاس دوڑی چلی آئی، اسے گلے لگاتی وہ تفکر بھرے انداز میں گویا ہوئی۔

"مانہ! تھینک گاڈ کہ تم ٹھیک ہو۔" اس نے آہ بھری، مانہ مصنوعی مسکراہٹ مسکراتی ایک اچٹتی سی نگاہ برابر میں کھڑے الحان پر دوڑانے لگی۔

"منافق عورت...... ہونہہ۔" وہ دل ہی دل میں ہم کلام ہوا۔

"میں آپ سب سے بعد میں ملتا ہوں، آئی نیڈ سم ریسٹ سی یو۔" وہ متانت بھرے لہجے میں بولتا، سیڑھیاں پھلانگتا چلا گیا، اس بار الحان کا روم بھی اسی چوب محل کے اندر ہی موجود تھا، تمام لڑکیاں سیڑھیاں پھلانگتے الحان پر سے نگاہ ہٹاتیں اب پھر سے مانہ کی جانب گھورتی دکھائی دی تھیں، ایسے جیسے اس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو، وہ ان سب کو اگنور کرتی سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگی۔

"ہمیں بتا کر جاؤ مانہ کہ تم کہاں گئی تھیں؟" آشلے کی زہریلی آواز نے اس کو قدم آگے بڑھانے سے روک دیا۔

"میں تمہیں کچھ بھی بتانا ضروری ہرگز نہیں سمجھتی آشلے، سوری لیڈیز، میں بہت تھکی ہوئی ہوں بعد میں ملتی ہوں بائے۔" وہ بنا ان لیڈیز

کے جانب دیکھے، اپنی کہتی سیڑھیاں پھلانگنے لگی، دروازہ بند کرتی وہ دروازے سے ٹیک لگائے ایک لمبی سانس کھینچ کر رہ گئی۔

☆☆☆

شاور لینے اور ڈھنگ سے تیار ہونے کے بعد وہ زینہ بہ زینہ نیچے اترتی، لاؤنج کا جائزہ لینے لگی، لاؤنج کے ایک صوفہ پر عاشر اپنا لیپ ٹاپ سنبھالے کسی کام میں گم دیکھائی دیا، وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے برابر والے صوفہ پر جا بیٹھی، اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی، وہاں اور کوئی موجود نہ تھا، عاشر نے کسی کی آمد محسوس کرتے ہی لیپ ٹاپ پر سے نظریں اٹھائیں۔

''مانہ!'' وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔

''کہاں چلی گئی تھیں تم، کم از کم مجھے تم سے اس بیوقوفانہ حرکت کی امید ہرگز نہ تھی۔'' وہ خفا دیکھائی دے رہا تھا۔

''آئی ایم رئیلی ویری سوری عاشر، مجھے احساس ہے اپنی غلطی کا لیکن میں راستہ نہیں بھولی تھی، میں کھوئی نہیں تھی، مجھے یہ جگہ، یہاں کی فضا اس قدر بھائی کہ میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی اور جب میں واپسی کے لئے مڑی تو اچانک سے موسم اس قدر خراب ہو گیا کہ میرا واپس آنا ناممکن ہو گیا، اگر موسم اس طرح سے اچانک خراب نہیں ہوتا، تو میں یقیناً واپس آ جانے والی تھی، آئی ایم سوری، میری وجہ سے۔''

''اٹس اوکے، آئندہ خیال رکھنا۔'' مانہ خاصی نادم دیکھائی دے رہی تھی، عاشر اس پر نگاہ دوڑانے لگا۔

''تم نے کچھ کھایا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''نہیں فی الحال بھوک نہیں۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں بولی، سرسری سی نگاہ کچن کی جانب دوڑانے لگی، اسے کسی لڑکی کی جھلک دیکھائی دی، جو شاید ان دونوں کے باتیں کرنے کے دوران انہی دونوں پر نظر رکھے ہوئی تھی اور پھر مانہ کے دیکھ لینے کے ڈر سے جلدی سے کچن کے دروازے کے پیچھے چھپ کھڑی ہوئی، مانہ کو اچنبھا ہوا۔

''یہ میرا وہمہ ہے یا پھر؟'' وہ من ہی من میں سوچتی، عاشر کو مخاطب کرنے لگی۔

''میں چائے بنانے جا رہی ہوں، آپ پئیں گے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں ضرور، لیکن سٹرانگ ٹی۔'' وہ فرینڈلی لہجے میں مخاطب ہوا۔

''شیور!'' مانہ مسکراتی ہوئی کچن کی جانب بڑھنے لگی، کچن میں داخل ہوتے ہی اس نے دروازے کے پیچھے نگاہ دوڑائی، وہاں کوئی نہ تھا، وہ لب بھینچے سوچنے لگی۔

''یہاں یقیناً کوئی تھا۔'' پھر اپنا واہمہ سمجھتی وہ چائے بنانے لگی، چائے بن جانے کے بعد وہ مگ ٹرے میں رکھے کچن سے باہر نکلی۔

برٹش مسلم صاحبہ جو کہ رومانٹیک طبیعت کی مالکہ تھی، اسے کچن کے دروازے کے باہر کھڑی عاشر کو ٹکر ٹکر دیکھتی دیکھائی دی، مانہ نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا، وہ یقیناً آس پاس سے بے خبر، عاشر ہی کو دیکھتی دیکھائی دی تھی، اس کی نظروں میں چھپی عاشر کے لئے پسندیدگی واضح طور پر عیاں تھی، مانہ کو پہلے حیرانگی ہوئی، اس نے کچھ سوچتے ہوئے دونوں پر بار بار نگاہ دوڑائی، پھر دھیمے سے مسکراتی گلہ کھنگارنے لگی، اس کے گلہ کھنگارنے پر صاحبہ بری طرح سے چونک اٹھی۔

''مم...... مانہ!'' وہ بری طرح سے گھبرا گئی، مانہ معنی خیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی دھیمے سے گویا ہوئی۔

''کیا ہوا؟''

''کک...... کچھ نہیں...... میں بھی چائے بنانے جا رہی ہوں۔'' وہ جلدی سے فرار ہوگئی، مانہ مسکراتی، ٹرے تھامے عاشر کے برابر والے صوفہ پر براجمان ہوئی۔

''مجھے لگتا ہے کہ یہاں پر کوئی کسی کا بہت بڑا کرش ہے۔'' مانہ نے اسے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

''تم الحان اور اپنی بات کر رہی ہو؟'' اس نے مصروف انداز میں پوچھا۔

''بالکل نہیں۔''

''تو پھر؟''

''کوئی اور ہے، جو یہاں پر کسی کو چھپ چھپ کر دیکھتا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہی لب بھینچ لئے۔

''کس کی بات کر رہی ہو مانہ، پہیلیاں مت بجھواؤ۔''

''ابھی مجھے کنفرم نہیں، پہلے میں خود کنفرم کر لوں، پھر بتا دوں گی۔'' عاشر لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھتا ہلکے سے مسکرا دیا۔

''جب کنفرم ہی نہیں تو بتایا کیوں؟'' وہ کپ اٹھانے لگا۔

''ویسے میں سوچ رہی تھی کہ یہاں پر موجود تمام لڑکیوں میں سب سے الگ اور سمجھدار لڑکی صاحبہ ہے۔''

''کیوں...... تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟''

اس نے چائے کا ایک سیپ لیا، مانہ مگ ہاتھ میں تھامتی، کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''ویسے ہی بتا رہی ہوں کہ مجھے ایسا لگتا ہے، آپ کو صاحبہ کیسی لگتی ہے؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''ہاں...... اچھی لڑکی ہے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا، اور ایک بار پھر سے مگ ہونٹوں سے لگا بیٹھا، وہ دھیمے سے مسکرایا تھا، ایک گم نام مسکراہٹ، مانہ نے محسوس کیا، اس مسکراہٹ میں کچھ تھا، وہ لب بھینچنے لگی، چائے کا سیپ لیتی وہ ایک بار پھر سے کچن پر نگاہ دوڑانے لگی، اور اس بار اس کا شک یقین میں بدل گیا، صاحبہ ایک بار پھر سے دروازے کی اوٹ سے عاشر کی جانب دیکھتی دیکھائی دی، مانہ مسکرا دی۔

''آئی وش کہ الحان اس شو کے اینڈ میں صاحبہ کو ہی سلیکٹ کرے، وہ واقعی بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے، میں نے نہ اسے کبھی لڑتے دیکھا ہے نہ ہی کسی کی سازش کرتے۔'' وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''ہوں۔'' اس بار وہ خاصہ سنجیدہ دیکھائی دیا تھا، مانہ اسے پرکھنا چاہتی تھی اور شاید وہ پرکھ بھی چکی تھی۔

''مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے، ایکسیکوزمی۔'' وہ مگ ہاتھ میں تھامے، موبائل اٹھاتا، چوب محل سے باہر نکل گیا، غالباً وہ یہ حرکت کر کے صاحبہ کے لئے اپنی پسندیدگی کا بھی اعلان کرتا گیا تھا، مانہ کھلکھلا کر مسکرا دی۔

''تو یہ بات ہے۔'' وہ چوب محل کے دروازے کی جانب دیکھتی مسکرائے چلی جا رہی تھی، اسی پل الحان چوب محل سے باہر نکلتے عاشر اور پھر مانہ پر نگاہ جمائے، سیڑھیاں اترتا، سیدھا اس کے قریب چلا آیا، اس کے چہرے کے ہر ہر نقش سے جیلسی واضح طور پر پھوٹتی دیکھائی دے رہی تھی، مانہ نے اسے اپنے جانب آتے دیکھتے ہی سنجیدگی چہرے پر سجالی تھی۔

''جب عاشر تمہارے اردگرد ہوتا ہے، تو تمہاری مسکراہٹ گہری سے گہری تر ہوتی چلی جاتی ہے اور مجھے دیکھتے ہی تم سڑی ہوئی سی شکل

کیوں بنا لیتی ہو، کیا، کیا چل کیا رہا ہے تم دونوں کے بیچ میں؟'' وہ بے حد تپا ہوا دکھائی دے رہا تھا، مانہ تیوری چڑھا کر رہ گئی۔

''کیا مطلب کیا چل رہا ہے؟'' وہ اس کی جانب دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سین کیا ہے باس، بچی نہیں ہو تم جو تمہیں سمجھ نہیں آ رہی کہ میں کیا پوچھ رہا ہوں؟'' مانہ تلملا کر رہ گئی۔

''آپ اوورسری ایکٹ کر رہے ہیں الحان!''

''میں اوورری ایکٹ کر رہا ہوں؟'' وہ اس کی بات دہراتا، دانت پیسنے لگا، چند ثانیے کی خاموشی کے بعد وہ پھر سے بولا۔

''مجھے تمہارا اور اس کا تمہارے اردگرد منڈلانا بالکل پسند نہیں ہے۔'' وہ شعلہ برساتی نگاہیں اس پر ٹکائے بھرپور غصہ اور جیلسی کا اظہار کر رہا تھا، مانہ کو اس کے غصے پر غصہ آنے لگا۔

''کیا......؟ کیا میں یہاں کسی اور سے بات تک نہیں کر سکتی؟ اور اگر بات کرتی ہوں تو اس کا مطلب کہ میرا اور اس کا کوئی سین ہے رائٹ؟'' وہ اس کے دوبدو تھی۔

''ایسا نہیں ہے۔'' وہ برجستہ بولا۔

''میں نے کافی بار دیکھا ہے، تو مجھے ایسا لگا کہ تم دونوں ایک دوجے کے کافی کلوز ہو، اس لئے میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا سین ہے؟'' اس بار وہ تحمل سے بولا، لیکن جیلسی ابھی بھی اس کے لہجے سے ٹپکتی صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

''ہم دونوں فیوچر میں ایک ساتھ کام کرنے والے ہیں، ہم دونوں میں اچھی دوستی ہے، انڈرسٹینڈنگ ہے اور کچھ نہیں، جب دو لوگ آپس میں مسکرا کر بات کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا الحان، کہ ان دونوں کے بیچ کوئی ایسا ویسا سین ہے۔'' اس کے لہجے میں غصہ تھا ناراضگی تھی، الحان نے محسوس کیا، لیکن خاموش رہا۔

''آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے الحان، آپ یہاں پر موجود ہر لڑکی کے ساتھ ڈیٹ پر جاتے ہیں، تو کیا میں آپ کے بارے میں بھی ایسا ہی کچھ سمجھوں کہ آپ کا ان سب کے ساتھ کوئی نہ کوئی سین ہے؟'' اس نے اسے لاجواب کر دیا تھا، وہ کچھ کہنے کی چاہ میں لب کھولتا، خاموش ہو کھڑا ہوا تھا۔

''مرد ذات، خود ہزاروں لڑکیوں کے ساتھ ڈیٹ پر چلا جائے کوئی بڑی بات نہیں اور جسے وہ پسند کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اسے کسی کے ساتھ ہنسنے بولنے کی اجازت تک نہیں واؤ کیا بات ہے آپ مرد حضرات کی۔'' وہ غصہ میں پھنکارتی پیر پٹختی چوب محل سے باہر نکل گئی، الحان وہیں کھڑا، اس کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش میں گم لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

الحان اپنے کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکر کاٹ رہا تھا، غصہ اور جیلسی اس کے چہرے کے نقوش پر واضح طور پر عیاں تھی، دروازے پر کسی نے دستک دی تھی، الحان اس قدر بے چین تھا کہ اسے دروازے پر ہوتی دستک سنائی تک نہ دی، اگلی بار باہر کھڑے انسان نے دستک کے ساتھ آواز بھی لگائی۔

''الحان!'' یہ مس فاطمہ کی آواز تھی، آواز پہچانتے ہی وہ دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔

''لیس؟''

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟'' وہ بند دروازے کی دوسری جانب کھڑی پوچھ رہی تھیں، الحان نے تیوری چڑھاتے ہوئے آگے بڑھ کر

ہینڈل گھماتے ہی دروازہ کھول دیا، مس فاطمہ ہاتھ میں کھلا لیپ ٹاپ تھامے اسی کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

''آپ نے انٹرنیٹ چیک کیا؟''

''نہیں...... کیوں؟''

''سوشل میڈیا میں تہلکہ مچا ہوا ہے، آپ کی اور مسکان کی ڈیٹ کو لے کر۔'' انہوں نے خبر دیتے ہی لیپ ٹاپ الحان کی جانب بڑھا دیا۔

''مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ لوگ مسکان کے منافق ہونے پر کوئی نہ کوئی ری ایکشن ضرور دیں گے۔'' وہ تیوری چڑھائے، لیپ ٹاپ تھامتا، سامنے چیئر پر جا بیٹھا، مس فاطمہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

''ایسا نہیں ہے، بلکہ لوگ مسکان کو داد دے رہے ہیں، لوگوں کا کہنا ہے کہ مسکان اس کو مپیٹیشن کی سب سے ایماندار لڑکی ہے، ان کا ماننا ہے کہ مانہ نے شو کے پہلے دن سے لے کر اب تک اس شو میں اور آپ میں کوئی خاص دلچسپی نہیں دیکھائی، وہ یقیناً سبھی سے الگ اور گم صم سی رہتی ہے، وہ واقعی ایک عجیب لڑکی ہے جسے الحان خواہ مخواہ سپورٹ کر رہا ہے۔'' مس فاطمہ کی ڈیٹیل سنتے ہی وہ لیپ ٹاپ سائیڈ ٹیبل پر رکھتا، غصے میں پھنکارتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''لوگوں کو کیا تکلیف ہے؟ کیا وہ پرسنلی جانتے ہیں مانو کو؟ اختلاف، تنقید اور تذلیل میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، اختلاف کر سکتے ہیں لوگ، لیکن تنقید کا حق کسی کو نہیں ہوتا اور تذلیل کا حق تو کسی کو بھی نہیں ہوتا، کون ہے یہ مسکان، کون ہیں یہ سوشل میڈیا کے لوگ؟ میں کسی کو نہیں جانتا، میں بس وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا۔'' اس کا غصہ تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا، مس فاطمہ خاموش کھڑیں تفکرانہ انداز میں اس کی جانب دیکھتی رہیں، پھر بولیں۔

''لیکن الحان! یہ بات بھی تو سچ ہے کہ مانہ نے واقعی شروع دن سے اس شو میں کوئی دلچسپی نہیں دیکھائی۔''

''کیونکہ وہ ان منافق لڑکیوں جیسی نہیں ہے، وہ اس شو کا حصہ نہیں ہے، وہ ان لڑکیوں سے اس شو سے الگ ہے بالکل الگ۔'' مس فاطمہ خاموش کھڑی رہیں، الحان چند ثانیے خاموش رہا پھر بولا۔

''آپ مجھے یہاں صرف یہی خبر دینے آئی تھیں۔''

وہ غالباً انہیں اپنے کمرے سے چلے جانے کو بول رہا تھا، مگر مس فاطمہ سر ہلاتے ہوئے ایک بار پھر سے بولیں۔

''ایک خبر اور بھی ہے وہ یہ کہ چینل والے چاہتے ہیں کہ آپ مسکان کو ایلیمینیٹ نہیں کریں گے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ آپ مانہ کو زیادہ فیور دیتے ہیں جس کی بنا پر آپ مسکان سے ناراضی اختیار کرتے ہوئے اسے گھر واپس بھیجنے کا یقیناً ارادہ کر چکے ہوں گے، چینل والے چاہتے ہیں کہ مسکان ٹاپ فور تک ایلیمینیٹ نہیں ہونی چاہیے۔'' مس فاطمہ کی ڈیٹیل سنتا وہ مزید آتش پا ہوتا چلا جا رہا تھا، شعلہ بھڑکاتی نگاہیں میچتا وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگا، جب تھوڑا سنبھل گیا تو تحمل سے گویا ہوا۔

''اس شو کا پروڈیوسر کون ہے؟''

''آپ!''

''اس شو کا Bachelor کون ہے؟''

''آپ!''

''تو میں چینل والوں کے آرڈرز کیوں ایکسپٹ کروں؟ وہ مجھے آرڈر دینے کا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں؟''

''الحان! بات کو سمجھنے کی کوشش کریں، چینل والے مجبور ہیں، آشلے اور مسکان کی ریٹنگ بہت زیادہ آئی ہے، صرف ٹاپ فور تک کی بات ہے۔'' الحان خود کو کنٹرول کرتا لمبی سانس کھینچتا، اپنے بالوں میں ہاتھ پھنساتا آنکھیں میچ کھڑا ہوا، مس فاطمہ لیپ ٹاپ اٹھاتیں، دروازہ بند کیے واپس جا چکی تھیں، الحان کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ پاس پڑی ہر چیز اٹھا کر توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔

''بناوٹ اور ملاوٹ سے بھرپور لوگ، دماغ خراب ہو گیا ہے سب کا، جب وہ سب لوگ اسے جانتے تک نہیں، تو اس پر انگلی کیسے اٹھا سکتے ہیں۔'' غصہ کے عالم میں اس کا اس بند کمرے میں دم گھٹتا محسوس ہوا تھا، ہینڈل گھما کر دروازہ کھولتا وہ غصہ کا اظہار کرتے ہوئے دروازہ زور سے پٹختا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

الحان کمرے سے نکلتا، سیدھا، چوب محل کے مین دروازے کے بیچ و بیچ آن کھڑا ہوا، سبھی لڑکیاں کوئی گیم پلان کرنے کا سوچ رہی تھیں، الحان نے دائیں جانب نگاہ دوڑائی، مانہ الگ ایک بینچ پر بیٹھی، ایک خوبصورت سا بکری کا بچہ گود میں لئے اس سے کھیلنے میں مصروف تھی، کبھی وہ اس سے باتیں کرتی، کبھی اسے پیار کرتے ہی مسکرا دیتی، الحان محبت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''کتنی معصوم ہے یہ...... سچائی اور ایمانداری کی بے مثال حقیقت، کوئی بناوٹ نہیں، کوئی ملاوٹ نہیں، بالکل صاف، شفاف، جو دل میں ہو، وہی زبان پر رکھتی ہے اوروں جیسی منافق نہیں، بناوٹی نہیں، جھوٹی نہیں، لوگ تو اندھے ہیں، بناوٹی دنیا کے بناوٹی لوگ، بناوٹی لوگوں اور چیزوں کو ہی پسند کرتے ہیں، مجھے کسی کی پرواہ نہیں، مجھے مانو سے محبت کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا، کوئی نہیں۔'' من ہی من میں ہم کلام وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا مانہ کی جانب بڑھنے لگا۔

''الحان!'' آشلے دور سے اس کا نام پکارتی، اس کی جانب دوڑی چلی آئی، مانہ کی جانب اٹھتے قدم تھم سے گئے، آشلے اس کے نزدیک چلی آئی تھی۔

''الحان! ہم لوگ ایک گیم پلان کر رہے ہیں، تمہیں بھی ہمارے ساتھ کھیلنا ہوگا۔'' وہ لاڈ سے بولی، الحان دھیمے سے مسکرا دیا۔

''اوکے...... تم چلو...... میں آتا ہوں۔''

''نہیں...... ابھی چلو۔'' وہ اس کی بازو کھینچتی کھلے میدان کی جانب لے جانے لگی، الحان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی بازو سے الگ کیا۔

''آشلے، مجھے ایک ضروری کام ہے، تم چلو، میں پانچ منٹ میں آ کر تمہیں جوائن کرتا ہوں۔''

''مجھے معلوم ہے تمہارا ضروری کام۔'' اس نے ایک نفرت بھری نگاہ مانہ پہ دوڑائی، پھر اگلے ہی پل پھر سے بولی۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے، پانچ منٹ کا مطلب پانچ منٹ اوکے۔''

''اوکے۔'' آشلے ایک بار پھر سے جاتے جاتے ایک نفرت بھری نگاہ مانہ پہ دوڑاتی گئی تھی، الحان اس کی اس حرکت پر دانت بھینچتا رہ گیا تھا، تحمل کا مظاہرہ کرتا وہ مانہ کی جانب بڑھنے لگا، وہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا، مانہ اس کی موجودگی سے انجان بکری کو پیار کرنے میں مصروف تھی۔

''آئی ایم سوری۔'' الحان کی دھیمی سی آواز مانہ کی سماعت سے ٹکرائی، وہ گردن گھما کر اپنے پیچھے کھڑے الحان کی جانب دیکھنے لگی۔

''میں نے اوورری ایکٹ کیا، کیا مجھے اس کوتاہی کی معافی مل سکتی ہے؟'' وہ نظروں اور لہجے میں محبت سموئے اس سے مخاطب تھا۔
مانہ نے دھیمے سے مسکرا کر معافی کا اشارہ دے دیا، الحان بھی اپنی مخصوص مسکراہٹ لبوں پر سجائے اسی بینچ پر اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔
''لیکن مجھے واقعی پسند نہیں کہ تم عاشر سے بات کرو، مجھے اس سے جیلسی فیل ہوتی ہے مانو۔'' وہ براہ راست اس کی جانب دیکھتا، خفگی کا اظہار کرنے لگا، مانہ اپنی آنکھیں میچ کر رہ گئی۔
''خیر مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' مانہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے لگی، الحان تھوڑی دیر خاموش رہا، پھر مانہ سے نظریں چراتا دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔
''چینل والے چاہتے ہیں کہ میں ٹاپ فور تک مسکان کو ایلیمینیٹ نہ کروں۔'' مانہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔
''کیونکہ اس کی ریٹنگ بہت زیادہ آئی ہے اس لئے، لوگ اسے اس شو میں پسند کر رہے ہیں۔'' الحان نے اپنی بات مکمل کی۔
''مسکان کی ہائی ریٹنگ آپ دونوں کی ڈیٹ کے بعد سے آئی ہے؟'' مانہ کی درد بھری آواز ابھری، الحان خاموش رہا، وہ اس سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ مانہ کا دل دکھا ہے، وہ اسے ہرٹ نہیں دیکھ سکتا تھا۔
''لوگ اسے پسند اس لئے کرتے ہیں کیونکہ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔'' وہ نم بھری نگاہوں سے الحان کی جانب دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں ٹوٹی، بکھری پڑیں درد کی کرچیاں صاف دیکھائی دے رہی تھیں، اس کی آواز رندھی ہوئی تھی، الحان پہلے سے ہی ہرٹ تھا، منتشر تھا، اس سے مانہ کی یہ حالت برداشت نہ ہوئی، وہ پوری طرح سے مڑ کر براہ راست اس کی جانب دیکھنے لگا۔
''لوگ اندھے ہیں مانو! انہیں کچھ دیکھائی نہیں دے رہا ہے، پاگل ہیں سب کے سب۔'' دو موتی لڑھکتے ہوئے مانہ کے گالوں پر آن ٹھہرے، اس نے جلدی سے اپنی شال کا پلو اٹھایا اور اپنے گال بری طرح سے رگڑ ڈالے۔
''ان لوگوں کو کیا معلوم کہ سچائی ایمانداری اور محبت کس چیز کا نام ہے، عیب دار دنیا ہر کسی میں عیب تلاش کرتی ہے، انہیں کیا معلوم کہ محبت عیب نہیں دیکھتی، محبت اگر عیب دیکھتی تو اللہ کبھی ہماری طرف دیکھتا ہی نہیں۔'' مانہ نم بھری نگاہیں اٹھائے الحان کی آنکھوں میں جھانکنے لگی، جن آنکھوں میں صرف اس کی ذات کے لئے بے پناہ محبت چھلکتی دیکھائی دے رہی تھی۔
''اور مجھے تم میں کوئی عیب دیکھائی دیتا ہی نہیں، سوائے اس چشمے کے، جو مجھے زہر لگتا ہے، یہ چشمہ میرے اور میری من پسند آنکھوں کے بیچ دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے، آئی ہیٹ یور چشمہ یار، لیکن پھر بھی یہ تم سے جڑا ہے، اس لئے مجھے تمہارے چشمے سے بھی محبت ہے۔'' مانہ روتے روتے اچانک سے ہنس دی، الحان بھی مسکرا دیا تھا۔
''دیٹس لائک آ گڈ گرل، مجھے تمہاری مسکراہٹ سے بھی محبت ہے، تمہارے غصے سے بھی محبت ہے، تم پرفیکٹ ہو مانو، بالکل پرفیکٹ۔'' وہ سرگوشی میں گویا ہوا، مانہ ہاتھوں سے گال پر اٹکے آنسو صاف کرتی دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔
''تھینک یو۔''
''یو آر موسٹ ویلکم مائے لیڈی!'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا، مانہ جھینپ سی گئی۔
''الحان!'' مسکان لمبے لمبے ڈگ بھرتی ان

دونوں کی طرف بڑھتی دکھائی دی۔
''مجھے اس کی آواز سے بھی نفرت ہونے لگی ہے۔'' الحان نے تیوری چڑھائی، مانہ دھیمے سے مسکرا دی۔
''کوئی بات نہیں، ٹاپ فور تک برداشت کریں اسے۔''
''اُف...... ہیل...... آئی ہیٹ ہر۔'' الحان نفرت کا اظہار کرتا اسی کی جانب بڑھنے لگا، مانہ وہیں پر بیٹھی الحان کو خود سے دور جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

سب سے یوں ملنا کہ جیسے دل میں کوئی دکھ نہ ہو
مجھ میں یہ خوبی بھی ہے سب خامیوں کے باوجود

کیکر کے درخت کے پار دور افق پر چمکتے چاند کو نظروں کا محور بنائے وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی خاصی افسردہ دکھائی دے رہی تھی۔
''میں جتنا خود کو سمیٹنے کی کوشش کرتی ہوں، لوگ اتنا مجھے پاش پاش کرنے چلے آتے ہیں۔'' درد سے کراہتی وہ آنکھیں جھپکانے لگی، دو موتی لڑھکتے اس کے رخسار پر آن ٹھہرے۔
''زندگی کی تلاش میں ہوں، نجانے کہاں تک جاؤں گی میں؟ یا اللہ! تیری دنیا بہت اچھی ہے، لیکن لوگ گندے ہیں، کسی بھی طرح سے نہیں جینے دیتے۔'' وہ افسردہ نگاہیں آسمان پر ٹکائے اللہ تعالیٰ سے شکوہ شکایت کرنے لگی تھی۔
''کچھ حادثے تو ایسے بھی ہوئے ہیں میرے ساتھ، چوٹ نہیں لگی، پر درد بہت ہوا ہے۔'' ٹیس اس قدر شدید تھی کہ وہ آنکھیں میچ کر رہ گئی۔

چاندنی، سفید اور سیاہ مربعے اور مستطیلیں اب اس کی نگاہ میں تھیں، چاندنی کی دمک اس کی آنکھوں کو گدگدا رہی تھی، ہوا کی سرسراہٹ اس کے کانوں میں آ رہی تھی، خنکی اس کے رگ و پے میں سرائیت کرنے لگی، اس نے کھڑکی میں کھڑے رہنے کا ارادہ ترک کر دیا، وہ بیڈ کے پاس رکھی سائیڈ ٹیبل کے پاس چلی آئی، ٹیبل پر خالی گلاس رکھا اس کا منہ چڑا رہا تھا، وہ کچھ سوچتے ہوئے گلاس اٹھاتی کمرے سے باہر نکل آئی، زینہ بہ زینہ دبے قدموں نیچے اترتی وہ آتش دان کے پاس تنہا بیٹھی صاحبہ کی جانب دیکھنے لگی، وہ شاید کوئی کتاب پڑھ رہی تھی، مانہ اس کے قریب چلی آئی، قدموں کی چاپ سنتے ہی صاحبہ نے کتاب پر سے نظریں ہٹا کر اوپر کی جانب نظریں دوڑائیں، مانہ کو وہاں موجود دیکھتے ہی وہ ہڑبڑا اٹھی، جلدی سے کتاب بند کرتی وہ کتاب اپنی بائیں ٹانگ کے نیچے چھپا بیٹھی۔
''آئی ایم سوری، میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا؟'' مانہ نادم دکھائی دے رہی تھی۔
''کوئی بات نہیں، تم سوئی نہیں؟''
''سونے ہی لگی تھی، بس پانی پینے آئی تھی، تم کیوں نہیں سوئیں؟''
''مجھے نیند نہیں آ رہی۔''
''خیریت؟''
''ہاں۔'' مانہ لبوں پر مسکراہٹ بکھیرتی کچن کی جانب قدم بڑھانے لگی کہ صاحبہ کے پکارنے پر اس کے قدم تھم سے گئے۔
''مانہ!''
''ہوں۔'' وہ پلٹ کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔
''بیٹھو۔'' وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی، مانہ اس کی جانب دیکھتی دو قدم آگے بڑھائی، گلاس ٹیبل پر رکھتی، وہیں آتش دان کے پاس صاحبہ کے سامنے بیٹھ گئی، صاحبہ چند ثانیے خاموش رہی، پھر اپنے گھنے لمبے کالے سلکی کھلے بالوں کی لٹ

کان کے پیچھے اڑستی، اپنی ٹانگ کے نیچے چھپائی کتاب باہر نکالتی وہ ہنوز دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''میں تمہارا ناول پڑھ رہی تھی۔'' مانہ نے پہلے حیرت بھری نگاہ اپنی کتاب اور صاحبہ پر دوڑائی، پھر دھیمے سے مسکرا دی۔

''میں نے اس سے پہلے تمہارا ناول کبھی پڑھا نہیں تھا، پھر جب مجھے پتا چلا کہ تمہارے لکھے گئے ناول خاصے پسند کیے جاتے ہیں تو مجھے بھی پڑھنے کا شوق ہوا، مجھے یہ کتاب عاشر نے دی ہے، یہ ناول اتنا اچھا ہے کہ کتاب واپس کرنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا ہے۔''

''ہوں...... ناول اتنا اچھا ہے؟ یا یہ کتاب دینے والا؟'' وہ اب اسے چھیڑنے لگی تھی، صاحبہ جھینپ سی گئی۔

''کیا مطلب؟''

''تم عاشر کو پسند کرتی ہو ناں؟''

''نہیں تو۔'' صاحبہ گھبرا سی گئی، مانہ مسکرا دی۔

''اچھا...... مجھے ایسا لگتا ہے کہ عاشر بھی تمہیں پسند کرتے ہیں۔''

''رئیلی؟'' وہ پھٹی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی، اس کی آنکھوں میں جاگتی امید کی کرن مانہ سے چھپی نہ رہی تھی، وہ بغور اس کی نگاہوں میں جھانکتی دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''مجھے ایسا لگتا ہے۔''

''کیا عاشر نے تم سے ایسا کچھ کہا؟''

''نہیں کہا تو نہیں، لیکن مجھے چہرے پڑھنا آتے ہیں صاحبہ، مجھے لگتا ہے تم دونوں کو آپس میں اس بارے میں بات کرنی چاہیے، دل کی بات دل میں نہیں رکھنی چاہیے۔'' صاحبہ خاموش بیٹھی کچھ سوچ میں پڑ گئی۔

''زیادہ سوچو نہیں، اگر دل میں واقعی ایسا کچھ ہے تو بول دو۔''

''میں کیسے بول دوں، لڑکی ذات ہوں، خود سے جا کر محبت کا اظہار کیسے کر سکتی ہوں۔'' وہ پریشانی سے گویا ہوئی، مانہ کن اکھیوں سے اس کی جانب دیکھتی دھیمے سے مسکرا دی۔

''آ گئی ناں لائن پر۔'' صاحبہ جھینپ سی گئی۔

''دیکھو عاشر سے اس بارے میں بات کرو گی، تبھی بات آگے بڑھے گی، ورنہ یہ آنکھ مچولی کا سلسلہ ایسے ہی چلتا رہے گا۔''

''میں عاشر سے اس بارے میں بات نہیں کر سکتی، وہ پہلے ہی مجھے اتنا ستاتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''آئس لینڈ پر جب میں مورننگ واک پر جاتی تھی تو عاشر ہمیشہ مجھے جوائن کرتے تھے اور اتنا تیز کرتے تھے کہ اللہ کی پناہ، مجھ سے بات نہیں ہو گی۔'' مانہ کو اچنبھا ہوا اور خوشی بھی۔

''اوہ...... آئی سی...... تو موصوف روز صبح تمہیں جوائن کرنے کو واک پر جایا کرتے تھے اور میں سمجھتی تھی کہ جناب کو فٹ رہنے کی عادت ہے، اب سمجھی ساری بات، اب مجھے کنفرم ہو گیا ہے کہ یہ محبت ایک طرف نہیں ہے، بلکہ آگ دونوں جانب برابر کی لگی ہے، آئی ایم شیور!''

''تم اتنا یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟'' صاحبہ پوچھ رہی تھی۔

''انسان اسی کو زیادہ تیز کرتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔'' صاحبہ کے گوری رنگت میں گلابیاں چھانے لگیں، وہ جھینپ جھینپ سی گئی، اسی پل الحان سیڑھیاں اترتا کچن کی جانب بڑھتا دکھائی دیا، وہ دونوں اس پر نگاہ دوڑاتیں اک دوجے کی جانب دیکھنے لگیں، مانہ دھیمی آواز میں

گویا ہوئی، الحان کو دیکھتے ہی اس کے ذہن میں ایک آئیڈیا کوندا تھا۔

''آج کل عاشر ہر وقت مصروف دیکھائی دیتے ہیں، شاید کام بہت بڑھ گیا ہے، ہمیں کچھ ایسا کرنا ہوگا کہ عاشر کو تھوڑی فرصت ملے اور پھر تم دونوں آرام سے بیٹھ کر اس بارے میں بات کرسکو۔''

''مجھ سے بات نہیں ہو پائے گی۔''

''ڈونٹ وری، ہم کچھ ایسا کریں گے کہ عاشر خود چل کر آ کر تم سے اظہار محبت کریں۔''

''کیا ایسا ممکن ہے؟'' صاحبہ کے چہرے پر چار سو چالیس والٹ کا بلب چمکتا دیکھائی دیا۔

''انشاء اللہ۔'' مانہ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا۔

''تھینکس! یو آر سچ آ سویٹ ہارٹ۔''

صاحبہ کی خوشی پر مانہ مسکرا کر رہ گئی۔

''یو ٹو!''

☆☆☆

''الحان!'' وہ جو کافی مگ میں پھینٹنے میں مگن تھا، مانہ کی آواز سماعت سے ٹکراتے ہی سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''مانو!'' ایک خوبصورت سی مسکراہٹ الحان کے لبوں پر پھیلتی چلی گئی۔

''ہماری خوش قسمتی، کہ آپ آج اپنے آپ ہم سے مخاطب ہوئیں۔'' وہ مغلیہ انداز میں گویا ہوا تھا۔

''مجھے آپ کی ہیلپ چاہیے۔''

''ہاں بولو۔''

''آپ کچھ ایسا کر سکتے ہیں کہ عاشر زمان اپنے سب کام وام چھوڑ کر فرصت کے چند لمحات حاصل کر پائیں، میرا مطلب کہ اگر کوئی ان سے کوئی اہم بات کرنا چاہے تو وہ آرام سے بیٹھ کر بات کر سکیں۔'' الحان کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ ایک دم غصہ میں بدلتی محسوس ہوئی، وہ تیوری چڑھائے مانہ کی جانب پیٹھ کیے ایک بار پھر سے کافی پھینٹنے لگا۔

''تو!''

''کیوں نہیں، آپ کے لئے ایسا کرنا آسان ہے، مجھے معلوم ہے۔''

''میں ایسا نہیں کرسکتا اور میں ایسا کروں بھی کیوں؟'' وہ شعلہ بھڑکاتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''میں اپنے لئے ایسا نہیں چاہ رہی۔'' وہ اس کی شعلہ بھڑکاتی نگاہوں سے سہم سی گئی تھی، نظریں جھکائے وہ دھیمے لہجے میں گویا تھی، الحان کو اچنبھا ہوا۔

''تو پھر؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''صاحبہ کے لئے۔''

''صاحبہ کے لئے؟'' وہ چونکا، پھر سوالیہ نگاہیں اس پر ٹکاتا دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

''کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟''

''مجھے پہلے شک تھا کہ صاحبہ اور عاشر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، لیکن آج مجھے کنفرم ہو گیا ہے، صاحبہ نے قبول کرلیا ہے، عاشر کے دل میں کیا ہے، یہ میں چاہتی ہوں کہ آپ پتا لگائیں، کیونکہ میں نے ایک بار عاشر سے اس بارے میں بات کی تھی مگر انہوں نے میری بات ٹال دی، شاید وہ آپ کو اپنے دل کی بات بتا پائیں، اور اگر ایسا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ وہ دونوں اس بارے میں ایک بار آپس میں بات کر لیں، وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، لیکن اک دوجے کو یہ بات بتا نہیں پا رہے۔'' مانہ نے دھیمے لہجے میں تفصیل بتائی، الحان چند ثانیے خاموش کھڑا کچھ سوچتا رہا، اس کے چہرے پر حیرانی کے

اثرات واضح طور پر عیاں تھے۔
''تمہیں مجھ پر تو کبھی ترس نہیں آیا مانو؟'' وہ اب شکوہ کرنے لگا۔
''ہمارے بارے میں سوچنے کے بجائے تم اور لوگوں کی لو اسٹوری آگے بڑھانے میں لگی ہو۔'' مانہ نے آنکھیں دیکھائیں، الحان مسکرا دیا۔
''اچھا ٹھیک ہے، سوچتا ہوں کچھ۔''
''تھینک یو!''
مانہ خوشی سے اچھل پڑی، الحان محبت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا، مانہ جلدی سے گلاس میں پانی بھرتی واپس دروازے میں آ کھڑی ہوئی، وہ جاتے جاتے پلٹی۔
''گڈ نائٹ۔'' خوبصورت مسکراہٹ لبوں پر بکھیرتی وہ تقریباً دوڑتی ہوئی سیڑھیاں پھلانگنے لگی۔
''گڈ نائٹ۔'' الحان اسے نگاہوں سے اوجھل ہوتے دیکھ، مسکرا کر رہ گیا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ متلاشی نگاہیں اِدھر اُدھر دوڑاتا اصطبل کے پاس چلا آیا، جہاں عاشر گھوڑوں کا نظارہ کرتا، موبائل پر کسی سے محوِ گفتگو تھا، الحان نے اسے دیکھتے ہی لمبی سانس کھینچی، اسے اب عاشر سے جلن محسوس نہیں ہو رہی تھی، نہ ہی اسے دیکھ کر اس کا خون کھول رہا تھا، وہ اب پوری طرح سے ریلیکس تھا، اسے اس شخص سے اب کسی قسم کا کوئی بھی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا، وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب چلا آیا۔
''عاشر!'' عاشر نے ابھی ابھی بات ختم کرتے ہی موبائل اپنی جینز کی پوکٹ میں رکھا تھا، الحان کو اپنی جانب بڑھتے دیکھ وہ سوالیہ نگاہیں اس پر ٹکا کر کھڑا ہوا۔
''آج کوئی ڈیٹ نہیں شیڈول میں؟''
الحان نے نزدیک آتے ہی پوچھا۔
''فی الحال نہیں۔'' وہ سادگی سے بولا۔
''ارینج کروا دو یار، بہت بور ہو رہا ہوں۔'' الحان نے ایکٹنگ کی، عاشر ایک اچٹتی نگاہ اس پر دوڑاتا ہاتھ میں پکڑے چند کاغذوں کو آگے پیچھے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔
''اچھا سنو!'' الحان پھر سے بولا۔
''ہوں؟'' عاشر مصروف انداز میں گویا ہوا، الحان نے کن اکھیوں سے اس کی جانب دیکھا۔
''ایسا کرو، اس بار کی ڈیٹ صاحبہ کے ساتھ ارینج کرواؤ، میں اسے مزید جاننا چاہتا ہوں، انفیکٹ ہماری ابھی تک کچھ زیادہ بات تک نہیں ہوئی ہے۔'' الحان نہایت سنجیدگی اختیار کرتے پاس کھڑے عاشر کو چڑانے لگا، صاحبہ کا نام سنتے ہی عاشر کے مصروف ہاتھ ایک لمحے کے لئے رکے، وہ کچھ سوچنے لگا، الحان نے دیکھا، عاشر کے چہرے پر گہری سنجیدگی اور جلن ایک ساتھ بکھرتی دیکھائی دی تھی، الحان اندر ہی اندر بھنگڑے ڈالنے لگا، معنی خیز مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ ایک دم سنجیدہ ہو کھڑا ہوا۔
''تو پھر تم ارینج کروا رہے ہو ناں ہماری، میرا مطلب میری اور صاحبہ کی ڈیٹ؟'' وہ بغور اس کی جانب دیکھتا اسے مزید کھوجنے کو تیار تھا۔
''نہیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔
''کیوں نہیں؟'' الحان نے ناراضی کی ایکٹنگ کی۔
''کیونکہ فی الحال انتظامات نہیں کیے جا سکتے، موسم کبھی بھی خراب ہو سکتا ہے۔''
''کہاں کا موسم، آسمان کا یہ تمہارا؟'' الحان کی سرگوشی پر وہ اچنبھے سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔
''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ؟'' الحان چند ثانیے کو رکا، پھر بولا۔
''تم صاحبہ کو پسند کرتے ہو، رائٹ؟'' الحان شرارت سے مسکرانے لگا، عاشر حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا، نظروں کا زاویہ گھمائے متانت بھرے لہجے میں گویا ہوا۔
''نہیں......تم سے کس نے کہا؟''
''اندھا نہیں ہوں یار، تمہاری آنکھوں میں دیکھائی دیتا ہے۔'' عاشر خاموش ہو کھڑا ہوا۔
''تم اقرار کرتے ہو، یا پھر میں اقرار ہی سمجھوں؟'' الحان اسے چھیڑنے لگا، عاشر مسکرا دیا۔
''ہاں کرتا ہوں، لیکن اس کے دل میں کیا ہے، یہ نہیں جانتا۔''
''وہ بھی تمہیں پسند کرتی ہے۔''
''یہ تمہیں صاحبہ نے کہا؟'' عاشر حیران ہوا۔
''نہیں...... مانو نے اس سے بات کی تھی، صاحبہ نے اپنی محبت کا اقرار کیا ہے۔''
''اوہ......'' عاشر لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا۔
''تو یہ تم دونوں کی ملی بھگت تھی۔''
''بالکل، اب بتاؤ کہ صاحبہ سے بات کب کر رہے ہو؟''
''اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، جب سے ہم لوگ Ranch آئے ہیں، ایک پل کی فرصت نہیں ملی یار۔'' الحان کچھ سوچتے ہوئے بولا۔
''ہوں...... چلو اس کا بھی کچھ نہ کچھ بندوبست ہم کیے دیتے ہیں، ایسا کرتے ہیں، کل میں ساری لڑکیوں کو ہائی کینگ پر لے جاتا ہوں، صاحبہ بیمار رہنے کا بہانہ کرلے گی، ہم لوگ چلے جائیں گے، پیچھے تم دونوں آرام سے بیٹھ کر بات کر لینا۔'' عاشر بھی سوچ میں پڑ گیا۔
''ہوں، گڈ آئیڈیا۔'' الحان دھیمے سے مسکرا دیا۔

☆☆☆

خبر ملتے ہی صاحبہ خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی، شرم کے مارے سرخ ہوتا چہرہ جھکائے وہ جھینپ سی گئی۔
دن ڈھل چکا تھا، سبھی لوگ چوب محل کے اندر موجود کسی نہ کسی کام میں جتے تھے، ڈنر کی تیاریاں شروع کی جا چکی تھیں، کوئی سلاد بنانے میں مصروف تھا تو کوئی گرل کرنے میں، تو کوئی کچن میں ایسے ہی کھڑا خوش گپیوں میں مصروف تھا، باہر لاؤنج میں قدرے خاموشی تھی، الحان عاشر کے برابر میں بیٹھا محو گفتگو تھا، آسمان پر بچھی نیلی چادر اب کالی چادر میں تبدیل ہو چکی تھی، چوب محل کے باہر خنک ہوا کھلم کھلا دندناتی پھر رہی تھی، دور سے دو تارے چمکتے ہوئے چوب محل کی طرف بڑھتے دیکھائی دیئے تھے، وہ دونوں چمکتے دمکتے ٹمٹماتے تارے نزدیک ہوتے ہی کار کی ہیڈ لائٹس میں تبدیل ہو چکے تھے، ایک کالی مرسڈیز نخوت سے چلتی، اترائی بل کھاتی، چوب محل کے باہر آرکی، گاڑی کے گھمنڈی ہارن پر الحان اور عاشر حیرانگی کا اظہار کرتے تیزی سے چلتے چوب محل سے باہر نکل آئے، کار کا دروازہ کھلا تھا، الحان متلاشی نگاہیں ڈرائیونگ سیٹ کے کھلے دروازے پر ٹکائے کار کے نزدیک جانے لگا تھا، وہ شاید اس کار کو پہچان گیا تھا، تبھی خاصا حیران دیکھائی دے رہا تھا۔
''الحان! میری جان، میرے بھائی، میرے دوست۔'' کبیر نے باہر نکلتے ہی خوشی کا اظہار کیا، الحان اسے دیکھتے ہی تیوری چڑھا کر رہ گیا، کبیر روڈ کراس کر کے اس کے نزدیک چلا

آیا۔

''ارے کتنا خوش دیکھائی دے رہا ہے میرے یہاں آنے پر، آ آ آ میرا پالا بچہ، پہلے بول دیتا، میں پہلے ہی چلا آتا۔'' کبیر نے اس کے بگڑتے تیور دیکھ لئے تھے، تبھی وہ اسے مزید تپانے کی کوئی کسر باقی نہ چھوڑ رہا تھا۔

''تو یہاں کیا کر رہا ہے؟'' الحان نے نزدیک پہنچتے ہی دانت پیسے، کبیر معنی خیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا، زبردستی بغلگیر ہوا۔

''یاد ستا رہی تھی جناب آپ کی، اس لئے دوڑے چلے آئے۔'' الحان اسے گھورتا کچھ کہنے کو تھا کہ اگلے پل اس کی نگاہ کار کی پچھلی سیٹس کے کھلتے دونوں دروازوں پر جا رکی۔

''ڈیڈ......! موم؟۔''

ایک جانب ابراہیم صاحب سوٹڈ بوٹڈ کھڑے تھے اور کار کی دوسری جانب سوبر پرسنالٹی کی مالکہ مسز ابراہیم، الحان ان دونوں کو حیرانی سے دیکھتا ان دونوں کی جانب لپکا، ابراہیم صاحب گھوم کر اپنی بیگم کے برابر میں آ کھڑے ہوئے۔

''الحان میرا بچہ۔'' مسز ابراہیم نے اپنے لاڈلے کو سامنے دیکھتے ہی اپنی ماِمتا کا اظہار کیا، وہ تیزی سے چلتیں الحان کے قریب چلی آئیں، زور سے بغلگیر ہونے کے بعد وہ اس کی پیشانی چوم رہی تھیں، مسز ابراہیم کی نسبت، ابراہیم صاحب کافی چڑچڑے دیکھائی دے رہے تھے، ماں سے ملنے کے بعد اب وہ اپنے ڈیڈ سے بغلگیر ہوا تھا۔

''تمہاری موم تم سے ملنے کو بے چین تھیں۔'' ابراہیم صاحب نے اردگرد نگاہ دوڑائی، کریو کے کچھ لوگ آس پاس جمع تھے، سبھی نے آگے بڑھ کر سلام پیش کیا۔

''لیڈیز! یہ میرے موم ڈیڈ ہیں۔'' اس نے

''ڈیڈ! یہ عاشر زمان اسے تو آپ جانتے ہی ہیں میرا یونیورسٹی فیلو رہا ہے۔'' الحان نے عاشر کا تعارف کروایا، ابراہیم صاحب اثبات میں سر ہلاتے عاشر سے ہاتھ ملانے لگے، ابراہیم صاحب کا رعب اتنا تھا کہ کریو کی پوری ٹیم سمیت الحان بھی چوکنا کھڑا دیکھائی دیا تھا۔

''آپ لوگ اندر آیئے۔'' الحان کی ریکوئسٹ پر موم ڈیڈ سمیت سبھی لوگ چوب محل کے اندر داخل ہوتے دیکھائی دیئے، کبیر سے نظریں ملتے ہی الحان ایک بار پھر سے اسے گھور کر رہ گیا، کبیر اس کی گھورتی نگاہوں کے بھی مزے لیتا، دندناتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

☆☆☆

سبھی چوب محل کے لاؤنج میں جمع تھے، ابراہیم صاحب اور ان کی بیگم صوفوں پر براجمان تھے، سبھی لڑکیاں کافی حد تک سٹپٹائی دیکھائی دے رہی تھیں، مس فاطمہ الگ کھڑی تھیں، خرم، عاشر، کے بغل میں موجود، عاشر کو تمام کیمرہ مین کو ہدایات دیتا دیکھ رہا تھا، تمام کیمراز سیٹ کر دیئے گئے تھے، ابراہیم صاحب اپنے اس چوب محل میں موجود ان تمام کیمراز کو دیکھتے مزید چڑ چڑے دیکھائی دے رہے تھے، ان کے لئے یہ سب فضولیات میں شمار کیا جاتا تھا اور پھر جب سے الحان نے اس شو میں آنے کی ٹھانی تھی تب سے ابراہیم صاحب کو اس شو سے کچھ خاص قسم کی نفرت محسوس ہونے لگی تھی، مسز ابراہیم اردگرد کا تمام نظارہ اگنور کرتیں، صرف لڑکیوں کو دھیان میں رکھے ہوئے تھیں، وہ نہایت باریک بینی سے ہر ہر لڑکی کا سرتا پا جائزہ لیتی دیکھائی دے رہی تھیں، تمام کیمراز سیٹ کیے جا چکے تھے، الحان نے گلہ کھنگارا۔

انٹروڈکشن کرایا۔

''اینڈ موم ڈیڈ یہ مانہ ہے۔'' اس نے سب سے آگے اور گھبرائی ہوئی کھڑی مانہ کی جانب اشارہ کیا، مانہ سر ہلا کر سلام کرنے لگی۔

''اور یہ صاحبہ؟'' الحان نے مانہ کے برابر میں کھڑی صاحبہ کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے ایک ساتھ سبھی کا تعارف کرایا۔

''اور مجھے بھول گیا؟'' الحان کے ساتھ میں کھڑے کبیر نے اسے دیکھا، الحان اسے گھورتا، مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس کا تعارف کرانے لگا۔

''اینڈ لیڈیز، یہ ہے کبیر، میرے بچپن کا دوست۔'' الحان نے تعارف کراتے ہی دانت پیس لئے تھے، جبکہ کبیر کھلکھلا کر سبھی لڑکیوں کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''اوکے گرلز، میرے پیرنٹس تھوڑی دیر آرام کریں گے پھر ہم سب ساتھ میں ڈنر کریں گے۔'' الحان نے ابراہیم صاحب کا چڑھا چڑھا پن نوٹ کرتے راہ فرار چاہی تھی، وہ اب اگلے لمحے کے لئے مکمل طور پر تیار تھا اور اس سب کے لئے وہ کبیر کا منہ نوچ لینے کو بھی تیار تھا، وہ اپنے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑتا، اپنی ماں کی جانب ہاتھ بڑھائے کھڑا ہوا، مسز ابراہیم اس کا ہاتھ تھامتی اٹھ کھڑی ہوئیں، ابراہیم صاحب بھی کھڑے ہو چکے تھے، الحان ایک اچٹتی سی نگاہ گھبرائی کھڑی مانہ پر دوڑاتا اپنے موم ڈیڈ سمیت گیسٹ روم کی جانب بڑھنے لگا، گیسٹ روم میں داخل ہوتے ہی اس نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا، دروازہ بند کرنے کی دیر تھی، ابراہیم صاحب گھورتی نگاہوں سے الحان کی جانب دیکھنے لگے، موم سامنے رکھی کرسی پر جا بیٹھیں۔

''الحان! تم ہماری فون کالز کا جواب کیوں نہیں دے رہے تھے، تمہیں اندازہ بھی ہے کہ ہم لوگ کس قدر پریشان ہو گئے تھے۔'' وہ درشت لہجے میں گویا ہوئے۔

''ڈیڈ! میں شو میں بزی تھا، یہاں فون زیادہ یوز کرنا الاؤ نہیں ہے اور ویسے بھی یہ شو روز آن ائیر جاتا ہے، میں اس شو میں دیکھائی دیتا ہوں، آپ کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' الحان اپنی موم کی جانب دیکھتا آہستگی سے گویا ہوا۔

''میں یہ فضول شو نہیں دیکھتا۔''

''میں دیکھتی ہوں الحان! باقاعدگی سے دیکھتی ہوں تمہارا شو اور مجھے ایک لڑکی بھی پسند ہے۔'' اس کی موم شیریں لہجے میں گویا ہوئیں۔

''رئیلی؟'' الحان حیرانگی سے ان کی جانب دیکھنے لگا۔

''ایس بیٹا، مجھے مانہ پسند ہے۔'' موم کی آنکھیں خوشی سے جگمگا رہی تھیں، الحان حیرانگی کا اظہار کرتا مسکرا دیا۔

''تمہیں بھی مانہ پسند ہے ناں؟'' وہ اب اسے کن اکھیوں سے دیکھتیں پوچھ رہی تھیں، الحان جھینپ سا گیا۔

''یس۔'' اس نے اپنے اندر خوشی سے اچھلتے دل پر قابو پاتے نارمل انداز میں کندھے اچکا کر کہا۔

''پوور گرل میری پوری ہمدردی ہے مانہ کے ساتھ، بہت ستاتے ہو تم اسے۔'' الحان مسکرانے لگا۔

''اور ہاں...... مسکان کو اس بار تم ایلیمینیٹ کرو گے، سمجھے تم۔'' وہ اب خفگی کا اظہار کرنے لگیں۔

''موم! میں ابھی مسکان کو ایلیمینیٹ نہیں کر سکتا، چینل والے اسے ٹاپ فور تک اس شو میں

چاہتے ہیں۔'' الحان نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

''مجھے یقین نہیں آرہا، کہ تم دونوں اس قدر بے وقوف ہو۔'' ابراہیم صاحب ماں بیٹے کے بیچ میں کود پڑے، الحان اب ابراہیم صاحب کی جانب دیکھنے لگا، وہ بول رہے تھے۔

''الحان تم اچھا خاصا بزنس چھوڑ کر ان تمام فضولیات میں لگے ہوئے ہو، شرم آتی ہے مجھے تمہیں اپنا بیٹا تصور کرتے ہوئے۔'' وہ اچھے خاصے بھنا گئے، الحان موم کی جانب دیکھنے لگا، موم خاموش بیٹھی رہیں۔

''ڈیڈ!''

''دیکھو الحان! میں پہلے ہی تمہاری وجہ سے اچھی خاصی شرمندگی اٹھا چکا ہوں، اب مزید کسی شرمندگی کی گنجائش نہیں رکھتا، میں جانتا ہوں کہ تم یہاں گیم کھیلنے آئے ہو، ٹائم پاس کرنے آئے ہو، تم ایک لڑکی میں مسلسل دلچسپی لیتے دیکھائی دے رہے ہو اور اگر اس شو کے اینڈ پر یا اس شو کے بعد تم نے اسے دھتکار دیا تو میری بچی کچی عزت بھی خاک میں مل کر رہ جائے گی، جانتے ہو تم؟'' وہ مسلسل اس پر گرجے چلے جا رہے تھے۔

''ڈیڈ! میں مانہ کے ساتھ واقعی سیریس ہوں۔''

''تم سیریس ہو؟'' وہ بغور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگے۔

''یس ڈیڈ!'' وہ اپنی بات پر ڈٹا رہا۔

''تم پچھلے سال مسٹر تھامس کی بیٹی کے ساتھ بھی سیریس تھے، تمہیں معلوم ہے ناں۔'' وہ اسے کچھ یاد دلانے لگے، الحان آنکھیں میچ کر رہ گیا۔

''میں اپنے پاسٹ میں کبھی کسی کے ساتھ سیریس نہیں رہا ڈیڈ، وہ میرے لئے سیریس تھی، میں اس کے لئے سیریس ہرگز نہیں تھا۔''

''دیکھو الحان! میری بات کان کھول کر سن لو، تم اگر اس شو کے اینڈ میں یا بعد میں اس لڑکی کو دھتکارنے والے ہو تو اس گیم شو کو ابھی روک دو، ورنہ۔''

''ڈیڈ پلیز، یہاں آپ کو مجھ پر ٹرسٹ نہیں، وہاں مانو مجھ پر ٹرسٹ نہیں کرتی، میں کیا کروں؟'' وہ بری طرح جھلا گیا۔

''کیونکہ تم ٹرسٹ کے قابل نہیں ہو۔'' ابراہیم صاحب نے آنکھیں دیکھائیں، الحان بجھ کر رہ گیا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ یقین کیوں نہیں کر رہے میرے بیٹے پر؟ ہوسکتا ہے اس بار ویسا ہی ہو، جیسا وہ بول رہا ہے۔'' مسز ابراہیم پریشانی سے گویا ہوئیں، ابراہیم صاحب غصے میں پھنکارتے بیڈ پر جا بیٹھے، الحان اپنا سر تھام کھڑا ہوا۔

''الحان بیٹا!''

''میں نے مانہ کی کتاب بھی پڑھی ہے، بہت اچھا لکھتی ہے وہ بچی۔'' اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔

''موم! آپ نے اس کا ناول پڑھا ہے؟''

''ہاں بیٹا، تمہارے ڈیڈ نے بھی پڑھا ہے۔'' وہ بخوشی بتانے لگیں، الحان بے یقینی کے عالم میں بیڈ پر بیٹھے اپنے ڈیڈ کی جانب دیکھنے لگا، نظریں ملتے ہی ابراہیم صاحب نے نظروں کا زاویہ پھیر لیا۔

''آ...... آپ کو کیسے معلوم کہ مانہ لکھاری ہے؟'' وہ اچنبھے اور خوشی کے ملے جلے تاثرات چہرے پر سجائے مخاطب تھا۔

''لاسٹ ایلیمنیشن والی دونوں لڑکیوں نے باہر آتے ہی ٹی وی اور انٹرنیٹ پر واضح طور پر

عرض کیا تھا، کہ ہماری مانہ مشہور مصنفہ میمانہ انان ہے۔"

"اوہ......" الحان اپنے لب بھینچ کر رہ گیا۔

"او کے آپ تھوڑی دیر آرام کر لیں، ہم لوگ ڈنر ساتھ میں کریں گے۔" موم اثبات میں سر ہلانے لگیں، الحان موم کے رخسار اور پیشانی چومتا، کمرے سے باہر نکل آیا۔

☆☆☆

رات کے کھانے کی شروعات کی جا چکی تھی، ابراہیم صاحب گہرے خاموش انداز میں کھانا کھا رہے تھے جبکہ مسز ابراہیم گاہے بگاہے کھانے کے دوران کچھ نہ کچھ بولے چلی جا رہی تھیں، عاشر ہمیشہ کی طرح چھوٹی سی سکرین کے سامنے بیٹھا ہر چیز کا باقاعدگی سے جائزہ لے رہا تھا، الحان نے چاولوں کی بائٹ لیتے ہی بے ارادہ طور پر نظریں اٹھا کر اپنے سامنے والی کرسی پر چاول کھاتے کبیر کی جانب دیکھا، جو معنی خیز نگاہوں سے اسے اپنی ہی جانب دیکھتا دکھائی دیا تھا، الحان اسے گھور کر رہ گیا، کبیر شریر مسکراہٹ لبوں پر سجائے نظروں کا زاویہ بدل گیا، کھانے کے بعد مسز ابراہیم صوفہ پر براجمان ہوئی تھیں، سبھی لڑکیاں ان کے ارد گرد پھیلیں ان کی چاپلوسی کرنے میں مصروف تھیں، ابراہیم صاحب خاموش بیٹھے ہر ہر فرد ہر ہر چیز کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے، جبکہ الحان اور کبیر اپنی موم کے ارد گرد بیٹھے سبھی لڑکیوں کی حرکتوں کا مزہ لیتے دکھائی دے رہے تھے۔

"میں سب کے لئے کافی بناتی ہوں۔" مانہ کچن کی جانب بڑھنے لگی۔

"میں اس کی مدد کرتی ہوں۔" صاحبہ بھی اس کے پیچھے دوڑ گئی، ابراہیم صاحب نے ان دونوں کو کچن کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا تھا، چند ثانیے بعد وہ الحان سے نظر بچاتے اٹھ کر کچن کی جانب بڑھ گئے۔

مانہ اور صاحبہ کافی بنانے میں مصروف تھیں، عقب سے ابھرتی گلا کھنگارنے کی آواز پر وہ دونوں چونک کر پلٹیں، سامنے ابراہیم صاحب کھڑے تھے، انہیں دیکھتے ہی مانہ کے ہاتھ پیر پھولنے لگے، خوف کے مارے اس کا حلق خشک ہونے کو آیا تھا، ابراہیم صاحب کا رعب اتنا تھا کہ وہ خود سے کچھ بول ہی نہ پائی، خاموشی سے لب بھینچتی وہ سوالیہ نگاہیں ان کے چہرے پر دوڑائی صاحبہ کی جانب دیکھنے لگی، جو خود کافی حد تک ڈری ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"آپ بیٹا تھوڑی دیر کے لئے باہر جائیں گی؟ مجھے مانہ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" ابراہیم صاحب کا اشارہ صاحبہ کی جانب تھا، وہ خاموشی سے سر اثبات میں ہلاتی کچن کے دروازے کی جانب بڑھنے لگی۔

"جی!" وہ سر ہلاتی مانہ پر نگاہ دوڑاتی کچن سے باہر نکل گئی، مانہ کی حالت بری ہو چلی تھی، وہ ساکت کھڑی سانس روکے ابراہیم صاحب کی جانب دیکھنے لگی، وہ اب اس سے مخاطب تھے۔

"آپ اچھی خاصی سمجھدار ہو مانہ! اس کے باوجود اس فضول سے شو میں، ان منافق لڑکیوں کے بیچ کیوں چلی آئی ہو؟" وہ گہری سنجیدگی سے گویا تھے، مانہ کا سانس پھولنے لگا تھا، سردی کے باوجود اس کے ماتھے اور ہاتھوں پر پسینے کے چند قطرے نمودار ہونے لگے تھے۔

"تھوڑی پرابلم...... کچھ...... مسئلہ...... اچانک......" اس کی آواز گلے میں دب کر رہ گئی، ابراہیم صاحب نے گہری لمبی سانس کھینچی۔

"خیر! تم کافی سمجھداری کا مظاہرہ کر رہی ہو اس شو میں...... لیکن الحان!" وہ چند ثانیے رکے،

پھر بولے۔

''اس کی عادات سے تو میں اچھے سے واقف ہوں، میری ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ الحان زندگی کے بارے میں سیریس ہو جائے، اپنے بزنس کے لئے سیریس ہو جائے، لیکن اس نے ہمیشہ مجھے شرمندہ اور نا امید ہی کیا ہے۔'' مانہ خاموش کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''الحان کا کہنا ہے کہ وہ تمہارے لئے سیریس ہے۔'' مانہ نظریں جھکا کر کھڑی ہوئی، اس کی حالت بری سے بری تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔

''اگر ایسا واقعی ہے تو یقیناً میرے لئے خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہے گی کہ تم جیسی شریف نیک ایماندار اور سمجھدار لڑکی میرے اس نادان بیٹے کی زندگی میں چلی آئی، جس نے اسے سچی محبت سے آشنا کرایا، جس نے اسے زندگی کے لئے سیریس ہونا سکھایا، میں بیٹا خوشی خوشی تمہیں اپنی بہو کی صورت قبول کرنے کو تیار ہوں۔'' مانہ آنکھیں میچتی لمبا سانس کھینچنے لگی۔

بمشکل خود پر قابو پاتی وہ اپنے آنسو اندر کی جانب دھکیلنے لگی، ابراہیم صاحب بول رہے تھے۔

''لیکن مجھے ڈر ہے، کہ شاید الحان تمہیں صرف اس شو کے لئے پسند نہیں کر رہا ہو، کہیں وہ اس شو کے اینڈ میں یا شو کے باہر تمہیں دھتکار نہ دے، میں الحان سے ڈرتا ہوں، اس کی حرکتوں سے اس کے فیصلوں سے ڈرتا ہوں، میری تم سے صرف ایک گزارش ہے بیٹا، تم جیسے اس شو میں چل رہی ہو، ویسے چلتی رہو، الحان کو اپنی جانب سے کوئی امید کی کرن مت تھمانا، پوری دنیا دیکھتی ہے یہ شو، اگر تم نے اسے امید کی کرن تھما دی اور اس کے بعد اس نے اگر تمہیں دھتکار دیا تو یہ صدمہ میں برداشت نہیں کر پاؤں گا، پہلے ہی لوگ الحان کے اس شو کو لے کر طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں، وہ میرا بیٹا ہے، مجھے اس سے محبت ہے، کوئی میرے سامنے میرے بیٹے کے خلاف بات کرے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔''

مانہ ان کے خاموش ہونے پر نظریں نہ اٹھا پائیں، اس کی آنکھیں بھیگی تھیں، ابراہیم بغور اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگے۔

''تم میری بات سمجھ رہی ہو ناں؟'' انہوں نے پوچھا، مانہ آہستگی سے سر ہلانے لگی۔

''مجھے تم سے یہی امید تھی۔'' ابراہیم صاحب پہلی بار مسکرائے۔

''الحان کو تھوڑا ٹائم دو، اس شو کے باہر، اس شو سے ہٹ کر اگر الحان تمہیں پرپوز کرتا ہے، تمہیں اپنانے کی خواہش ظاہر کرتا ہے، تو میں وعدہ کرتا ہوں بیٹا کہ میں اسی دن، اسی پل تمہیں اپنی بہو بنا کر اپنے گھر لے جاؤں گا اور میری خواہش ہے کہ ایسا ہی ہو۔''

مانہ نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھا کر ابراہیم صاحب کے مسکراتے ہوئے چہرے کی جانب دیکھا، وہ اس سے نظریں ملاتے، اثبات میں سر ہلاتے کچن سے باہر نکل گئے، مانہ نے لمبی سانس کھینچی اور گم صم نگاہوں سے کچن کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی، اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی، وہ پلٹی اور سامنے شیلف پر رکھے برتنوں پر نظر دوڑاتی آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

کافی کا دور اختتام کو تھا، سبھی لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے، مانہ سب سے الگ تھلگ بیٹھی مگ تھامے نجانے کن سوچوں میں گم تھی، الحان گاہے بگاہے نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''سرپرائز۔'' خرم اللہ دین کے چراغ کے جن کی طرح ایک بار پھر سے آن وارد ہوا تھا، سبھی لوگوں نے ایک ساتھ سر اٹھا کر سامنے کھڑے شریر مسکراہٹ لبوں پر بکھیرے خرم کی جانب دیکھا، لڑکیوں کے چہروں پر حیرانگی کے ساتھ خوف بھی تھا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ خرم سرپرائز صرف ایک ہی چیز کا دیا کرتا تھا اور وہ سرپرائز ہوتا تھا ایلیمنیشن۔

''یس ایلیمنیشن سرپرائز!'' خرم دانت نکالے الحان کی جانب دیکھنے لگا، الحان اس کا اشارہ سمجھتا، سر ہلاتا ساتھ جا کھڑا ہوا۔

''لیڈیز پلیز۔'' خرم نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں قطار بنا کر کھڑے ہو جانے کو کہا، سبھی لڑکیاں منہ بسورتیں قطار بنا کھڑی ہوئیں، ابراہیم صاحب ہنوز چڑچڑے دکھائی دیئے جبکہ مسز ابراہیم تفکر بھرے انداز میں سبھی لڑکیوں اور پھر خاموش کھڑے الحان کی جانب دیکھنے لگیں، کبیر پرشوق نگاہوں سے براہ راست ایلیمنیشن کی گھڑیاں دیکھ رہا تھا۔

''الحان آج دو لیڈیز کو ایلیمنیٹ کریں گے، جو ابھی اپنے گھروں کو واپس روانہ ہو جائیں گی۔''

مانہ اور صاحبہ کو چھوڑ کر باقی سبھی لڑکیوں کے چہروں پر بجتے بارہ کسی سے چھپے نہ رہے تھے، خرم کیمراز کے پیچھے جا کھڑا ہوا، گلابوں بھری ٹیبل الحان کے سامنے موجود تھی، اس نے سبھی لڑکیوں پر نگاہ دوڑائی، پھر ایک گلاب اٹھایا اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد مانہ کا نام پکار ڈالا، مانہ خاموشی سے چلتی اس کے قریب آئی، گلاب تھامتی دوسری جانب جا کھڑی ہوئی، پھر صاحبہ کا نام پکارا گیا، آشلے نفرت بھری نگاہوں سے گلاب پکڑے کھڑیں دونوں لڑکیوں کو گھورنے لگی، تیسرا نام جینی کا چوتھا نام تانیہ، پانچواں آشلے اور پھر آخر میں بہت سوچنے کے بعد مسکان کا نام پکارا گیا، جو اپنا نام سنتی سکون کا سانس لیتی، مسکراتی ہوئی الحان کے سامنے آ کھڑی ہوئی، الحان نے نارمل بی ہیو کیا، مسکان گلاب تھامتی سلیکٹ کی جانے والی پانچوں لڑکیوں کے برابر جا کھڑی ہوئی، ایلیمنیٹ کی جانے والی دونوں لڑکیاں افسردہ سر جھکائے کھڑیں آنسو بہانے لگی تھیں۔

''لیڈیز! آپ لوگوں کا الحان کے ساتھ کل کی ہائی کینگ کا ٹرپ کینسل، کیونکہ کل آپ سبھی کو ہائی کینگ کے بجائے کہیں اور لے جایا جائے گا، کہاں؟ یہ آپ کو مسز ابراہیم بتائیں گی۔'' خرم مہذب انداز میں بولتا، مسز ابراہیم کی جانب دیکھنے لگا، الحان یکایک چونک اٹھا، وہ حیرانگی سے اپنی موم کی جانب دیکھنے لگا۔

''سوری بیٹا آپ لوگوں کی ہائی کینگ کا پلان کینسل کرا دیا گیا، میں دراصل چاہ رہی تھی کہ آپ سبھی کو ایسی جگہ لے جایا جائے جہاں صرف آپ لوگوں کا نہیں بلکہ وہاں پر موجود وہاں پر بستے سبھی بچوں کا دل بھی آپ سے مل کر یقیناً خوش ہو جائے گا۔'' مسز ابراہیم چند لمحوں کے لئے خاموش ہوئیں، مسکرائیں، پھر بولیں۔

''ہماری شادی کے آٹھ سال تک، ہمارے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، ابراہیم صاحب کو بچوں سے بہت لگاؤ تھا، پھر ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ ایک سینٹر کھولنا چاہتے ہیں، جہاں یتیم بچوں کی اچھے سے پرورش کی جا سکے، ان کا اچھا مستقبل بنایا جا سکے، میں نے ان کی سوچ پر انہیں داد دی، پھر ہم نے ایک سینٹر کھولا، جس کا نام ہم نے House of Happiness رکھا، وہ سینٹر کھولنے کے ٹھیک ایک سال بعد اللہ نے ہمیں ایک بیٹے کی خوشی سے نوازا۔'' مسز

ابراہیم چمکتی نگاہوں سے الحان کی جانب دیکھنے لگیں، الحان خوشگوار مسکراہٹ لبوں پر سجائے انہی کی جانب دیکھ رہا تھا، سبھی لڑکیاں بہت غور سے ان کی باتیں سن رہی تھیں، لاؤنج میں بالکل خاموشی چھائی تھی، صرف مسز ابراہیم کی آواز گونج رہی تھی۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ سبھی وہاں چل کر ان یتیم بچوں بچیوں کے ساتھ تھوڑا ٹائم گزاریں، وہ بچے چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو انجوائے کرتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ سبھی کو بھی وہاں جا کر ان معصوم بچوں سے مل کر یقیناً دلی خوشی محسوس ہوگی۔''

مسز ابراہیم کی بات کے اختتام پر سبھی لڑکیاں مسکراتیں اثبات میں سر ہلانے لگی تھیں، اب نجانے وہ دل سے مسکرائیں تھیں یا صرف سامنے ریکارڈنگ کرتے کیمراز کے لئے، ان سب میں صرف ایک تھی، جو بے حد افسردہ، سر جھکائے کھڑی تھی، نجانے اسے کس بات کا غم تھا، ابراہیم صاحب کی باتوں کا یا پھر مسز ابراہیم کی باتیں سن کر وہ اس قدر افسردہ ہو کھڑی ہوئی تھی، الحان نے اس پر نگاہ دوڑائی، وہ اس کے افسردہ چہرے کا جائزہ لیتا من ہی من میں ہم کلام ہوا۔

''اسے کیا ہوا گیا ہے اچانک؟''

☆☆☆

سبھی لوگ اپنے اپنے کمروں اپنی اپنی خواب گاہوں میں تھے، الحان اپنے کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹتا کافی بے چین دکھائی دے رہا تھا، دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی، الحان دروازے کی جانب دیکھتا گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''یس!''

دروازے کا ہینڈل ہلکے سے گھوما، الحان کی نگاہیں دروازے پر تھیں، دروازے کا پٹ کھلا اور کبیر دندناتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

''ہمیں تم سے پیار کتنا، یہ ہم نہیں جانتے، مگر جی نہیں سکتے، تمہارے بنا۔'' دروازہ بند کرتے ہی، وہ کمینی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس کے اردگرد چکر کاٹتا، گنگنانے لگا، الحان پہلے ہی چڑا ہوا تھا، اس کی اس حرکت پر مزید چڑ کر رہ گیا۔

''سالے!'' الحان نے پاس رکھے صوفے پر سے کشن اٹھا کر کھینچ کر کبیر کے سر پر دے مارا، وہ جو گنگنانے میں مگن تھا، اپنا سر تھام کر رہ گیا۔

''ابے جان لے گا کیا؟'' وہ اب الحان کو گھورنے لگا تھا۔

''دل تو یہی چاہ رہا ہے میرا کہ جان سے مار ڈالوں تجھے سالے!''

''ابے کیوں؟ ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی یار!''

''چل بکواس نہ کر، تو نے مجھے آنے سے پہلے کال کیوں نہیں کی؟'' وہ اب اس کے روبرو جا کھڑا ہوا۔

''انکل کا حکم تھا کہ تمہیں آنے کی اطلاع نہ دی جائے، دراصل وہ یہاں آ کر چھاپہ مارنا چاہتے تھے۔'' الحان اسے گھورنے لگا۔

''سچ کہہ رہا ہوں، تیری قسم۔'' کبیر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، الحان نے چڑتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''اچھا سن تم سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔'' الحان اسے اگنور کرتا کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

''یار! آفس میں ایک نئی لڑکی آئی ہے، فجر، مسلمان ہے یار! وہ اتنی چھوٹی موئی سی ہے کہ کیا بتاؤں؟ مجھے لگتا ہے کہ مجھے اس سے محبت ہو گئی

ہے۔" وہ بیچارگی چہرے پر سجائے الحان کی جانب دیکھنے لگا، الحان خاموش کھڑا رہا۔

"ابے تیرے سے بات کر رہا ہوں، کچھ بولے گا؟"

"کیا بولوں؟" الحان چڑچڑا ہو رہا تھا۔

"بھول جا فجر کو وہ نہیں تجھے ملنے والی؟"

کبیر خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے لگا، پھر دھیمے سے گویا ہوا۔

"تو بتا کیا تو مانہ کو بھلا سکتا ہے؟" الحان براہ راست اس کی جانب دیکھنے لگا، کبیر خاصہ سنجیدہ دیکھائی دے رہا تھا، الحان ساکت ہو کر رہ گیا۔

"نہیں۔"

کافی دیر بعد دور سناٹے میں ڈوبی ایک سرگوشی ابھر کر سماعت سے ٹکرائی، کبیر سیدھا ہو بیٹھا، نظروں کا محور الحان تھا۔

"تجھے مانہ سے محبت ہو گئی ہے ناں؟" وہ پوچھ رہا تھا، الحان خاموشی سے نظریں چرا گیا۔

"بول تجھے اس سے محبت ہو گئی ہے، ہے ناں؟" وہ اگلوانے لگا۔

"ہاں ہو گئی ہے۔" وہ بنا نظریں ملائے آسانی سے مان گیا، کبیر نے اپنے ہاتھ میں پکڑا کشن اچھالا۔

"تو محبت ہو گئی ہے جناب کو۔"

"دیکھ کبیر! وہ شرط کب کی ختم ہو چکی ہے۔" وہ اسے وارن کرتے ہوئے بولا۔

"کس نے کہا؟" کبیر کو اچنبھا ہوا۔

"میں نے۔" وہ گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"شرط ختم نہیں ہوئی میری جان، تم شرط ہار گئے ہو اور مابدولت شرط جیت چکے ہیں۔" وہ تھوڑے غرور سے بولا، الحان کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔

"کہاں تھا ناں تجھے کہ محبت بڑی ظالم چیز ہے، ایک بار جکڑ لے تو راہ فرار کا موقع نہیں دیتی اور وہ تو یہ تھا جو ایک ہی رٹ لگائے بیٹھا تھا کہ نہیں مجھے زندگی میں کبھی کسی سے محبت نہیں ہو سکتی۔" کبیر نے اس کی نقل اتاری، الحان اسے گھورنے لگا۔

"تیری بکواس ختم ہو گئی ہو تو میں جا کر سو جاؤں؟"

"ایسے کیسے سو جاؤں، شرط ہارے ہیں آپ الحان ابراہیم صاحب!" وہ شریر نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا، الحان اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"کیا چاہتا ہے تو؟"

"اوں۔" کبیر کچھ سوچنے لگا، پھر جلدی سے بولا۔

"نہیں...... اچھی طرح سے سوچنے کے بعد کوئی برا سا کام کرواؤں گا تیرے سے، فی الحال تجھے معاف کیا۔" الحان اسے گھورتا ہوا بیڈ کی جانب بڑھ گیا، کبیر وہیں کھڑا شریر مسکراہٹ لبوں پر بکھیر کھڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

"یا اللہ پاک! میں ایک کھلونا مٹی کا، تیرے کن سے جو تخلیق ہوا، تیرے کرم نے ذی روح کیا مجھے، تیرے حکم سے سانسیں چلتی ہیں، تیرے فضل سے ہستی قائم ہے، تو اول تو ہی آخر، تو ظاہر، تو ہی باطن ہے میرے اللہ پاک، تو ہی میرا خالق، میرا مالک، میرا مولیٰ ہے، اے اللہ پاک، میں تیری عبادت کرتی ہوں، تجھ ہی سے مدد چاہتی ہوں، یا اللہ میں بہت کمزور ہوں، مجھے طاقت عطا فرما، میں بری ہوں یا اللہ بہت بری، تو تو اچھا ہے میرے مولیٰ میری مدد فرما۔"

تہجد کے نوافل پڑھنے کے بعد وہ اپنے دونوں ہاتھ بارگاہ الٰہی میں اٹھائے بے قراری

سے گڑگڑا رہی تھی، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام تک نہ لے رہے تھے، وہ کافی دیر یونہی جائے نماز پر بیٹھی روتی رہی، پھر بے دردی سے اپنے رخسار رگڑتی، جائے نماز لپیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے جائے نماز کرسی پر رکھی پھر لائٹ بجھائی، اندھیرے کمرے میں چلتی بیڈ پر آ بیٹھی جانے اسے کس چیز کی بے چینی تھی، وہ بیڈ پر بیٹھی بے چینی کے عالم میں ہلتی رہی، اس نے ایک سسکی لی، آنسو آبشار کی صورت اس کی بند آنکھوں سے بہتے چلے جا رہے تھے، چاند کی مدھم نیلی روشنی کمرے کے در و دیوار سے ٹکراتی سر پٹک رہی تھی، خنک ہوا، شیشے کی کھڑکی پر دستک دینے سے باز نہ آ رہی تھی، اس کا دل ہوک رہا تھا، سر میں بھی شدید درد ہونے لگا تھا۔

''جو لمحات جو احساسات جو یادیں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے دل میں دفن کرنے کو کوشاں رہی وہ ایک بار پھر سے میرا دل چیر دینے کو مستعد ہیں۔'' بند اندھیرے کمرے میں ایک درد بھری سسکی ابھری۔

''یا اللہ پاک! میری مدد فرما۔'' وہ ٹانگیں اٹھا کر بیڈ پر دبک کر بیٹھ گئی تھی ایسے جیسے اس کا ماضی اپنی پوری ہیبت سمیت ایک بار پھر سے واپس لوٹ آیا ہو، اسے جھنجھوڑ دینے کے لئے۔

☆☆☆

(House of Happiness) کا بڑا سا قد آور گیٹ کراس کرتے ہی وین میں موجود سبھی لڑکیاں سپاٹ نگاہوں سے بلڈنگ کی جانب دیکھنے لگیں، مانہ بلڈنگ پر نظر دوڑاتی لمبی لمبی سانسیں کھینچنے لگی، مسکان نے اپنی دوستی آشلے سے بڑھالی تھی، تبھی وہ اس کے ساتھ سیٹ شیئر کرتی پورا راستہ کھلکھلاتی آئی تھی۔

الحان اپنے موم ڈیڈ اور کبیر کے ساتھ اپنی الگ کار میں تھا، وین میں بہت سے لوگ موجود تھے، لیکن مانہ ان سب کی موجودگی کے باوجود بالکل تنہا تھی اسے کسی کے سہارے کی تلاش تھی، کہ جس کے عقب میں چھپ کر وہ اپنے ڈراتے ماضی کی یادوں سے چھٹکارا حاصل کر پاتی، لیکن وہ اکیلی تھی، اسے سہارا دینے کے لئے اس وقت وہاں کوئی موجود نہ تھا۔

''وہ دیکھو! کتنے معصوم بچے ہیں۔'' تانیہ بچوں کو دیکھتے ہی خوشی کا اظہار کرنے لگی، مانہ نے نظریں گھما کر اس کے اشارے کی سمت دیکھا۔

''ایسی جگہوں میں موجود سبھی بچے معصوم نہیں ہوا کرتے، کچھ بچے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اپنوں کی دی ہوئی اذیت سہتے سہتے، اپنی تمام معصومیت کھو دیتے ہیں۔'' وہ من ہی من میں ہم کلام ہوئی، درد کی اک لہر بے دردی سے اس کا سینہ چیرتی اس کے پورے جسم میں دوڑتی محسوس ہوئی، اس نے درد کی اذیت سہتے ایک گہری لمبی سانس کھینچی۔

''وقت...... وقت گزر جاتا ہے، پر وقت کے ہاتھوں اپنوں سے جو اذیت ملتی ہے، وہ کبھی نہیں بھولی جا سکتی۔'' لاکھ کنٹرول کرنے کی کوشش کے باوجود دو موتی شرارت سے لڑھکتے ہوئے اس کے رخسار پر آن ٹھہرے، مانہ نے جلدی سے نظر بچاتی اپنی نازک انگلیوں سے آنسو صاف کیے۔

''وقت کیسے گزرتا ہے، آہٹ بھی نہیں ہوتی، ہم وہیں کھڑے رہتے ہیں اور وہ گزر جاتا ہے، یا شاید ہم گزر جاتے ہیں اور وقت وہیں کھڑا رہتا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں سناٹا تھا، خوف تھا، درد تھا، وہ سرخ ہوتی نگاہیں بلڈنگ پر ٹکائے درد سے کراہ کر رہ گئی۔

بلیک مرسڈیز گیٹ سے اندر داخل ہوئی،

مسز ابراہیم کے کار سے باہر نکلتے ہی وہاں پر موجود سبھی بچے جو کہ ایک مخصوص یونیفارم میں ملبوس تھے، ان کی جانب لپکے، بچوں کے چہروں پر ایک الگ قسم کی خوشی نمودار ہوئی تھی، مسز ابراہیم تمام بچوں میں گھریں خوشگوار انداز میں انہیں پیار کرنے لگی تھیں، ابراہیم صاحب بھی خوشگوار اور کافی حد تک شاداں دکھائی دے رہے تھے، الحان اور کبیر الگ کھڑے بچوں کو دیکھتے مسکرا رہے تھے۔

''یہ بچے جو بظاہر مسکرا رہے ہیں اندر سے کہیں قدر ٹوٹے پھوٹے سے ہوتے ہیں یہ کوئی نہیں جانتا۔'' مانہ کی نگاہ اب ان بچوں پر مرکوز تھی۔

''ان بچوں کے ہر دن کی شروعات ایک آس ایک امید سے ہوا کرتی ہے کہ شاید آج ان کا اپنا کوئی، انہیں لینے کے لئے آ جائے اور پھر ہر دن کا اختتام وہی ایک آس وہی ایک امید ٹوٹ جانے پر ہوتا ہے، یہ بچے عام بچوں کی طرح نارمل ہرگز نہیں ہوا کرتے، بہت سی امیدوں کو مار کر بہت سی خواہشات کا گلہ گھونٹ کر یہ اپنے بچپن میں ہی بڑے ہو جایا کرتے ہیں، زندگی مار دیتی ہے، لیکن یہ پھر بھی زندہ رہتے ہیں۔'' مانہ کی ہم کلامی کا سلسلہ ٹوٹا جب اس نے دیکھا کہ سبھی لوگ ایک ساتھ بلڈنگ کے اندر داخل ہو رہے تھے، وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی ان کے ساتھ شامل ہوگئی، مسز ابراہیم وہاں پر موجود سسٹر کے ساتھ ساتھ چلتیں اس بلڈنگ کی ہسٹری بیان کر رہی تھیں، وہ مسز ابراہیم کو سنتے ہوئے بھی سن نہ پا رہی تھی، اس نے گردن گھما کر پلٹ کر دیکھا، الحان، ابراہیم صاحب کے برابر میں کھڑا اسی کے جانب دیکھ رہا تھا۔

اور اگلے ہی پل وہ اپنی نظروں کا زاویہ پھیرتی اس سے نظریں چرا گئی، الحان کو وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

''اسے ہو کیا گیا ہے اچانک، کل رات سے اتنی بجھی بجھی سی ہے، کچھ تو مسئلہ ہے۔'' وہ اس پر نظریں ٹکائے سوچ گیا۔

وہ سبھی لوگ ایک کلاس روم میں داخل ہوئے، ابراہیم صاحب، مسز ابراہیم اور سسٹر کے ہمراہ باتیں کرتے کلاس روم سے باہر نکل گئے، سبھی لڑکیاں الحان کو امپریس کرنے کی غرض سے ایک ایک بچے کی جانب بڑھتیں، ان سے پیار جتانے لگی تھیں، الحان دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا، مانہ نے پورے کمرے میں نگاہ دوڑائی، پھر اس کی نگاہ کمرے ایک کونے میں سہمی بیٹھی، گڑیا گود میں رکھی ننھی پری پر جا ٹکی، جو خوفزدہ نگاہوں سے اسے اپنی ہی جانب دیکھتی دکھائی دی تھی، وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی اس ننھی پری تک پہنچی۔

''ہائے۔'' مانہ نے خوشگوار مسکراہٹ لبوں پر بکھیرے پیار سے اسے مخاطب کیا، اجنبی آواز سماعت سے ٹکراتے ہی وہ بچی جو اپنی گڑیا کے بال سنوارنے میں مگن تھی، یکا یک چونکی، تجسس بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی، مانہ اس پانچ سالہ سی بچی میں وہ اپنے آپ کو محسوس کرنے لگی، اس کا دل درد سے پھٹنے کو تیار تھا، خود پر کنٹرول کرتی وہ درد بھری آواز میں گویا ہوئی۔

''میرا نام مانہ ہے اور آپ کا؟'' وہ درد بھری مسکراہٹ چہرے پر سجائے انگلش میں اس پانچ سالہ برٹش بچی سے پوچھ رہی تھی۔

''جوجو۔'' وہ اپنے بکھرے سنہری بال کانوں کے پیچھے اڑستی معصومیت سے گویا ہوئی، مانہ پیار بھرے انداز میں اس کے چہرے کو چھوتی مسکرا دی۔

''یہ ڈول کتنی پیاری ہے، سیم آپ جیسی۔''

مانہ نے اس بار اس کی ڈول کی جانب اشارہ کیا۔ بچی دمکتا چہرہ لئے گڑیا کو اٹھا کر دمکتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی، مانہ کی آنکھیں بھر آئیں، اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، وہ بنا نظریں گھمائے جلدی سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

''مانو!'' شناسا آواز سماعت سے ٹکرائی، وہ اس کی جانب دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

''مانو!'' اس نے ایک بار پھر سے پکارا، بچی ساکت بیٹھی اب مانہ کے بہتے آنسوؤں کی جانب دیکھنے لگی، الحان وہیں زمین پر بیٹھ گیا، ان دونوں کے بالکل قریب، سبھی لڑکیاں مانہ کی جانب گھورتی نظر آئیں۔

''مانو!'' اس بار اس نے سرگوشی کی، وہ حیران کن نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا اسے مخاطب کیے ہوئے تھے۔

''ہوں۔'' وہ صرف اتنا ہی بول پائی۔

''میری طرف دیکھو۔'' مانہ بمشکل کنٹرول کرتی ذرا کی ذرا پلکیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھتی اگلے ہی پل نظریں چرا گئی۔

''مانو! تم ٹھیک ہو؟'' وہ تفکر بھرے انداز میں گویا ہوا۔

''یس۔'' لرزتی دھیمی آواز الحان کی سماعت سے ٹکرائی۔

''نہیں، مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہیں، کیا بات ہے؟ مجھے بتاؤ، کسی نے تم سے کچھ کہا، ٹیل می؟'' وہ بغور اس کے چہرے کی جانب دیکھتا تفکرانہ انداز میں گویا تھا۔

''الحان کچھ نہیں ہوا ہے، کسی نے کچھ نہیں کہا، میرے سر میں شدید تکلیف ہے، طبیعت ٹھیک نہیں میری، بس۔'' اس نے جلدی سے ایک جھوٹ بولا، الحان خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا، پھر دھیمے سے بولا۔

''تم اتنی کمزور نہیں ہو مانو کہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے رو دو، جانتا ہوں میں تمہیں، تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں، تمہاری آنکھیں مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں، ضرور کچھ ہوا ہے، تم مجھے بتا نہیں رہیں۔''

''جب آپ کو معلوم ہے کہ میں نہیں بتانا چاہ رہی تو آپ پوچھنے کی ضد کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ اب براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتی، لرزتی آواز میں گویا ہوئی۔

''کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں، جو ہم کسی سے شیئر نہیں کر سکتے، وہ ہمارے دل میں دفن رہتی ہیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔'' ایک سسکی کے ساتھ ہی وہ بری طرح سے اپنے رخسار کو رگڑا۔

الحان اس کا غم بانٹنا چاہتا تھا، اس کے غموں کا برابر کا شریک ہونا چاہتا تھا اور مانہ ہر بار اس کی کوشش ناکام کیے دیتی تھی، وہ دکھ سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''مانو ایسا نہیں کرو، تمہیں معلوم ہے کہ جب تم روتی ہو تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔''

''آپ مجھے تنہا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟'' وہ پھر سے آنسو بہانے لگی۔

''نہیں چھوڑ سکتا۔''

''سبھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، یہ اس دنیا کی اور اس میں بستے لوگوں کی حقیقت ہے۔'' ایک بار پھر سے اس کی آنکھوں سے بھل بھل آنسو بہہ نکلے۔

☆☆☆

درد کی کیفیات اس کے چہرے کے نقوش سے واضح طور پر ٹپکتی دکھائی دیں، الحان حیران تھا۔

''مجھے کسی سے کوئی امید نہیں، انسان اس

دنیا میں اکیلا آتا ہے اور اکیلا ہی واپس جاتا ہے اور اس دوران بہت سے لوگ ہماری زندگی میں شامل ہوتے ہیں، وہ لوگ ہمارے اپنے ہی ہوتے ہیں اور پھر اس بے دردی زندگی کے حوالے کیے، ہمیں اکیلا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، بہت دور، ہم ان کی راہ دیکھتے دیکھتے تھک جاتے ہیں، وقت ہمارا ہاتھ تھامتا ہے اور پھر وہی وقت ہمیں دنیا کے اس سمندر میں تیرنا سکھاتا ہے، ہم تنہا تیرنا سیکھتے ہیں، بالکل تنہا۔'' وہ سپاٹ نظریں زمین پر گاڑھے، سپاٹ لہجے میں بول رہی تھی، الحان اس کی باتیں اس کا درد اس کی تکلیف سمجھنے میں کوشاں تھا، مانہ نے نظریں اٹھا کر، سرخ سوجی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا، شاید اب وہ اپنے ہوش میں باقی نہ رہی تھی، اس کا دل بھر آیا تھا، اسے اب کسی چیز کا خوف نہیں تھا، اس کے پاس کھونے کے لئے کچھ نہیں تھا، وہ پہلے سے لوگوں کی بے اعتنائیاں سہہ سہہ کر پتھر بن چکی تھی، اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس پل کیا کہہ رہی ہے، یا پھر اسے اب کسی کا خوف باقی نہ رہا تھا۔

ایک وقت آتا ہے کہ جب ہم اپنے کسی ہمدرد کے سامنے وہ وہ راز افشاں کر دیتے ہیں جنہیں ہم برسوں سے اپنے سینے میں دفن کیے چلے آرہے ہوتے ہیں، وہ ایک کمزور گھڑی ہوتی ہے، یا پھر شاید یہ اس کا کمزور لمحہ تھا، یا پھر شاید وہ واقعی نڈر ہو گئی تھی، وہ سپاٹ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی بر فیلے لہجے میں گویا ہوئی۔

''اس دنیا کے لوگوں نے مجھے توڑنے کی بہت کوشش کی۔''

''ان لوگوں کو کیا پتا، کہ پتھر کی چیزیں اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹا کرتیں۔''

وہ اپنے آنسو پونچھنے لگی، لہجہ ہنوز سپاٹ تھا، تاثرات سے بالکل خالی، برفیلی نگاہیں، ایک بار پھر سے سامنے فرش پر مرکوز تھیں۔

''میری نانی ماں کہتی تھیں، کہ چیزیں بدلتی ہیں تو اچھی لگتی ہیں، انسان بدلتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔'' مانہ کے درد کی کیفیت اب الحان کے چہرے پر سے واضح ہونے لگی تھی، وہ اس کی تکلیف محسوس کر رہا تھا، اس کی اذیت کو محسوس کرنے لگا تھا، مانہ وہ بول رہی تھی۔

''لیکن اس دنیا کا انسان تو پیدا ہی بدلنے کے لئے ہوا ہے، یہ زندگی موم کو پتھر بنانے میں ذرا دیر نہیں لگاتی اور سچ پوچھو تو میں نے زندگی میں کبھی کسی پتھر کو موم بنتے نہیں دیکھا۔''

''الحان!'' وہ پھر سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''دیکھیں اس بچی کی طرف۔'' اس نے گڑیا سے کھیلتی بچی کی طرف اشارہ کیا۔

''کتنی معصوم ہے، موم سے زیادہ نازک، لیکن آنے والا وقت، اسے بھی پتھر بنا دے گا اور آپ جانتے ہیں، ابھی جب ہم لوگ یہاں سے واپس چلے جائیں گے تو ان سبھی بچوں کے دل پر کیا گزرے گی، یہ کیا سوچیں گے، یہی کہ شاید یہ سبھی بچے ہمیں پسند نہیں آتے، ان کا درد ان کی فیلنگز مجھ سے بہتر اور کوئی نہیں جان سکتا، پتا ہے کیوں؟'' وہ اس کی جانب دیکھتی آنسو بہاتی اس سے پوچھ رہی تھی، الحان درد کے عالم میں کچھ بول ہی نہ پایا، وہ خاموشی سے اس کے چہرے کی جانب دیکھتا رہا۔

''کیونکہ مجھے معلوم ہے، کہ ٹوٹے بکھرے خوابوں کی کرچیاں آنکھوں میں بہت تکلیف دیتی ہیں۔'' اس نے ایک سسکی بھری، الحان تڑپ اٹھا۔

''مانو!'' اس نے سرگوشی کی، مانہ نے جلدی

سے اپنی آنکھیں صاف کیں، وہ پھر سے اس کی جانب دیکھتی سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔

''میں بھی انہی میں سے ایک ہوں الحان! میرا بچپن بھی ایک ایسی ہی کسی جگہ پر گزرا ہے، ایسے جب کوئی خاص مہمان آیا کرتا، تو میں خوش ہو جایا کرتی تھی کہ شاید مجھے میرا کوئی اپنا لینے چلا آیا، مگر جب وہ مہمان مجھے لئے بغیر واپس چلے جایا کرتے تو میں بہت خاموش ہو جایا کرتی، میرے آنسو باہر نہیں بہتے تھے، وہ اندر ہی اندر مجھے گھائل کرتے رہتے اور پھر تکلیف کی صورت اختیار کر غصہ پن کر باہر نکل آتے اور وہ غصہ بھی میں خود پر نکالا کرتی تھی۔'' اس نے درد میں لپٹی ایک بوجھل سی سانس کھینچی۔

''ایکسکیوز می۔'' وہ جلدی سے اٹھتی، تیز تیز قدم بڑھاتی کمرے سے باہر نکل گئی، الحان اس کے پیچھے لپکا تھا، سبھی لڑکیاں حیرانگی سے ان دونوں کی جانب دیکھنے لگی تھیں۔

مانہ کاریڈور میں دوڑتی چلی جا رہی تھی، الحان اس کے پیچھے تھا۔

''مانو!'' وہ اسے پکار رہا تھا۔

''یار پلیز سٹاپ اٹ، ہر چیز کی ریکارڈنگ ضروری نہیں ہوتی ہے۔'' الحان نے اپنے پیچھے لپکتے کیمرہ مین کی جانب پلٹتے ہی غصے کا اظہار کیا، الحان مانہ کے پیچھے دوڑا، کاریڈور کے آخر میں ایک دروازہ تھا، جو شاید لیڈیز واش روم تھا، مانہ نے اندر گھستے ہی دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

''کانٹ یو سی؟''

''الحان! مجھے کچھ دیر کے لئے اکیلا چھوڑ دیں، پلیز۔'' دروازے کے اس پار سے مانہ کی رندھی آواز ابھری۔

''نہیں میں تمہیں اس حالت میں اکیلا چھوڑ کر کہیں نے جانے والا، تمہیں میری ضرورت ہے مانو۔''

''مجھے کسی کی ضرورت نہیں ؛ چلے جائیں یہاں سے۔'' وہ اندر سے چلائی، الحان لب بھینچ کھڑا ہوا، وہ اس کے لئے واقعی پریشان تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ اچھے سے دل کا بوجھ ہلکا کر لینے کے بعد اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، ٹشو سے اپنا چہرہ صاف کرتی وہ آہستگی سے ہینڈل گھماتی باہر نکل آئی، دروازہ کھلتے ہی ایک بار پھر سے اس کا سامنا ہوا، وہ نظریں چرا گئی، الحان اس کی جانب لپکا تھا۔

''مانو! تم ٹھیک ہو ناں؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ چند ثانیے خاموش رہی، پھر اس کی جانب دیکھتی سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔

''اب تک تو آپ کو بھی مجھ سے نفرت ہو گئی ہو گی۔''

''ہرگز نہیں، میں تم سے نفرت نہیں کر سکتا۔'' الحان حیرانگی سے اس کی جانب دیکھنے لگا، مانہ طنزیہ ہنسی ہنس دی۔

''کم آن الحان! یہاں کیمراز نہیں ہیں، اس لئے سٹاپ ایکٹنگ پلیز۔''

''تمہیں لگتا ہے کہ میں ایکٹنگ کرتا ہوں۔'' وہ تاسف بھرے انداز میں گویا ہوا۔

''یقیناً۔'' وہ برفیلے لہجے میں بولی، الحان دکھ بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''کاش کہ تم نے مجھ پر کبھی یقین کیا ہوتا۔''

''یقین اور مرد ذات پر، اچھا مذاق ہے۔'' وہ طنز کرنے لگی، الحان تاسف سے اس کی جانب دیکھنے لگا، چند ثانیے کی خاموشی کے بعد وہ پھر سے بولی۔

''میں نے اپنی زندگی میں ایک بار، پہلی بار، اور آخری بار ایک مرد ذات پر یقین کیا تھا اور

وہ مرد ذات اور کوئی نہیں میرے لئے اپنے بابا جان تھے۔'' وہ پھر سے رو دی، الحان پر سکتہ طاری ہوگیا، وہ بنا جنبش کیے پھٹی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھئے گیا، کچھ دیر آنسو بہاتی وہ اپنی عینک اتار کر بے دردی سے گال رگڑنے لگی، اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی، مانہ نے اپنا چشمہ واپس ناک پر ٹکایا۔

''میں پانچ سال کی تھی، میری ماما کی ڈیتھ ہوگئی، کچھ ہی عرصہ گزرا، بابا نے دوسری شادی کر لی، وہ اپنی نئی نویلی دلہن گھر لے آئے، ان کی نئی نویلی دلہن سے میرا ننھا سا وجود برداشت نہیں ہوتا تھا، وہ مجھ پر بہت غصہ کرتیں، بات بات پر ڈانٹتیں، مجھ پر ہاتھ اٹھاتیں، میں سہم کر رہ گئی، پھر ایک دن بابا نے کہا کہ وہ مجھے ایک اچھی سی آنٹی کے یہاں چھوڑنے والے ہیں، جب نئی ماما کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو وہ آ کر مجھے ان آنٹی کے گھر سے واپس لے جائیں گے، میں بہت روئی، گڑگڑائی کہ مجھے کہیں نہیں جانا، بابا آپ کے ساتھ رہنا ہے، پر انہوں نے میری ایک نہ سنی، وہ مجھے پاکستان لاہور کے ایک یتیم خانہ میں چھوڑ آئے، یہ کہہ کر گئے، کہ وہ جلد لوٹ آئیں گے اور مجھے واپس لے جائیں گے، لیکن وہ نہیں آئے، میں روز صبح اٹھ کر ان کا انتظار کرتی اور روز رات روتے روتے اس امید سے سو جاتی کہ شاید کل صبح وہ مجھے لینے آجائیں گے، پر وہ نہیں آئے، کبھی واپس نہیں آئے۔'' وہ زاروقطار رودی، اتنا روئی کہ اس کی سسکیاں بندھ گئیں، اسے زاروقطار روتا دیکھ الحان لپک کر اس کی جانب بڑھا اور اسے کھینچ کر اپنی بانہوں میں بھر لیا، سہارا ملنے کی دیر تھی وہ اس کے سینے میں سر چھپاتی دل کھول کر رو دی، وہ رو رو کر تھک چکی، تو اسے ہوش آیا، وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی، الحان اسی کی جانب دیکھ رہا تھا، وہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر بولی۔

''آئی ایم سوری۔''

''مانو! تمہارے بابا کی گئی غلطی کی سزا تم مجھے نہیں دے سکتیں، سبھی لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے مانو، میں تمہاری قسم کھا کر کہتا ہوں مانو، تم تنگ آجاؤ گی مجھ سے، لیکن میں پھر بھی تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا، مجھے تمہاری قسم ہے مانو پلیز مجھ پر اتنا سا اعتبار رکھو پلیز۔''

''میں مرد ذات پر اعتبار کرنے کے قابل نہیں رہی الحان۔''

''صرف اپنے بابا کی وجہ سے؟''

''ہاں۔''

''ایسا نہیں کہو مانو! بہت محبت کرتا ہوں تم سے، مر جاؤں گا تمہارے بغیر۔''

''کوئی کسی کے لئے نہیں مرتا الحان، یہ سب بکواس باتیں ہوتی ہیں یہ زندگی اتنی آسانی سے مرنے بھی نہیں دیتی۔'' کس قدر برفیلہ لہجہ تھا اس کا، الحان بجھ کر رہ گیا۔

''آپ پلیز جائیں وہ سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''میں کہیں نہیں جانے والا۔''

''اللہ کا واسطہ ہے الحان، میرے لئے مزید مشکلیں مت بڑھائیں پلیز۔'' وہ ہاتھ جوڑتی التجاء کرنے لگی، الحان افسردگی سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''پلیز گو۔'' اس کی التجاء پر وہ نظریں جھکائے، بنا کچھ کہے نڈھال قدموں سے چلتا واپس چلا گیا، مانہ واپس دروازہ کھولتی شیشہ کے سامنے آ کھڑی ہوئی، اس کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو رہی تھیں۔

''جذبہ چاہے شدید محبت کا ہو، یا شدید نفرت کا، دونوں صورتوں میں انسان کو توڑ کر رکھ

دیتا ہے۔'' اس نے من ہی من میں سوچا اور اگلے پل وہ پانی کی چھینٹے منہ پر مارنے لگی۔

''تو آنسوؤں نے کام کر ہی دکھایا۔''

آشلے کی زہرخند آواز مانہ کی سماعت سے ٹکرائی، آنکھیں کھولتی سر اوپر اٹھاتی وہ آئینہ میں ہی اپنے پیچھے کھڑی نفرت بھری نگاہوں سے خود کو جانب دیکھتی آشلے کی جانب دیکھنے لگی، مانہ نے ٹشو کھینچتے ہی اپنا چہرہ ٹشو سے رگڑ ڈالا۔

''تم بھی رو لو تھوڑا سا جا کر، شاید تمہارا کام بن جائے۔'' وہ تحمل بھرے انداز میں جواباً بولی، آشلے اس کے قریب چلی آئی۔

''تمہیں لگتا ہے کہ الحان تم میں دلچسپی رکھتا ہے۔'' آشلے بولتے بولتے نفرت سے مسکرائی، اس کی مسکراہٹ میں طنز تھا، وہ مانہ کو نفرت اور طنز بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''ہونہہ، وہ صرف اور صرف ٹائم پاس کر رہا ہے، اکیلے میں وہ بھی تمہارا مذاق اڑاتا ہے، اس لئے زیادہ ہواؤں میں اڑنے کی ضرورت ہرگز نہیں۔''

''مجھے لگتا ہے کہ میرے بیٹے نے اگر زندگی میں کوئی غلطی کی ہے تو تمہیں اس شو میں اب تک رکھنے کی غلطی کی ہے۔'' مسز ابراہیم کی درشت آواز نے ان دونوں کو چونکنے پر مجبور کر دیا، وہ دونوں پلٹ کر دروازے میں کھڑی آشلے کو گھورتیں مسز ابراہیم کی جانب دیکھنے لگیں، آشلے اک لمحے کو گھبرائی، پھر نفرت بھری نگاہ مانہ پہ دوڑاتی وہ تیزی سے قدم بڑھاتی دروازے سے باہر نکل گئی۔

''آئی ایم سو سوری!'' مانہ بیچاری سی شکل بنائے اب ان کے سامنے موجود تھی۔

''تم کیوں سوری بول رہی ہو بیٹا!'' مسز ابراہیم نے آگے بڑھ کر پیار سے اس کے رخسار کو چھوا۔

''تم رو رہی تھیں؟'' مسز ابراہیم نے اس کی آنکھوں میں جھانکا، انہیں فکر لاحق ہوئی۔

''کیوں بیٹا! کیا الحان نے کچھ کہا؟ بتاؤ مجھے، میں ابھی اس کی کلاس لوں گی۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔'' مانہ نظریں چرا گئی، مسز ابراہیم ممتا بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگیں، پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''پھر کیوں رو رہی تھیں تم؟''

''بچوں کو دیکھ کر دل بھر آیا، اس لئے۔'' مانہ دھیمے لہجے میں بولی۔

''یہی بات ہے؟'' وہ پوچھ رہی تھیں، مانہ نظریں چرا گئی، مسز ابراہیم دھیمے سے مسکرا دیں، وہ سمجھ گئی تھیں، بات کچھ اور تھی، انہوں نے زیادہ کریدنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

''دیکھو بیٹا!'' وہ اس کے بال سنوارتیں ممتا بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''میں یہاں کسی کی سفارش کرنے نہیں آئی، نہ ہی تمہیں فورس کرنے آئی ہوں، بس یہ ایک بے بس ماں کی ایک چھوٹی سی گزارش سمجھ لو۔'' وہ ایک لمحے کو رکیں، پھر بولیں۔

''میں نے الحان کی نگاہوں میں تمہارے لئے چاہت دیکھی ہے، سچی محبت دیکھی ہے، میں ماں ہوں اس کی اور اپنے بیٹے کو بخوبی جانتی ہوں، وہ بدل گیا ہے بیٹا، وہ اب پہلے سا نہیں رہا، میں نے محسوس کیا ہے، وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے، ہو سکے تو صرف ایک بار، صرف ایک بار موقع میرے بیٹے کو دے کر دیکھنا، وہ تمہیں مایوس نہیں کرے گا، میرا دل کہتا ہے، وہ تمہیں کبھی مایوس نہیں کرے گا، اس کی گواہی میں تمہیں دیتی ہوں۔'' مانہ بغور ان کی جانب دیکھتی، لمبی سانس

کھینچتی اپنی نظریں جھکا گئی۔

''دو گی ناں اسے ایک موقع؟'' وہ امید بھری نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگیں، مانہ سر جھکائے اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''شکریہ میری جان!'' مسز ابراہیم نے آگے بڑھ کر ممتا بھرے انداز میں اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے تھے، مانہ دھیمے سے مسکرائی ان کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

☆☆☆

وہ لوگ Ranch واپس آ گئے تھے، صاحبہ خوشگوار موڈ سمیت مانہ سے ملنے کو بیقرار تھی، مانہ کو اس کی خوشی کی وجہ معلوم تھی، اس کا مسکراتا خوشگوار چہرہ پہلی ہی جھلک میں منہ کو اس کی خوشیوں بھری داستان سنا گیا تھا، وہ اسے دیکھتی ہی مسکرا دی، ابراہیم صاحب، مسز ابراہیم اور کبیر واپس گھر کے لئے روانہ ہو گئے تھے، سبھی کچھ روز کے معمول کے مطابق ہونے لگا، ڈنر کے بعد وہ صاحبہ سمیت کافی کا مگ تھامے بالکونی میں چلی آئی۔

''عاشر نے مجھے پرپوز کیا۔'' صاحبہ نے اپنے بائیں ہاتھ کی سیکنڈ لاسٹ فنگر میں چمکتی انگوٹھی اپنے ہاتھ سمیت مانہ کی جانب بڑھائی، اس کے لہجے میں خوشی تھی، اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

''رئیلی؟'' مانہ کو دلی خوشی محسوس ہوئی، وہ اس کی چمکتی انگوٹھی پر نظریں ٹکائے شیریں لہجہ میں گویا ہوئی۔

''مبارک ہو صاحبہ! آئی ایم رئیلی ہیپی فور یو۔'' صاحبہ جھینپ سی گئی۔

''تو غالباً اس شو کے فوراً بعد آپ پیا گھر سدھار جائیں گی؟'' مانہ اب اسے چھیڑنے کے موڈ میں تھی، صاحبہ جھینپ سی گئی۔

''یہ سب تمہاری اور الحان کی مدد کے بغیر ناممکن تھا مانہ، اگر تم میری ہمت نہیں بڑھاتیں، تو شاید میں عاشر سے اور عاشر مجھ سے اپنے دل کی بات کہہ نہیں پاتے، اس سب کا کریڈٹ تمہیں اور الحان کو جاتا ہے، تھینک یو۔''

''تھینک یو سو مچ۔'' وہ ممنون نگاہوں سے مانہ کی جانب دیکھنے لگی، مانہ نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ خوش رہو۔'' صاحبہ اس کی جانب دیکھتی خوشگوار انداز میں مسکرا دی۔

☆☆☆

الحان بیڈ پر بیٹھا، لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے کسی کام میں مصروف تھا، وہ بار بار اپنی پوری توجہ لیپ ٹاپ پر، اپنے کام میں لگانے کی بھرپور کوشش کرتا مگر ہر بار اس کی سوچیں اس کی ساری توجہ کھینچ لیتی، وہ جھلا اٹھا، لیپ ٹاپ بند کرتا وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسا بیٹھا۔

''کیوں ہوتا ہے ایسا کہ جس سے ہم اپنی ذات سے بڑھ کر پیار کرتے ہیں، وہی ہم پر یقین نہیں کرتا، وہی ہمیں زخم پر زخم دیئے چلا جاتا ہے۔'' وہ بیڈ پر نیم دراز ہو بیٹھا، اس کی نظریں سامنے بند سکرین پر مرکوز تھیں۔

''کیا غلطی واقعی ہماری ہوتی ہے کہ ہم ان سے اپنی ذات سے بڑھ کر پیار کرتے ہیں؟'' وہ من ہی من میں خود سے سوال جواب کرنے لگا، اس کے سر میں شدید درد کا احساس ہوا، وہ اگلے ہی پل اپنی آنکھیں موند گیا، اس کا دل بے چین تھا، اک پل کا سکون میسر نہ تھا، وہ بے چینی کے عالم میں اٹھ بیٹھا۔

''دل بے چین ہے بیٹا؟ اس اللہ کے حضور پیش کرو، سکون اپنے آپ میسر ہو جائے گا، کیونکہ دلوں کا سکون صرف اللہ کی ذات کے پاس میسر

ہوا کرتا ہے۔'' موم کی آواز پر وہ یکا یک چونک اٹھا، اس نے گردن گھما کر پورے کمرے میں نگاہ دوڑائی، وہاں کوئی نہیں تھا، اسے اچنبھا ہوا پھر اسے یاد آیا کہ جب وہ ایک بار بیمار ہوا تھا، تب بھی اس کا دل بے چین ہوا تھا، تب موم نے اس کا ماتھا چوم کر اس کے دل کی بے چینی کو سکون میں بدلنے کا بہترین فارمولا بتایا تھا، الحان یاد آتے ہی مسکرا دیا، اس نے سامنے دیوار پر لگی ٹک ٹک کرتی گھڑی پر نظر دوڑائی۔

تہجد کا ٹائم ہوا چاہتا تھا، وہ اٹھا، آستین فولڈ کرتا وہ واش روم میں چلا آیا، اس نے وضو کیا، پھر جینز کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر فولڈ کرتا وہ جائے نماز بچھائے اس پر کھڑا ہوا، اک پل میں اس کا دل زوروں سے دھڑکتا محسوس ہوا، اسے خوف آنے لگا، اللہ کے حضور نجانے وہ کتنے عرصے بعد پیش ہونے جا رہا تھا، اس خود یاد نہ تھا کہ آخری بار اس نے اللہ کے حضور سجدہ کب پیش کیا تھا، شاید پچھلی عید، نماز عید ادا کرتے وقت، وہ بھی ابراہیم کے زبردستی لے جانے پر وہ نماز عید ادا کرنے کو گیا تھا، اسے یاد آیا، وہ نادم دیکھائی دینے لگا۔

''کس قدر خود غرض ہوتے ہیں ہم لوگ، تکلیف ہوتی ہے، تب ہی اللہ کے حضور حاضری کو چلے آتے ہیں، دل بے چین ہوتا ہے تب ہی اللہ کو یاد کرتے ہیں، کتنا خود غرض انسان ہوں میں۔'' ال نے دل ہی دل میں سوچا، وہ نادم دیکھائی دے رہا تھا، ایک لمبی سانس کھینچتا وہ نماز تہجد کی نیت باندھ کھڑا ہوا۔

اس نے بڑے ٹھہر ٹھہر کر بڑے آرام آرام سے کافی سارا ٹائم لگا کر نماز تہجد ادا کی، وہ اب سلام پھیرئے جائے نماز پر نظر ٹکا بیٹھا۔

''جب کوئی چیز تمہیں مشکل سے مشکل تر لگے، جب تمہیں لگے کہ وہ تمہارے لئے کتنی ضروری ہے، جب تمہیں لگے کہ اسے حاصل کرنا تمہارے بس کی بات نہیں تو جان لو بیٹا! وہ چیز تمہیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا، اسے اللہ سے مانگ کر دیکھنا، اللہ سب کچھ دیتا ہے۔'' موم کی آواز ایک بار پھر سے اس کی سماعت سے ٹکرائی وہ درد کی کیفیت میں مسکرا دیا۔

''موم! یہ دعا کیا ہوتی ہے؟''

اس کا بچپن اس کی آنکھوں کے سامنے موجود تھا، موم جائے نماز پر بیٹھیں تھیں، آٹھ سالہ الحان ان کے پاس زمین پر بیٹھا معصومیت سے ان کی جانب دیکھ رہا تھا، موم ممتا بھرے انداز میں مسکرا دیں۔

''دعا، یعنی اللہ تعالیٰ سے براہ راست باتیں کرنا۔''

''موم! کیا اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سنتا ہے؟'' وہ معصومیت سے گویا ہوا۔

''ہاں بیٹا! ہم اللہ سے باتیں نہ کریں، وہ تب بھی ہمیں سنتا ہے، وہ ہماری رگ رگ سے واقف ہے، دعا تو ایک بہانہ ہے، ہماری تسلی کے لئے ورنہ اللہ ہمیں ہر پل سنتا ہے۔'' موم پیار سے اسے سمجھانے لگیں۔

''اتنے سارے لوگ ہیں دنیا میں، کیا اللہ سب کی سنتا ہے؟'' وہ پھر سے پوچھنے لگا۔

''ہاں بیٹا! وہ سب کی سنتا ہے، کیونکہ وہ ہماری لاکھ کوتاہیوں کے باوجود، ہم سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔'' معصوم الحان معصومیت سے موم کی جانب دیکھنے لگا، پھر بولا۔

''موم! دعا کیسے مانگتے ہیں؟'' موم مسکرا دیں۔

''دعا کے لئے دھیان ضروری ہوتا ہے، دھیان کے لئے وجدان، وجدان یعنی سارے

وجود کا ایک نقطے پر مرتکز ہو جانا، جب ہم تکلیف میں ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری مشکل آسان کیے دیتے ہیں، حالت اضطرار میں مانگی جانے والی دعا کی قبولیت کی راہ میں کوئی شے حائل نہیں ہو سکتی۔'' الحان دھیمے سے مسکرا دیا، پلک جھپکتے ہی اس کا بچپن، اس کی موم اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں، وہ بے چین نگاہوں سے اردگرد دیکھنے لگا، جب ہوش میں آیا تو جائے نماز پر نظریں ٹکائے وہ اپنے دونوں ہاتھ بارگاہ الٰہی میں بلند کرنے لگا، اس کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا، اس نے اپنی آنکھیں موند لیں، اس کا سر جھک گیا، اس کے لب تھرتھرائے، وہ اللہ کے حضور پیش ہوا، اس نے سرگوشی کی۔

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں تیری کائنات کا سب سے حقیر ذرہ ہوں، میری کم ظرفی کی داستانیں آسمان سے بھی بلند ہیں، میری حقیقت سے اور میرے دل میں چھپے ہر چور سے بس تو ہی واقف ہے، میرے گناہوں کی فہرست کتنی بھی طویل سہی لیکن تیری بے کراں رحمت سے کم ہے، میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں اور ان پر ندامت کے ساتھ تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں، میری توبہ قبول کر کے اپنی شان کے مطابق مجھے معاف فرما دے، اے اللہ! میں جانتا ہوں کہ میرا نفس مجھے ہر لمحہ تیری نافرمانی پر اکساتا رہتا ہے، میں اپنے گناہوں پر شرمسار ہو کر تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور اس کے بعد پھر میرا نفس قابو میں رکھنے کا ارادہ کرتا ہوں، اے اللہ! تجھ کو تیرے فضل و کرم اور رحمت و برکت کے ذریعے سے پکارتا ہوں، تو مجھے اتنا معاف کر، جتنا تو معاف کرنے والا ہے، اے اللہ! ہر لمحہ میری لاج رکھ اس لئے میں جانتا ہوں کہ صرف تو ہی ایسا ہے جو اپنے بندوں کی لاج رکھنے والا ہے، اے اللہ! میرے عیبوں گناہوں اور جہالت پر پردہ ڈالے رکھ، میرے مالک! تو ہی میرا سہارا ہے اور تیرا ہی مجھے آسرا ہے، اے اللہ! تو ہی عیبوں کا پردہ دار ہے، میری جھولی میں سو چھید ہیں، لیکن تیری رحمت کی کوئی حد اور حساب نہیں، اے اللہ! میری جھولی تیرے سامنے پھیلی ہے، اسے معافی و بخشش سے بھر دے اور مجھے استقامت دے کہ اب پھر گناہوں سے اپنے آپ کو سیاہ نہ کروں، میرے دل کو سکون دے، میرے حق میں بہتری عطا فرما میرے اللہ! تو دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے اللہ! تو سب جانتا ہے، مجھے معاف فرما، میری مشکل آسان کر دے، میرے سارے زنگ اتار یا رب، اور اپنا رنگ چڑھا مجھ پہ، آمین یا اللہ پاک امین۔'' دعا کے اختتام پر وہ بے حد پرسکون دیکھائی دینے لگا، اس کے دل میں سکون اترتا چلا گیا، اس نے خدا کے حضور سجدہ پیش کیا اور جائے نماز فولڈ کرتا اٹھ کھڑا ہوا، وہ اب بے حد پرسکون تھا، اس کے لبوں پر، پرسکون مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی، وہ کھڑکی میں چلا آیا، اس نے آسمان پر چمکتے چاند پر نظر دوڑائی، اس نے گہری لمبی سانس کھینچی اور پھر مسکراتا ہوا من ہی من میں اللہ کے حضور شکر ادا کرتا فجر کی آذان کا انتظار کرنے لگا۔

☆☆☆

اگلا پورا ہفتہ ہمیشہ کی طرح بزی گزرا، الحان اس پورا ہفتہ مانہ سے دور رہا، اس نے اس سے بات کرنے کی کوشش بھی نہ کی تھی، وہ اسے ٹائم دے رہا تھا، مانہ نے یہ ہفتہ صاحبہ کے ساتھ گزرا، وہ باقی کا وقت اپنا ناول لکھتے گزارتی، باقی تمام لڑکیاں ہمیشہ کی طرح الحان کو امپریس کرنے کی ناکام کوشش میں مگن رہیں، اگلی ایلیمینیشن کا دن آن پہنچا تھا، صاحبہ بے چین تھی،

اسے الحان سے بات کرنا تھی۔

''مانہ! میں اس بار کی ایلیمینشن میں ایلیمیٹ ہو کر گھر واپس جانا چاہتی ہوں۔'' مانہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''تم نے عاشر سے اس بارے میں بات کی؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں، عاشر نے ہی تو بولا، لیکن وہ اس قدر بزی ہیں کہ انہیں الحان سے بات کرنے کا ٹائم ہی نہیں ملا، میں الحان سے بات کرتی ہوں۔''

''لیکن...... تم اتنی جلدی کیوں جانا چاہتی ہو؟''

''مانہ! مجھے اپنے گھر والوں سے عاشر کے بارے میں بات کرنی ہے، عاشر نے کہا ہے کہ وہ اس شو کے فوراً بعد شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، مجھے تیاریاں کرنا ہیں۔'' وہ پریشان دکھائی دی، مانہ مسکرادی۔

''اچھا جاؤ، الحان سے کہہ دو، کہ اس بار وہ تمہیں گھر واپس بھیج دے۔'' صاحبہ مسکراتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی، الحان اصطبل کے قریب اپنے گھوڑے کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتا دکھائی دیا، صاحبہ اس کے قریب آئی۔

''الحان!''

''ہوں؟'' وہ پلٹا اور اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''الحان! مجھے اس بار ایلیمیٹ کر دو۔''

الحان حیرانگی سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''خیریت؟''

''ہاں مجھے شادی کی تیاریاں کرنی ہیں، وقت کی کمی ہے اس لئے پلیز۔'' اس کی التجاء پر الحان اپنی مخصوص مسکراہٹ مسکرادیا۔

''اوئے ہوئے، شادی کی تیاریاں، پہلے اس گدھے کو اوہ سوری، آئی مین، آپ اپنے عاشر صاحب کو اچھے سے پرکھ تو لیں میڈم!'' وہ اب شرارت پر آمادہ تھا۔

''الحان!''

''اچھا سوری۔'' الحان نے کان پکڑے، پھر پوچھنے لگا۔

''تم نے عاشر سے اس بارے میں بات کی؟'' صاحبہ حیرانی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''الحان تمہیں معلوم ہے، مانہ نے بھی ابھی مجھ سے سیم سوال پوچھا تھا۔''

''ریئلی؟'' الحان مسکرانے لگا۔

''ہم دونوں کی سوچ بہت ملتی ہے ناں؟''

وہ خواہ مخواہ خوش ہونے لگا، صاحبہ مسکرادی۔

''تم مانہ سے محبت کرتے ہو ناں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں کرتا ہوں، مگر پلیز کسی سے کچھ کہنا مت، میں نہیں چاہتا کہ باقی کی تمام لڑکیاں یہ خبر سنتے ہی میرا قتل کر ڈالیں۔'' الحان نے سرگوشی کی، صاحبہ کھلکھلا کر مسکرادی۔

''مانہ کا بہت سارا خیال رکھنا، وہ بہت اچھی ہے، اس کی قدر کرنا۔''

''شیور میڈم! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔''

الحان مہذبانہ انداز میں گویا ہوا۔

''گڈ، مجھے یہاں آ کر تم سے اور مانہ سے مل کر بہت اچھا لگا، بہت سی خوبصورت یادیں لئے جا رہی ہوں، تم بہت اچھے ہو الحان، اللہ تمہیں اور مانہ کو ایک ساتھ ہمیشہ خوش رکھے۔''

''آمین آمین، یار میری تھوڑی سی تعریف مانو کے سامنے بھی کر دو، اسے بھی بتا دو کہ میں اچھا انسان ہوں۔'' صاحبہ اس کے انداز پر کھلکھلاتی قہقہہ لگانے لگی۔

☆☆☆

مانہ لاؤنج میں بیٹھی تھی، سامنے والے صوفہ

پر مسکان براجمان تھی، وہ شاید کوئی میگزین دیکھنے میں مصروف تھی، صانبہ خوشی سے دمکتا چہرہ لئے اندر چلی آئی، وہ مانہ کے ساتھ آبیٹھ، مانہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''الحان نے کہا کہ وہ مجھے گھر واپس بھیج دے گا۔'' اس نے کھلکھلاتے ہوئے اطلاع دی، مانہ مسکرادی۔

''مجھے معلوم تھا، آئی وش یو آل دی ویری بیسٹ۔''

''تھینک یو مانہ!''

''میں تمہیں مس کروں گی۔''

''می ٹو۔'' ان دونوں کی گفتگو کے دوران مسکان نظریں اٹھا کر ان دونوں کی جانب دیکھنے لگی، مانہ نے اسے اگنور کیا، وہ دونوں سرگوشی میں بات کر رہی تھیں، مسکان تجسس بھری نگاہیں ان دونوں پر دوڑاتی ایک بار پھر سے میگزین کے اوراق پلٹنے لگی۔

''مانہ! مجھے لگتا ہے کہ تمہیں الحان کو ایک چانس ضرور دینا چاہیے، وہ یقیناً بہت اچھا انسان ہے، تمہاری بہت عزت کرتا ہے، بہت محبت کرتا ہے تم سے۔'' صانبہ سرگوشی میں گویا ہوئی، مانہ خاموشی سے سر ہلانے لگی۔

''فی الحال میں کچھ کہہ نہیں سکتی، لیٹس سی، دیکھتی ہوں زندگی کس کروٹ بیٹھتی ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''ڈونٹ وری، انشاء اللہ سب اچھا ہی ہو گا۔'' صانبہ کی سرگوشی پر وہ ہلکے سے مسکرادی۔

☆☆☆

ایلیمینیشن کی گھڑیاں آن پہنچی، خرم کی تھوڑی سی سپیچ کے بعد الحان ایک بار پھر سے پھولوں بھری ٹرالی کے سامنے کھڑا تھا، لڑکیوں کے چہروں پر وہی پرانہ خوف منڈلا رہا تھا، الحان ان سب سے تنگ آچکا تھا، وہ جلد از جلد اس شو کا اختتام چاہتا تھا اور اختتام کے بعد وہ مانہ کے پاس جا کر اس شو سے ہٹ کر اسے اپنی محبت کا یقین دلانا چاہتا تھا، مگر ابھی وقت باقی تھا، آج کی رات ٹاپ فور کی رات تھی اور آج کی ایلیمینیشن کے بعد مانہ کا اس شو میں آخری ہفتہ باقی رہ جانے والا تھا، الحان اس کے چلے جانے کی سوچ پر ہی اداس ہونے لگا تھا اور دوسری طرف وہ جلد از جلد اس شو کا اختتام بھی چاہتا تھا، اس نے ایک پھول اٹھایا اور لمبی سانس کھینچنے کے بعد مانہ کا نام پکار ڈالا، وہ جلدی سے چلتی پھول تھامتی ایک الگ سائیڈ پر مس فاطمہ کے برابر میں جا کھڑی ہوئی، آشلے کی نفرت بھری نگاہیں مانہ پر مرکوز تھیں، دوسرا پکارا جانے والا نام تانبہ کا اور تیسرا نام آشلے کا پکارا گیا، وہ اسے اور مسکان کو ایلیمینیٹ کرنا چاہتا تھا، لیکن ان دونوں کی ہائی ریٹینگ اور چینل والوں کی ڈیمانڈ پر وہ انہیں ایلیمینیٹ کرنے سے باز رہا، چوتھا نام مسکان کا پکارا گیا، وہ خوشی سے اچھلتی پھول تھامتی سلیکٹ کی جانے والی لڑکیوں کے بیچ آ کھڑی ہوئی، صانبہ نے سکون کی سانس لی جبکہ جینی کافی افسردہ دیکھائی دینے لگی۔

''سوری لیڈیز!'' الحان نے ہمیشہ کی طرح ایک مخصوص جملہ بولا، سبھی لڑکیاں، ایلیمینیٹ کی جانے والی دونوں لڑکیوں سے بغلگیر ہونے لگیں، مانہ پہلی بار کسی لڑکی کے ایلیمینیٹ ہو جانے پر افسردہ تھی، صانبہ سے ملتے ہی اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

(باقی آئندہ ماہ)

نایاب جیلانی

تیسویں قسط کا خلاصہ

ہیام واپس آتا ہے تو نومی سے ٹھکراؤ ہوتا ہے جہاں دونوں میں دلچسپ نوک جھونک چلتی ہے،
عینی ہیام کو دیکھ ایک بار پھر نشرہ کے نصیب سے خار کھانے لگتی ہے۔
کومے کے مرنے کی اطلاع پر پلوشہ اپنے ہوش وحواس کھو دیتی ہے وہ ہوسپٹل میں ہے اور شانزے اس کے پاس تھی۔
لاہور سے آئے اسامہ اور اس کی والدہ نے امام کے گھر اور مہمانوں کو سنبھال لیا تھا ہر کوئی کومے کی موت کی خبر پر افسردہ تھا۔
صندیر ابھی تک حیرانگی میں تھا، وہ شاہوار کے بدلے ہوئے اطوار سے چونکتا ہے اور پھر اپنے خاص ملازم کو اس کا کھوج لگانے کو کہتا ہے اور خود بی جاناں کو آ کر بتاتا ہے کہ صندیر خان نے قبیلہ کے باہر کی لڑکی سے نکاح کر رکھا ہے اس بات کے سچ ثابت ہونے کی صورت میں اسے خاندانی جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا۔
نیل بر کی سالگرہ کے دن جہاندارا سے سرپرائز سالگرہ وش کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

اکتیسویں قسط

آج کوئی انوکھا دن ہی طلوع ہوا تھا۔
ہیام خان صاحب پہ ''کوکنگ'' کا بھوت سوار تھا اور مورے کے سر پہ غصے کا، بڑے مہینوں بعد ان پہ غصے کا بھوت غالب آیا تھا۔
وہ جان سے پیارے بیٹے کو باورچی خانے میں گھسا عورتوں کی طرح کام کرتا دیکھ کر بری طرح سے تلملا رہی تھیں۔
''اب خانوں کے لڑکے عورتوں کی طرح چولہا ہانڈی کریں گے۔'' پاس بیٹھی عشیہ نے بمشکل ہی ہنسی دبانے کی کوشش میں منہ دوسری طرف کیا تھا، ورنہ عین ممکن تھا، ہنسی کا فوارہ پھوٹ ہی پڑتا۔ ساتھ ہی عروفہ بھی جلی کٹی سی بیٹھی کوئی پرانا میگزین دیکھ رہی تھی، پھر کیسے ممکن نہ تھا کہ جلتی پہ تیل نہ ڈالتی۔
''خانوں کے لڑکے اور بھی جانے کیا کیا کرتے پھر رہے ہیں، آپ کو کون سا خبر ہے۔''
عروفہ کی بات پہ عشیہ نے سر اٹھا کر اسے گھورا۔
''کیا کر رہے ہیں؟ کچھ مجھے بھی بتا دو۔''
''سر عام تو عاشقی جھاڑتے ہیں اور کچھ کرنا باقی ہے۔'' عروفہ کے منہ پھٹ انداز پہ عشیہ کو بے انتہا غصہ آیا تھا اور صرف یہ غصہ ہی نہیں تھا، اسے دکھ بھی ہوا، یہ عروفہ دن بدن کس قدر سطحی ہوتی جا رہی تھی اور یہ صحت مندانہ عمل تو نہیں تھا، اسے تو ہر گزرتے دن کے ساتھ عروفہ نفسیاتی دکھائی دے رہی تھی۔
''ہم نے تو ایسا کچھ نہیں دیکھا۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی عشیہ کی آواز دھیمی پڑ گئی تھی۔
''آں ہاں......آپ کی آنکھوں پر تو پٹی چڑھی ہے (محبت) کی، کیسے کچھ دکھائی دے گا۔''
عروفہ کی طنزیہ آواز پہ عشیہ کا دودھیا سفید چہرہ لال پڑ گیا۔
کیا وہ یہ بکواس شاہوار کے حوالے سے اسے سنا رہی تھی؟ عشیہ کا پٹھانوں والا غصہ عود آیا۔
''تم اپنی اوقات میں ہی رہا کرو۔''
''تمہیں کس بات پہ آگ لگی ہے، میں تو ہیام کی بات کر رہی ہوں، دیکھو، تو بہانے بہانے سے نشرہ کو کوکنگ سکھا رہا ہے، کیا ہم اندھے ہیں؟ قریب رہنے کی حرکتیں، مورے کو تو کچھ نظر نہیں آتا۔'' وہ طنزیہ ہنسی کو ہونٹوں میں دبا کر عشیہ کا پارہ اور بھی چڑھا چکی تھی۔
''اپنی آلودہ سوچ سے نشرہ کو تو محفوظ رکھو۔'' عشیہ نے دانت پیس کر جتایا تھا۔
''تم اپنے بھائی کی لگام کھینچ لو، ورنہ یہیں کوئی رومینٹک فلم بن جائے گی۔'' عروفہ نے آنکھیں نچا کر کہا تھا۔
''آپ کے مخلصانہ مشورے کا بہت شکریہ۔''
''ہونہہ، بڑی آئی سب کی ہمدرد۔'' عروفہ نے دانت پیس ڈالے تھے، پھر اس کے قریب کھسکتے ہوئے معنی خیزی سے مسکرائی تھی۔
''یہ اپنے گھر میں کیسی کیسی فلمز ریلیز ہو رہی ہیں۔'' اس کا اشارہ کچن کی طرف تھا اور انداز

بہت ہی عامیانہ تھا، عشیہ کا دماغ پھر سے تپ گیا تھا۔

''ہیام لاہور رہتے ہوئے کچھ زیادہ ہی لبرل ہو گیا۔'' اس کی نگاہیں مسلسل باورچی خانے کی چوکھٹ پہ جمی تھیں جہاں سے ہیام اور نشرہ کوئی عجیب سی چیز ابالتے اور چھانتے دکھائی دے رہے تھے، عروفہ نے ایسی چیز پہلی مرتبہ ہی دیکھی تھی، رسیوں جیسی لمبی اور چکیلی۔

''لگتا ہے اب وقت پہلے سا نہیں، پہلے اسی گھرانے میں مہمانوں سے پردہ کرایا جاتا تھا، گھر کے مرد مہمان خانوں کی طرف بھول کر بھی نہیں جاتے تھے اور مہمان بھی روایات کا خاص خیال رکھتے تھے، مگر آج کل کے مہمان......؟ اللہ کی پناہ۔'' ہیام کی کسی بات پہ نشرہ چپکے سے مسکرائی تھی، اس کی مسکراہٹ عروفہ کی عقابی نظر کی زد میں آ گئی تھی۔

''کوئی کہانی تو بن کر رہے گی، واہ رے تماشا۔'' وہ جھل بھن کر کوئلہ ہو گئی۔

''ایسی خوبصورت بلا کو گھر میں لانے کی ضرورت کیا تھی؟'' مورے کو اونگھتے دیکھ کر عروفہ ایک دفع پھر سے شیرنی ہو گئی تھی۔

''فرض کرو، یہ خوبصورت بلا ہمیشہ کے لئے یہیں رہ گئی تو پھر؟'' اچانک ہی عشیہ نے پینترا بدل کر عروفہ کو چڑانے کا سوچا تھا اور اس کام میں تو بڑا ہی مزہ تھا، جس سے وہ اب تک محروم تھی، عروفہ کو چڑا کر تو اس کے دماغ کی ساری کھولن ختم ہو گئی تھی۔

''خدا نہ کرے، تمہارے منہ میں خاک۔'' عروفہ دہل گئی تھی۔

''کیوں؟ کیا برائی ہے؟ تمہارے خوبصورت بھائی کے ساتھ کچن میں مدد کرواتی جچتی نہیں کیا؟'' عشیہ نے ایک بھوں اچکا کر آدھی آنکھ کھولتے ہوئے جلتی پہ تیل ڈالا تھا۔

''فٹے منہ تیرا، ہمارے بھائی کی بیوی کوئی ڈاکٹرنی ہو گی، یہ باورچن ہرگز نہیں۔''

''اور اگر ہیام کو ڈاکٹرنی نہ پسند ہو، وہ کسی باورچن سے ہی شادی کرنا چاہتا ہو تو پھر کیا کرو گی؟'' عشیہ نے عروفہ کی تلملاہٹ سے حظ اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جینا حرام کر دوں گی اور ہیام کو کیا پاگل کتے نے کاٹ رکھا ہے جو اتنا فضول فیصلہ کرے گا۔'' عروفہ کا نفرت سے چہرہ بگڑ گیا، نشرہ سے جانے کیوں اس نے بیر ڈال رکھا تھا، دراصل عروفہ کی نفسیات ہی کچھ ایسی تھی، ہر خوبصورت چہرے سے اسے نفرت تھی، گو کہ وہ بدصورت نہیں تھی مگر اپنی سب بہنوں اور بھائی سے کم رو تھی، ان کے بیچ اس کی خوش شکلی بھی ماند پڑ جاتی تھی، نشرہ کے حسن سے بھی اس نے اول روز سے ہی بیر باندھ لیا تھا، حالانکہ نشرہ تو بے حد بے ضرر تھی۔

''سمجھ لو، اسے پاگل کتے نے ہی کاٹ رکھا ہے۔'' عشیہ نے کچن سے آتی بے انتہا اچھی خوشبو کو حلق میں اتارتے ہوئے تابوت میں آخری کیل ٹھونکا اور تخت پر کروٹ بدل کے اونگھنے لگی، وہ اپنے تاثرات محفوظ کر چکی تھی۔

☆☆☆

اس نے اسپگھیٹی اور میکرونی کو ابال کر اس کے اندر چکن کیوبز مکس کرتے ہوئے دھیمی آواز میں سرگوشی کی تھی۔

''دیکھو ذرا ہال کی طرف، میری دونوں بہنیں ازلی دشمنی بھلائے آہستہ آواز میں تمہارے

خلاف پروپیگنڈا کر رہی ہیں۔'' ہیام نے کمال چالاکی سے نشرہ کو باتوں میں لگا کر عشیہ سے بدگمان کرنا چاہا تھا۔

''ہیں...... میرے خلاف۔'' نشرہ کی آنکھیں گھومیں اور ساتھ گردن بھی، ہیام نے فوراً طریقے سے اس کے ہاتھ کی پشت پہ چھری کا دستہ مارا۔

''بیوقوف، ایسے آنکھیں پھاڑ کر مت دیکھو، انہیں شک گزرے گا۔''

''اوف......'' نشرہ نے فوراً اپنا ہاتھ بغل میں دبایا۔

''اتنا زور کا مارا ہے۔''

''اور تم نے جو بھونپو آن کیا، وہ کیا ہوا؟'' ہیام نے پھرتی سے مختلف سبزیوں کو مختلف سائز میں کاٹ کر ہونق کھڑی نشرہ پہ چور نظر ڈالی تھی۔

''ایک تو یہ عروفہ کی بچی، عین دروازے کے سامنے بیٹھی گھور رہی ہے، کسی خفیہ ایجنسی کی ایجنٹ نہ ہوتو۔'' ہیام نے جھرجھری لے کر باؤل کے اندر ہی سر گھسا لیا تھا۔

''مگر عشیہ باجی میرے خلاف کیوں بولیں گی؟ وہ ایسی نہیں ہیں۔'' وہ برا مان کر بولی تھی۔

''اچھا...... وہ ایسی نہیں، تو میں کیسا ہوں۔'' ہیام نے فوراً باچھیں کھلائیں اور پھر اچانک عروفہ کی نگاہوں کا احساس کر کے جمائی والے انداز میں منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا، نشرہ اس حرکت پہ بمشکل ہی ہنسی چھپا سکی تھی۔

''تم تو بہت ہی برے ہو۔''

''ہیں؟ ایک دفع پھر بولنا۔'' ہیام کی آنکھیں ہی پھٹ پڑی تھیں۔

''تم بہت برے ہو۔'' اس نے کمال بہادری سے ایک مرتبہ پھر دہرایا تھا، ہیام دانت پیستا ہی رہ گیا۔

''اگر میری دو بہنیں اور کیا والدہ سامنے موجود نہ ہوتیں تو تمہیں اس ''گستاخی'' کی ایسی سزا دیتا۔'' اس نے آواز دبا کر ایسی بھڑک ماری تھی جس پر نشرہ بھی سینہ تان کر بولی تھی۔

''کیسی سزا؟'' اس نے آنکھیں گھما کر غصے میں پوچھا تھا، ساتھ چمکتی ہوئی چھری دکھائی تھی۔

''رات والی...... جب میری بانہوں میں قیدی جل پری کی طرح مچل رہی تھی۔'' ہیام نے ہونٹ کا کونا دانتوں میں دبا کر محبوبانہ سا اشارہ کیا تھا، نشرہ شرم سے لال پڑ گئی۔

''تم بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔''

''جب تم ہاتھ نہیں آؤ گی تو میں موقع ہی تلاش کروں گا۔'' اس نے باہر والوں سے آنکھ بچا کر پھر سے آنکھ ماری تھی۔

''ہیام تم ایک دن اپنی انہی چھچھوری حرکتوں پہ بری طرح سے پٹو گے۔'' نشرہ نے اسے ڈرانا چاہا تھا۔

''پٹھان کا بچہ ہوں، ڈرتا نہیں ہوں۔'' ہیام نے منہ ناک چڑھا کر جتلایا۔

''اچھا، پھر سیدھے کھڑے ہو جاؤ، عروفہ باجی کچن کی طرف آرہی ہیں۔'' نشرہ کی دبی دبی سرگوشی نما اطلاع پر ہیام کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

''ہائیں...... یہ ہٹلر ثانی کہاں سے ٹپک پڑا۔''
''نہیں...... نہیں پٹھان کے بچے کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' نشرہ نے بھی جلتی پہ تیل ڈالا تھا۔
''ہاں...... اپنی بہنوں سے تو ڈرتا ہی ہوں۔'' عروفہ کو دیکھ ہیام نے باچھیں کھلالیں۔
''اس لڑکی کو یہی بتا رہا ہوں، میں اپنی بہنوں سے ڈرتا ہوں، لہٰذا تم بھی ڈرا کرو۔''
''مگر بات کچھ سمجھ نہیں آئی۔'' عروفہ کی جگہ باہر سے عشیہ کی آواز آئی تھی۔
''تمہارا ڈرنا تو بنتا ہے، مگر اس لڑکی پہ ڈرنا کس خوشی میں فرض کر رہے ہو؟'' عشیہ کے الفاظ پہ ہیام کی حالت پتلی ہوگئی تھی، یہ عشیہ بھی نا؟ جب چاہے دشمنوں کے کیمپ میں کھڑی ہو جاتی ہے، غدار
''اس لئے کہ اسے میں یہاں لایا ہوں، میرا احسان ہے اس پر۔'' ہیام کو بات بتانی پڑی تھی۔
''پٹھان احسان کر کے احسان جتاتا نہیں۔'' عشیہ نے پھر سے اسے حلق سے پکڑا تھا۔
''اچھا، میری ماں، ہوگئی غلطی۔'' ہیام روہانسا ہوگیا تھا، ادھر عروفہ ناک چڑھا چڑھا کر اس عجیب وغریب ڈش کو دیکھ رہی تھی جسے ہیام اور نشرہ نے بنایا تھا۔
''تم نے اس ملغوبے کو بنانے میں اتنے گھنٹے لگا دیئے، وہ بھی کچن میں؟'' عروفہ کے لفظوں کے پیچھے طنز کو پیتے ہوئے ہیام نے ترنت جواب دیا تھا۔
''ڈش کوئی بھی بنانی ہو، کچن میں ہی بناتے ہیں، بیڈروم میں نہیں۔''
''اتنا لمبا چوڑا کام تو نہیں تھا، پھر نشرہ کون سی مدد کرواتی رہی؟'' اس نے آنکھیں گھما کر کچن سمیٹتی نشرہ پہ طنز چھوڑا تھا۔
''تو میری بہن! تم اٹھ کر آجاتی، اس لڑکی کو تخت پہ بٹھا دیتی، کیا مفت کی روٹیاں توڑتی رہے گی؟ اگر تھوڑا کام کروا دیا اس نے تو قیامت برپا ہوگئی کیا؟'' وہ الٹا اسے پڑ گیا تھا، عشیہ نے دوپٹہ منہ پر رکھ کر کروٹ بدل لی تھی اور ساتھ مسکراتا چہرہ بھی چھپالیا۔
نشرہ برتن دھونے میں کچھ زیادہ ہی مصروف ہوگئی تھی اور پانی کی دھار نے اس کی ہنسی کا بھرم رکھ لیا تھا، ادھر ہیام عروفہ کے جواب کا انتظار کر رہا تھا، اب بم پھٹے کہ تب بم پھٹے۔
مگر اللہ کی رحمت سے فضل ہی رہا، عروفہ ہیام کے برہم تاثرات سے مطمئن ہو کر کچن سے باہر چلی گئی تھی اور ہیام کچن کی چھت کو دیکھتا شکر ادا کرتا کڑاہی کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔
''دیکھا......؟ خیر اسی طرح شر کو بھگا دیتا ہے۔'' اب وہ دانت نکال کر پھر سے نشرہ کو سرگوشیوں میں رومینس کے سنہرے اصول یاد کروا رہا تھا اور نشرہ سوچ رہی تھی، لہسن ہی اپنے کانوں میں دے لے کیونکہ کاٹن اس وقت دستیاب نہیں تھی۔

☆☆☆

بنو محل کی خوبصورت بارہ دری میں گلابی شام ڈوب رہی تھی۔
یہ وہی بارہ دری تھی جہاں کبھی جہاندار آتا جاتا دکھائی دیتا تھا، مگر اب جہاندار نہیں تھا، بارہ

دری وہیں تھی، انسان آتے جاتے رہتے ہیں، چیزیں نہیں بدلتیں، جگہیں نہیں بدلتیں۔

اسی بارہ دری میں اس وقت صندریر خان کھڑا تھا، سفید کرتا شلوار میں، رات کے پھیلتے سائے بھی اس کی وجاہت کو چھپانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، اس کا سنہرا رنگ، بادامی آنکھیں شام کے پھیلتے سائے میں بجلی کی طرح چمکتی تھیں۔

اس کی آنکھوں میں ایک تیز اور گرم لپک دکھائی دیتی تھی، وہ اپنی شخصیت کی طرح ہی چھا جانے والا پراسرار تھا، سات پردوں میں خود کو رکھنے والا، اس کی کئی پرتیں تھیں اور ہر پرت پہلے سے زیادہ پراسرار تھی، اس وقت فون کان سے لگائے وہ کس سے بات کر رہا تھا؟

سباخانہ کے کمرے کی کھڑکی سے بارہ دری کا منظر بہت واضح تھا۔

حمت اور پری گل تو نہیں تھیں، سباخانہ بھی اپنی بیماری سے تنگ آ کر اب زندگی کے بے رنگ جھمیلوں میں دلچسپی لینے پہ مجبور ہو گئی تھی۔

کہاں تک رشتہ نہ ہونے کا سوگ مناتی؟

اپنی الجھی سوچوں سمیت وہ لمحہ بھر کے لئے چونکی تھی، اس کے کانوں مین صندریر خان کی آواز آئی۔

''میں نے تمہاری بہن کی ناگہانی موت پر تعزیت کا فون کرنے کا بہت دفعہ ارادہ کیا، پھر اس ارادے کو توڑ دیا، مگر میں زیادہ دیر تک خود کو روک نہیں سکا، بہر حال تم ہمارے علاقے کے آفیسر ہو، اتنا حق تو بنتا ہے تمہارا، گو کہ تم نے ہمارے خاندان کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔''

سباخانہ پوری جان سے صندریر خان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

علاقے کا آفیسر؟ بہن کی موت کا افسوس؟

کیا خان امام سے بات کر رہا ہے؟

سباخانہ کی تمام حسیں ایک دم بیدار ہو گئی تھیں۔

دوسری طرف امام کے سارے جسم کا لہو آنکھوں میں اکٹھا ہو گیا تھا، اس کا ضبط چھلکنے لگا اور تحمل مزاجی کے سارے بندھ ٹوٹنے لگے تھے۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے فون کرنے کی؟'' وہ اپنے ابلتے غصے اور زہر کو اندر دباتا بمشکل آواز کم کرنے پہ خود کو مجبور کر پایا تھا۔

وہ نہیں چاہتا تھا، اس کی آواز بلند ہو اور رات کو ڈسچارج ہو کر گھر آئی پلوشہ تک اس کی آواز پہنچے اور نہ ہی خالہ اور عینی کو کسی معاملے کی بھنک پڑے۔

''ایسے ہمت ہوئی، جیسے فون کیا ہے، اور اگر زیادہ ہمت دیکھنا چاہتے ہو تو تمہارے گھر بھی پہنچ جاؤں گا، بہ نفس نفیس، تمہاری والدہ سے تعزیت کرنے۔'' اچانک ہی صندریر کی نرم آواز سختی میں بدل گئی تھی، امام نے غصے بھرے الفاظ نے اسے بھی بھڑکا دیا تھا۔

''اور اس سے زیادہ بھی ہمت ہے، تمہارے بیڈ روم میں آ کر تمہاری احوال پرسی کرنے کا، مجھے امید ہے، ابھی تک بستر پہ ہی فروکش ہو اور تم اپنی بے بسی سے اچھی طرح سے واقف ہو، اس لئے یہ غصہ یہ جلال تم پہ جچتا نہیں۔''

''تم...... صندیر خان! میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچو گے، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' امام کا ابلتا لہو انگارہ بن گیا تھا، دوسری طرف صندیر خان ہلکے سے مسکرا دیا۔

''میں تمہارے ہاتھوں اپنے انجام تک پہنچنے کے لئے تیار ہوں، مگر اس کے لئے تم مکمل طور پر صحت مند ہو جاؤ۔''

''تم کیا سمجھتے ہو؟ یہ مافیا راج تمہارا ہی ہے، ہر جگہ تمہاری بادشاہی ہے، ڈرو اپنے برے انجام سے۔'' امام کی سلگتی آواز پہ صندیر خان دھیمے سے مسکرایا۔

''تمہارے لئے غصہ نقصان دہ ہے، خود کو ریلیکس کرو اور مجھے میرے انجام سے مت ڈراؤ، میں اپنا برا اور اچھا خوب سمجھتا ہوں۔''

''تم میرے خاندان سے دور رہو اور مجھے آئندہ فون کرنے کی جرأت مت کرنا۔'' امام نے جیسے اسے وارننگ دی تھی۔

''میری جرأت کی تو بات ہی مت کرو، اگر جرأت کو للکارو گے تو میں پھر سے اپنی جرأت کا کوئی عملی مظاہرہ پیش کرنے پہ مجبور ہو جاؤں گا، بہر حال تمہاری اطلاع کے لئے تم ابھی بھی بہت سے حقائق کو نہیں جانتے، ابھی بھی بہت ساری حقیقتیں تمہاری نگاہ سے اوجھل ہیں، تو بہتر ہے، تم ریلیکس رہو، خود کو صحت یاب کرو اور پھر میدان میں آنا، میں بیماروں سے دشمنی نہیں کرتا، پیچھے جو ہوا، میں درگزر کرتا ہوں، گو کہ نیل برنے جو داغ بڑو محل کو لگایا ہے وہ کبھی دھل نہیں سکتا، تمہاری مدد اور تعاون سے اس نے ہمیں ذلت کا بٹہ لگایا، میں اس گناہ کو بھلانے کی کوشش کر رہا ہوں، تمہاری غلطیوں کو درگزر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، تم بھی چاہو تو پچھلا بھلا کر نیا سوچو، جو تمہیں نئی زندگی اور ترجیحات پہ اکسائے۔''

''میرے لئے بہت اچھا سوچنے کا شکریہ، آئندہ مجھے فون کرنے کی تکلیف مت اٹھانا۔'' امام نے زہر خند لہجے میں جتلایا تھا۔

''دیکھ لو، تمہیں بہت جلد میری ضرورت پڑنے والی ہے۔'' ایک دم صندیر خان نے عجیب انداز میں مسکرا کر کہا تھا۔

''میری زندگی میں کم از کم یہ نہیں ہوگا۔''

''آں ہاں...... تمہاری زندگی میں ہی یہ خوشگوار واقع ہونے والا ہے۔'' صندیر خان نے جتلایا تھا، اس کے لہجے میں تمسخر تھا، طنز تھا، یا کچھ اور؟ امام سمجھ نہیں سکا مگر اسے صندیر خان سے کبھی خیر کی امید نہیں رہی تھی۔

''تمہاری بہن ایک حادثے کا شکار ہو گئی، تم خود معذور پڑے ہو بستر پر، تمہارا بھائی ابراڈ اپنی رنگ رلیوں میں مصروف ہے، ابھی بھی میں، باخبر نہیں ہوں، تو پھر میں کچھ بھی نہیں ہوں۔''

''تمہاری اس بکواس کا کوئی نہ کوئی مطلب ضرور ہوتا ہے، ذرا سوچنا ضرور، میں کسی کے ساتھ دوستی کروں تو دور تلک نباہتا ہوں، اگر دشمنی کروں تب بھی نباہتا ہوں، تم سے نہ دوستی تھی کبھی اور نہ اب دشمنی رہی ہے، مگر پھر بھی پرانے برے مراسم اور آشنائی کی باعث تم سے باخبر رہنا میری مجبوری ہے، جیسے مجھے یہ بھی پتا ہے، ہمان نے تم سب سے چھپ چھپا کر باہر کسی انگریز لڑکی سے شادی کر

لی ہے اور جیسے مجھے یہ بھی یقین ہے تمہاری بہن کسی حادثے میں مری نہیں بلکہ لاپتہ ہو چکی ہے اور کیا خبر وہ اپنی مرضی سے گھر چھوڑ گئی ہو، ہونے کو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' صندیر خان کے الفاظ پر امام غم و غصے اور بے بسی کے احساس سے پھٹ پڑا تھا۔

''بس کرو صندیر خان! بس کر دو اور کتنا اپنے مقام سے نیچے گرو گے اور کتنے چرکے لگاؤ گے؟ ابھی تک تمہارے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی؟ اس آگ کی لپیٹ میں میرے بھائی اور بہن کو بھی لانا چاہتے ہو، میری کھوئی ہوئی بہن، تمہیں شرم آنی چاہیے۔'' وہ غیض و غضب اور بے بسی سے نڈھال ہو گیا تھا اور دوسری طرف صندیر خان ابھی تک پرسکون موبائل کان سے لگائے مسلسل مسکرا رہا تھا۔

''تمہیں شرم آئی تھی بٹو محل کی عزت کو گھر سے بھگاتے ہوئے؟'' اس نے سابقہ دھیمے، پرسکون لب و لہجے میں سوال کیا تھا، امام بیڈ کراؤن سے سر ٹکا کر نڈھال ہو گیا۔

''ہاں، اسی ہمدردی کی سزا بھگت رہا ہوں۔''

''وہ ہمدردی نہیں تھی، جرم تھا۔'' صندیر خان نے بے ساختہ ٹوکتے ہوئے کہا تھا۔

''مگر نیل بر وہاں نہیں رہنا چاہتی تھی، اس نے مجھ سے مدد مانگی تھی۔'' وہ بے بس ہو گیا، اس ہمدردی اور مدد کی وہ خود کو بھی ٹھیک طرح سے وضاحت نہیں دے سکتا تھا۔

صرف حمت کی خاطر؟

اوف یہ محبت...... کہاں کہاں خوار کرتی ہے؟

''تمہیں یہ ہمدردی بہت مہنگی پڑی، اس جرم میں تم برابر کے شریک تھے، میں نے اس دشمنی کو تمہاری معذوری کے ساتھ ختم کر دیا، اسے میرا بڑا پن ہی سمجھنا، ورنہ ہم پٹھان نسلوں تک دشمنی نباہتے ہیں۔'' صندیر خان نے دھیمی پھنکاری آواز میں جیسے جتلایا تھا۔

''تم ایک کمرے کی چار دیواری سے باہر نکل کر دیکھنا، باہر بہت کچھ بدل رہا ہے۔'' اس نے معنی خیزی سے ٹکرا لگایا تھا۔

''جسٹ شٹ اپ۔'' امام نے پوری قوت سے چلاتے ہوئے فون بند کر دیا تھا اور اب سر تھام کر نڈھال تکیے پہ گرا پڑا تھا۔

''ہمان کی شادی...... کومے کی گمشدگی؟''

''امپاسیبل...... یہ کیسے ممکن ہے؟ ہمان ہمیں دھوکہ دے گا؟ مجھے اور خالہ کو؟ نہیں یہ ممکن ہی نہیں اور کومے، اسے تو خود دفن کیا، میرے سامنے قبر میں اتارا گیا، تو پھر صندیر خان؟ کیوں جھوٹ بول رہا ہے؟ مجھے ذلیل کرنے، اذیت دینے کے لئے؟ اب اس نے اور حربوں سے وار کرنے کی پلاننگ کر لی ہے، ایسا ممکن ہی نہیں، صندیر خان! میں تمہیں قتل کر دوں گا ذلیل انسان۔'' وہ بال نوچتا تکیے پر ڈھے گیا تھا۔

تبھی چرر کی آواز سے دروازہ کھولا اور کوئی اندر آ گیا، امام کو گڑبڑا کر اٹھنا پڑا تھا۔

☆☆☆

آنے والی کوئی اور نہیں عینی تھی، جو نجانے کب سے دروازے سے کان چپکائے امام کی

باتیں سن رہی تھی، ہمان کی شادی والی بات پہ تو اسے بڑے زور کا دھکا لگا تھا۔
اور اسی جھٹکے کے زور سے دروازہ بھی کھل گیا اور وہ گڑبڑا کر اندر آگئی، اب مارے خجالت اور تجسس کے سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کرے؟

''کیا مسئلہ ہے؟'' امام کو فوراً ہی خود پہ قابو پانا پڑا تھا، اپنے تاثرات چھپانے پڑے تھے۔

''کچھ نہیں، وہ تو میں آپ کے دروازے کی جھاڑ پونچھ کر رہی تھی امام بھائی۔'' اس نے فوراً ہی گڑبڑا کر بات بنائی تھی۔

''اچھا.....اب ہوگئی، جھاڑ پونچھ؟''

''ج.....جی۔'' اس نے پھنسی آواز میں بتایا تھا۔

''تو پھر جاؤ۔'' امام نے دھیمی آواز میں کہا تھا، وہ تیزی سے واپس مڑنے لگی تو امام نے اسے لمحہ بھر کے لئے روکا تھا۔

''سنو عینی؟''

''جی بھائی۔'' وہ سرعت سے بولی تھی۔

''تم نے جو کچھ بھی سنا ہے، اس نے خود تک محدود رکھنا، خالہ کو کچھ پتہ نہیں چلنا چاہیے، جب تک میں تحقیق نہ کرلوں، سمجھ گئی ہونا۔'' اس کے نرم لہجے میں چھپی وارننگ کو محسوس کرتی عینی نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے تسلی دی تھی۔

''ہوں، گڈ گرل۔'' امام نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''آپ کے لئے جوس لاؤں؟''

اسے اچانک خیال آیا تھا، کہ وہ اس بہانے سے امام کے کمرے میں آئی تھی، اب باہر یہی جواز پیش کرتی، سو پرسکون ہو کر جواب سنے بغیر ہی باہر نکل گئی تھی مگر اس انکشاف پر اس کے پیٹ میں شدید درد ہو رہا تھا۔

☆☆☆

پلوشہ کی صحت یابی کے بعد تائی نے واپس جانے کے لئے بوریا بستر باندھا تو ان کی کزن پلوشہ ایک دم پریشان اور اداس ہوگئی تھیں۔

اتنے دن سے ان ماں بیٹی نے ان کے گھر کو سنبھالا تھا، ان کا خیال تھا اب کے جانے کا سن کر پورے گھر میں ویرانی اترتی محسوس ہو رہی تھی اور یہی بات پلوشہ نے کئی مرتبہ ڈھکے چھپے انداز میں کہہ بھی دی تھی۔

''آپا! آپ کی وجہ سے گھر میں کتنی رونق ہے، عینی کو دیکھ کر کومے کی یاد مدھم ہونے لگتی ہے، میرا دل نہیں چاہ رہا، آپ واپس جائیں۔'' پلوشہ نے نم آواز میں اپنے دل کی بات ایک مرتبہ پھر کہی تھی، تائی جزبزسی ہوگئیں۔

''پلوشہ! اور کتنی دیر یہاں رکوں، آخر گھر جانا ہی ہے، ایسے ہی گھر کی حالت اوپر نیچے ہوگئی، پھر کرائے دار اپنا داماد ہے، جانے کھانا پینا کیسے کر رہا ہوگا، جانا تو ہے۔'' تائی نے عاجزی سے

وضاحت کی تھی۔

"آپا! جانتی ہوں، بلاوجہ اصرار کررہی ہوں، مگر کیا کروں؟ اوپر نیچے غموں نے اتنا کمزور کردیا ہے، اب تو اکیلے پن سے خوف آتا ہے۔" پلوشہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"بس خدا کی یہی مرضی تھی پلوشہ! اب اگر امام تندرست ہوتا تو اس کی شادی کردیتی، کم از کم اسی بہانے گھر میں رونق ہی آجاتی۔" تائی کے مشورے پہ پلوشہ نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"کوئی بھی تو خوشی نصیب نہیں ہوئی، ایک کے بعد ایک صدمہ، دکھ، غم۔"

"بس اللہ کی شان ہے، انسان لاچار کیا کرسکتا ہے۔" تائی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"گھر کی یہ ویرانی شاید ہمارے نصیب میں ہے، کیسے ختم ہوسکتی ہے۔" پلوشہ کچھ زیادہ ہی مایوس لگ رہی تھیں۔

"ایسے مت کہو، اچھے دن بھی ضرور آئیں گے۔" تائی نے ہمدردی سے پلوشہ کا کانپتا ہاتھ تھاما۔

"پتا نہیں، کب آئیں گے۔"

"یہ مایوسی اچھی نہیں، سب ٹھیک ہوجائے گا، اچھا سنو، ایک خیال آیا ہے ذہن میں، تم ہمان کی شادی کیوں نہیں کردیتی؟" تائی نے اچانک آنے والے خیال کو زبان دی تو پلوشہ کے ہونٹوں پہ بھولی بسری مسکراہٹ نے جھلک دکھائی تھی۔

"اب پاکستان آئے گا تو ضرور کروں گی، یہ خیال میرے دل میں آتا تو تھا مگر چاہتی تھی پہلے امام کی ہو۔" پلوشہ نے خوش کن خیال کے زیر اثر کہا تھا۔

"پھر دیر کا ہے کی، امام کو صحت یاب ہونے میں وقت لگے گا، تم ہمان کے لئے لڑکی دیکھو۔" تائی نے پلوشہ کو نئی مصروفیت اور ایک نیا راستہ دکھایا تو وہ اتنے دن بعد بہت خوشگوار انداز میں سوچنے لگی تھیں۔

"تو پھر ہمان کے لئے لڑکی ڈھونڈنے میں میری مدد کریں۔" پلوشہ نے آپا کے دونوں ہاتھ تھام کر محبت سے کہا تو اس عزت افزائی پر تائی خوشی سے پھول پڑی تھیں۔

"ارے کیوں نہیں، بس لاہور تو جانے دو، پھر اپنے جاننے والی بچیوں میں سے کسی اچھی بچی کو دیکھ بھال کر بات چلاتی ہوں۔"

"اور تب تک میں کیا کروں گی؟ اب تو یہ اکیلا پن کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، شانزے بھی جاب میں مصروف ہوگئی ہے، بھابھی کی اپنی مصروفیات ہیں، یہ تنہائی تو میری جان لے لے گی۔" پلوشہ پر ایک مرتبہ پھر یاسیت چھانے لگی تھی۔

"ارے اللہ نہ کرے، تم اپنے بچوں کی ساری خوشیاں دیکھو، اچھا یوں کرتی ہوں، عینی کو چھوڑے جاتی ہوں، پھر تو خوش ہو نا؟" تائی نے جیسے پلوشہ کو مژدہ جان فزا سنا دیا تھا، پلوشہ کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

"آپا! آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی، میں کیسے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"آپا بھی کہتی ہو اور غیروں جیسی باتیں بھی کرتی ہو، یہ شکریہ اپنے پاس ہی رکھو۔" دونوں

خواتین کی گفتگو کو سن کر عینی کی باچھیں کھل اٹھیں، اس نے جلدی سے اپنا بیگ کھول کر کپڑے الماری میں سیٹ کر لئے تھے، خالہ کے گھر کا عیش و آرام لاہور کے تندور جیسے گھر میں کہاں ملنا تھا، پھر امی تو چلی گئیں مگر نومی اور عینی یہیں تھے۔

اگر عینی نے خوبصورت گھر کی چھوٹی موٹی ذمہ داریوں کو اٹھا لیا تھا تو نومی نے باہر کے سارے کام اپنے ذمے لے لئے، بجلی کے بلوں سے لے کر گھر کا سودا سلف لانے تک۔

پلوشہ کم از کم گھر کی ذمہ داریوں سے آزاد ہو چکی تھیں اوپر سے عینی اور نومی کی نوک جھونک اتنی مزیدار ہوتی تھی کہ پلوشہ کے ساتھ ساتھ امام بھی ہنسنے لگتا تھا، اگر شانزے آ جاتی تو محفل کی رونق دوبالا ہو جاتی تھی۔

اس وقت بھی نومی عینی کے بے دریغ کھاتے ہوئے کتنی ہی مرتبہ ٹھوکے مار کر روک چکا تھا مگر عینی تھی کہ جب بھی ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھتی بے دریغ پیٹ بھرنا شروع ہو جاتی، جس کی وجہ سے نومی خوامخواہ شرمندہ ہوتا رہتا تھا۔

''اے بہن! گھر پرایا ہے مگر پیٹ تو اپنا، نہ اتنا خود پہ ظلم کرو، کچھ خدا کا خوف کرو۔''

''تمہیں کیا تکلیف ہے؟ کیا تمہارا کھا رہی ہوں، جو میرے نوالے گننے بیٹھ جاتے ہو؟'' عینی بھی دبی آواز میں پھٹ پڑی تھی۔

''میرا نہیں مگر میری خالہ کا اجاڑ تو کر رہی ہو، اگر تمہارے کھانے کی یہی رفتار رہی تو خالہ کے کچن میں قحط پڑ جائے گا۔'' نومی نے تلملا کر جواب دیا تھا، ان کی نوک جھونک پلوشہ کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے بے ساختہ کہا۔

''تم میری بیٹی کو کھانے کے معاملے میں نہ ستایا کرو، یہ اس کا اپنا گھر ہے۔'' پلوشہ نے عینی کا گال تھپتھپا کر تسلی دی تھی کہ ''بے جھجکے بیٹی! جتنا مرضی کھاؤ۔'' عینی اس حمایت پر نومی کو ٹھینگا دکھانے لگی۔

''خالہ! اس کو مت سر پہ سوار کریں، یہ چٹوری، مجھے تو خوف ہے پورے اسلام آباد کا اناج ہی ہڑپ نہ کر جائے۔'' نومی نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

''جیسے تم تو کھانا کھاتے نہیں، سونگھتے ہو بس، یا پھر سونگھے بنا ہی اٹھ جاتے ہو۔'' عینی نے تلملا کر جواب دیا تھا۔

''جی! میں کھاتا ہوں انسانوں کی طرح، جانوروں کی طرح نہیں۔'' نومی نے اطمینان سے عینی کو بے اطمینان کیا تھا۔

''یہ تم نے جانور کسے کہا؟'' عینی کے سر پہ جا لگی تھی۔

''تمہارے علاوہ کوئی اور بھی ہے کیا؟'' نومی نے اداکاری کرتے ہوئے کہا تو چلا اٹھی تھی۔

''خالہ! اپنے اس نوکر کو سرونٹ کوارٹر تک ہی محدود رکھا کریں، اسے ڈائننگ پہ بیٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔''

''یہی بات تو میں کہنے والا تھا، چٹائی کی پر پھسکڑا مار کر رات میں کھانے والی کو میز کہاں کہ میز پہ کھانا کس عزت اور تمیز سے کھایا جاتا ہے۔'' نومی نے بھی حساب چکایا تھا، ان کی لڑائی پہ

پلوشہ سر تھام کر رہ گئیں، لیکن اتنا وہ جانتی تھیں کہ انہیں کچھ کہنا، سننا بیکار ہے، ابھی وہ شیر و شکر بھی ہو جاتے تھے اور ابھی وہ ایک دوسرے کو مارنے مرنے پہ بھی تل جاتے تھے، جاتے سمے آپا سمجھا کر گئی تھیں۔

''ان کی لڑائیوں پر گھبرانا مت، یہ بولیں نا تو زبانوں پہ زنگ لگ جائے، ایک دوسرے سے لڑتے ہیں تو پیار بھی کرتے ہیں۔''

اس پیار کا عملی مظاہرہ تو پلوشہ نے دیکھ ہی لیا تھا۔

ادھر تولہ ادھر ماشہ، پلوشہ مسکرا کر ان کی نوک جھونک سے محظوظ ہونے لگیں۔

کومے کے جانے کے بعد زندگی پہ چڑھا جمود اب دھیرے دھیرے ہٹنے لگا تھا مگر پلوشہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ ابھی ان کے حصے میں بہت سے امتحان باقی تھے۔

☆☆☆

بہت دن بعد شانزے کا امام کی طرف چکر لگا تھا۔

کالج میں امتحانات چل رہے تھے اور اب بہت دن بعد فراغت نصیب ہوئی تھی، شانزے نے سوچا، کیوں نا بھولے بسرے، دوست کے ساتھ ایک اچھی سی کافی پی لی جائے۔

کچھ اسے عینی نے بھی تشویش کا شکار کر دیا تھا، بقول عینی کے،''امام بھائی کچھ دنوں سے بالکل ہی خاموش ہو گئے ہیں۔''

شانزے نے ساری مصروفیات کو ایک طرف رکھا اور امام کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔

عینی گرما گرم کافی کے دو کپ ملازمہ کے ہاتھ بھجوا کر اب ٹی وی دیکھ رہی تھی، پلوشہ شاید نماز پڑھ رہی تھیں، شانزے کو یہی موقع غنیمت لگا تھا اس نے امام کو جا لیا۔

''یہ تم کس خوشی میں گوشہ نشین ہو چکے ہو، بندہ باہر نکلتا ہے، لان میں بیٹھتا ہے، ایک تم نے اس کمرے کی تنہائی سے نکاح کر لیا ہے؟'' شانزے کے تیور خاصے جارحانہ تھے، جیسے آج وہ امام کو بخشنے والی نہیں تھی۔

''ہاں، یہی سمجھ لو۔'' وہ رکھائی سے بولا تھا۔

''تم مجھے ٹال نہیں سکتے، کیا میں تمہیں بچپن سے نہیں جانتی؟ کس غم کا روگ لگایا ہوا ہے؟ مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟ یا تم مجھ سے ڈسکس کرنا نہیں چاہتے۔'' شانزے نے نہایت خلوص کے ساتھ گفتگو کا تمہیدی آغاز کیا تھا، اسے لگ رہا تھا، امام کے اندر کوئی پریشانی چل رہی ہے، وہ پریشانی کیا تھی؟ اسی کی کھوج اسے یہاں کھینچ لائی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' امام بیزاری سے بولا۔

''کچھ تو ہے نا، اندر چھپائے رکھو، مت بتاؤ۔'' شانزے نے غصے سے کہا تھا۔

''تمہارے اسی رویے کی وجہ سے میں نے یہاں آنا چھوڑ دیا ہے۔''

''اچھا کیا ہے یہاں تمہاری دلچسپی کے لئے ہے ہی کیا؟'' امام نے دھیمی آواز میں بیزاری سے کہا تھا، شانزے اسے دکھ سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''اس وقت معذوری نے تمہارے اندر سے خوش کن خیالات کو ختم کر دیا ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' اس نے ذرا بھی اختلاف نہیں کیا تھا، شانزے اسے کئی لمحے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''امام...... کیوں خود کو تنہا کر رہے ہو؟''

''اس لئے کہ اپنوں کے دھوکے کھائے ہیں، دنیا سے نہیں رشتوں سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔'' کچھ دیر بعد وہ گہرے دکھ بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا، شانزے گم صم سی ہو گئی، اسے سمجھ آ رہی تھی، امام کسی گہرے کرب سے گزر رہا تھا اور اس بات کا تعلق کومے کی موت سے نہیں تھا، شاید بات کوئی اور تھی۔

''ان دنوں میں کوئی بات ہوئی ہے امام! کچھ کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کیوں نہیں کر لیتے؟'' شانزے نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا تھا، اس دلاسے میں ایک مخلص دوست کے سارے احساس پوشیدہ تھے۔

''میں تھک گیا ہوں شانزے! اپنی بیماری سے نہیں، اپنوں کی جدائی سے۔'' کچھ دیر بعد وہ بھربھری ریت کی طرح بکھرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''پہلے کومے چلی گئی اور اب ہمان۔'' اس نے کرب سے لب بھینچ لئے تھے، شانزے گھبرا اٹھی۔

''کیا ہوا ہے ہمان کو؟'' اس کا دل گھبرانے لگا تھا۔

''اس نے کینیڈا میں شادی کر لی ہے اور ہمیں بتایا تک نہیں اور سب سے بڑی بات وہ جوان بہن کی حادثاتی موت پہ بھی نہیں آیا، کیونکہ اس کی بیوی کی پری میچور ڈلیوری تھی۔'' امام کے انکشاف نے شانزے کو حیرت کا مجسمہ بنا دیا تھا، کئی لمحے تک تو وہ کچھ بول ہی نہیں سکی تھی۔

''کیا پتا امام! یہ خبر جھوٹ ہو۔''

''ہاں، میں بھی یہی سمجھتا تھا، اس لئے ہمان سے تصدیق کی اور اس نے اعتراف کر لیا۔'' امام گہرے دکھ تلے دبا بتا رہا تھا۔

''اور اب معافیاں مانگتا ہے، خالہ کو مت بتاؤں، انہیں دکھ ہو گا، اگر اسے پسند کی شادی کرنی ہی تھی تو مجھے بتاتا، خالہ کو بتاتا، ہم کیا اس کی پسند کے سامنے رکاوٹ بنتے؟'' امام نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے ضبط سے کہا تھا۔

''مجھے ہمان سے یہ امید نہیں تھی، کم از کم وہ تمہیں تو بتاتا اور اب خدارا پھپھو کو کچھ پتا نہیں چلنا چاہیے۔'' شانزے نے جیسے سر تھام لیا تھا۔

''یہی تو اصل پریشانی ہے، خالہ اب کہ یہ صدمہ نہیں سہار سکیں گی، اتنی کھلم کھلا دھوکہ دہی، کیا سوچیں گی خالہ! انہیں ہم بھائیوں سے دکھ ہی ملے۔'' امام نے اذیت سے اپنے ہونٹ کاٹ لئے تھے، شانزے امام کی تکلیف کو سمجھتی تھی مگر اب اسے حوصلہ دینا چاہتی تھی، اس کے دکھ کو کم کرنا چاہتی تھی۔

''تم پلیز خود کو ریلیکس کرو، میں اس معاملے کو دیکھتی ہوں، تم فکر مت کرو، سب ٹھیک ہو

جائے گا۔" اس نے اچھے دوستوں کی طرح امام کو تسلی دی تھی، امام بس ضبط سے سر ہلا گیا تھا، اس سے بڑھ کر کیا کر سکتا تھا، بس اتنا ہوا کہ دل پہ پڑا بوجھ قدرے کم ہو گیا، سو اس نے شانزے کا شکریہ ادا کیا، جو ہمیشہ اس کی تکلیف کو بانٹ لیتی تھی۔

شانزے اسے دیکھ کر دکھ سے مسکرا کر ہٹ گئی تھی، کہ اسے امام کو تکلیف میں دیکھنا اچھا نہیں لگتا تھا۔

☆☆☆

شاہوار کو اس کے ملازم خاص نے ایک خاص اطلاع دی تھی، جس نے شاہوار کو چونکا دیا تھا۔

چاہے جو بھی تھا، صندیر خان جیسا بھی تھا، مگر عورت کے معاملے سے ہمیشہ دور ہی رہتا تھا، مگر آج جو اسے اطلاع ملی تھی اس خبر نے شاہوار کے ہوش اڑا دیئے تھے۔

صندیر خان عورت اور شراب سے دور بھاگتا تھا، اس کی دلچسپیوں میں بزنس، جائیدادیں، کاروبار، زمینیں اور دشمنیاں سرفہرست تھیں، پھر یہ خبر شاہوار کو کیوں نہ چونکاتی؟

صندیر خان کی شہر والی کوٹھی میں ایک مریضہ موجود تھی جس کی دیکھ بھال کے لئے حمت کو بنو محل سے شہر لے جایا گیا تھا۔

کیا مریضہ اتنی خاص تھی جس کی خبر گیری کے لئے بنو محل سے کوئی ملازمہ نہیں بلکہ بنو محل کی بیٹی کو بھیجا گیا تھا؟

شاہوار گو کہ ان معاملات سے دور ہی رہتا تھا مگر اچانک ہی اس کی دلچسپی بڑھ گئی، جانے اس کے دماغ میں کیا سمائی کہ وہ فیکٹری سے نکل کر واپس جانے کی بجائے صندیر خان کی رہائش گاہ کی طرف آ گیا تھا۔

اور اس کی حیرت تب تشویش میں بدلی جب گیٹ پہ کوئی گارڈ نظر نہیں آیا۔

"ہوں تو اتنی پردہ داری ہو رہی ہے، یعنی معاملہ کافی گمبھیر لگتا ہے۔" وہ اپنی پیشانی کو ٹھکورتا جب اندرونی حصے کی طرف آیا تو اندر موجود حمت سے اس کا پہلا سامنا ہوا، حمت اسے دیکھ کر ایسی حواس باختہ ہوئی کہ اس کے ہاتھ سے چائے کی پیالی گر پڑی۔

"لالہ آپ! یہاں کیسے؟"

"ارے، یہی سوال تو میں تم سے کرنے والا تھا، تم یہاں کیسے؟" شاہوار نے انجان بننے کی اداکاری کرتے ہوئے الٹا سوال داغ دیا تھا۔

"مم...... میں...... مجھے تو لالہ یہاں لائے تھے۔" حمت گڑبڑا گئی تھی، ایسی سچویشن کا تو گمان ہی نہیں تھا، نہ لالہ نے بریف کیا تھا کہ اگر ایسی صورتحال ہوئی تو کیسا جواز گھڑنا ہے۔

"آج کل لالہ نے تم سے بڑا "بہناپہ" جوڑا ہوا ہے۔" شاہوار نے بالوں میں انگلیاں چلا کر بظاہر مسکراتے ہوئے کہا تھا، پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر بیٹھ گیا، اسے بیٹھتا دیکھ کر حمت کے حواس گم ہونے لگے۔

"لالہ تو یہیں جم گئے ہیں، انہوں نے صندیر لالہ کا تو پوچھا ہی نہیں۔" حمت گھبرا گئی تھی۔

"اب کومے یہاں نہ آ جائے، اللہ اسے کیسے روکوں؟ وہ تو چائے کے لئے باہر آئے گی، یہی

کہا تھا اس نے۔'' حمت کی سوچوں کو اچانک بریک شاہوار کی آواز سے لگے تھے، وہ اس کے تاثرات نوٹ کرتا دھیما سا مسکرایا۔

''حمت! تم کیا کھڑے مراقبہ کر رہی ہو؟ یہاں بیٹھو جو دو گھڑی میرے پاس، میں بھی تو تمہارا لالہ ہی ہوں۔'' شاہوار کی مدھم مسکراہٹ اور الفاظ نے حمت کی سٹی اور بھی گم کر دی تھی، اسے لگا شاہوار وہ بات جانتا ہے جسے وہ چھپانے کے لئے ہلکان ہو رہی ہے۔

''یہاں بیٹھو نا۔'' شاہوار نے اس کی جگہ اپنے قریب ہی بنائی، وہ جھجکتے ہوئے بالآخر بیٹھ ہی گئی تھی، اب حمت پہ یہ وقت بھی آنا تھا، یہ بھی خدا کی شان تھی۔

''اب بتاؤ...... بھئی تمہارے لالہ نے ہم سے کیا معاملہ چھپا رکھا ہے؟ یہ لڑکی کون ہے؟ کہاں سے ہے؟'' شاہوار نے اپنی عادت کے برخلاف بڑی دلچسپی اور شوق سے تفتیش کا آغاز کیا تھا، حمت بے چاری ہونق بن گئی تھی۔

''یہ تو مجھے نہیں پتا، لڑکی کا نام کومے ہے، بس اتنا پتا ہے۔'' حمت نے انگلیاں مسلتے ہوئے بتایا۔

''تمہارے لالہ کو کہاں سے ملی؟ یا دوسرے لفظوں میں تمہارے لالہ اسے کہاں سے دریافت کر کے لائے؟'' شاہوار کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی، اسی طرح حمت کی گھبراہٹ بھی گہری ہو گئی تھی۔

''آپ یہ سوال مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں لالہ!''

''تو حمت! کیا دیواروں سے پوچھوں؟ یہاں تم ہی ہو نا۔'' وہ اس کی اتنی معصومیت پر اور بھی معصومیت سے پوچھنے لگا۔

''لالہ ناراض ہوں گے۔'' وہ گھبرائی۔

''ایسی کی تیسی لالہ کی۔'' شاہوار مسکرایا۔

''تم بے فکر ہو کر بتاتی جاؤ، دیکھو، حمت! جتنی انوسٹی گیشن بلکہ جاسوسی وہ میری کرواتا ہے، میں اس کا ایک تہائی بھی نہیں پوچھ رہا، بڑے سمپل سوال ہیں۔''

''تو آپ انہی سے پوچھ لیں۔'' حمت اپنی جان بچانا چاہتی تھی۔

''بڑی وفادار ہو لالہ کی، دیکھو، اگر مجھے بھی کبھی تمہاری اسی طرح ہیلپ چاہیے ہوئی تو......؟'' وہ اچانک معنی خیزی سے بولتا ہنس ہوا تھا۔

''تو میں حاضر ہوں لالہ۔'' حمت بھی اب کہ دبا دبا سا مسکرا دی تھی۔

''پھر یوں کرو، ذرا ہونے والی بھابھی کا دیدار کروا دو، یہ نہ ہو، میں درشن سے محروم رہ جاؤں۔'' اس نے کان کھجا کر فرمائش داغ دی تھی، حمت کے طوطے کبوتر پھر سے اڑ گئے۔

''لالہ! آپ تو بہت دور چلے گئے، کومے تو جانتی بھی نہیں، مطلب لالہ اور کومے کے بیچ ایسی کوئی بات نہیں۔'' حمت کو وضاحت دینے کی سمجھ ہی نہیں آئی تھی۔

''ہاں، تمہیں بتا کر ہی ایسی باتیں ہوں گی نا، تم ساری زندگی اپنے لالہ کے ساتھ گزار کر بھی اس کا مزاج سمجھ نہیں سکی، شکاری اپنے شکار سے ہی ایسا دلار کرتا ہے۔'' اس کا اشارہ اس آسائش،

سکون، آرام اور خدمتوں کی طرف تھا۔
حمت نے بھی سمجھ کر سر ہلا دیا، بات کچھ کچھ پلے پڑ ہی گئی تھی۔
''پر لالہ! میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' حمت کی بات منہ میں ہی دبی رہ گئی تھی، کوے اچانک ہی بولتے ہوئے سامنے آ گئی، شاید نہا کر آئی تھی، دوپٹہ نوارد، فوراً پیچھے کو لپکی اور پھر دوبارہ آئی، ادھر حمت خجل سی کھڑی تھی، ان کے ہاں گلے میں دوپٹے ڈالنے کا رواج کہاں تھا؟
اور ادھر شاہوار کوے کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا، اگر وہ حمت جتنی سادگی میں ہوتی تو یقیناً وہ اسے حمت کا ڈپلی کیٹ ہی سمجھتا، وہ ہو بہو حمت تھی، اگر بال کٹے ہوئے نہ ہوتے، لباس ماڈرن نہ ہوتا، یا انداز میں شہری ماڈرن گھرانوں والی چھاپ نہ ہوتی تو وہ لڑکی اپنے نقوش سے حمت کا پرتو لگتی تھی، اسے متحیر دیکھ کر حمت مسکرائی تھی۔
''میں بھی ایسے ہی حیران ہوئی تھی، جو بھی دیکھتا ہے، اتنا ہی حیران ہوتا ہے۔'' حمت نے چپکے سے دل میں کہا تھا۔
ادھر شاہوار نے اس سے تعارف بھی حاصل کر لیا، دونوں میں دس منٹ تک انگریزی میں بات ہوئی تھی، جو حمت کے پلے نہ پڑی، جس کا اسے بڑا ہی افسوس تھا۔
پھر لالہ تو چلا گیا اور کوے بھی شاہوار لالہ کی تعریف کرتے ہوئے اپنے لنگڑاتے پاؤں سمیت چلی گئی تھی، مگر حمت کو یہ گمان نہیں تھا کہ اسی شب صندیر لالہ کے عدالت میں اسے پیشی بھگتنی پڑ جائے گی۔

☆☆☆

''اور پھر پربتوں کی شہزادی کو پربتوں میں قید کر لیا گیا۔'' جہاندار ماضی کی پرتوں سے ایک اور پرت کر کھولتا ودھا کے ذکر میں کھو گیا تھا۔
ودھا کی قید نے فرخزاد کو پاگل کر رکھا تھا، اب وہ اسے باہر نظر نہیں آتی تھی، اب اس سے ملنے کی کوئی امید نہیں بچی تھی، تو فرخزاد پاگلوں کی طرح ہر ایک کے گلے پڑ رہا تھا۔
یہ عمر جذباتی ہوتی ہے، اس عمر میں کسی اچھا کی برائی کی سمجھ نہیں ہوتی، وہ بھی اس نادانی کی عمر میں گزر رہا تھا۔
پھر اسے پتا چلا کہ اچانک ہی خان بتو نے صندیر اور ودھا کی بے جوڑ شادی کا فیصلہ کر لیا ہے، ابھی یہ بات بتو محل کے اندر ہی تھی، مگر فرخزاد کو جانے کسی نے اندر کی خبر لا دی۔
اس نے بابا اور اماں کا دامن ہی پکڑ لیا۔
اب کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا تھا، فرخزاد بابا کو مجبور کر رہا تھا کہ وہ بتو محل رشتہ لے کر جائیں بات شیر لالہ تک بھی پہنچ چکی تھی اور اماں نے بھی تار بھیج کر لالہ کو بلا لیا تھا۔
اب بڑوں کی میٹنگ جم گئی تھی بڑے ہال میں اور ادھر فرخزاد جہاندار کو دبوچے بیٹھا تھا۔
''جاؤ اور ہال سے کوئی خبر لے کر آؤ، شیر لالہ کیا کہتے ہیں؟''
اس کی بے چینی، اس کے جنون، شوق اور محبت کی کوئی حد ہی نہیں تھی، جہاندار ڈرتا سہمتا ہال کی طرف آ ہی گیا، ادھر فرخزاد سے وفاداری کا عہد کر رکھا تھا، سو ڈانٹ کی پرواہ کسے تھی۔

وہ بھاری شنیل کے پردوں کی اوٹ میں چھپ کر ساری باتیں سنتا رہا۔

پھر ایک دم شیر لالہ کی گرج دار آواز ہال میں گونجی تھی، یوں کہ اماں اور جہاندار دونوں کا دل یک بارگی دھڑک اٹھا تھا۔

لالہ کے وہ الفاظ آج بھی جہاندار کے کانوں میں سوراخ کرتے تھے۔

''اگ تو لے، پھر عشق بھی رچا لیتا، اس کو عقل نام کی بلا نے نہیں چھوا، اب ہم دشمنوں کی لڑکیوں کو اپنے گھروں اور حویلیوں میں بیاہ کر لائیں گے، بابا! فرخی کو سمجھائیں، کیوں آگ اور تیل کا کھیل کھیلتا ہے، اس کو سمجھائیں اگر نہیں سمجھتا تو اسے امریکہ بھیج دیں، دو چار سال بعد عشق کا بھوت اتر چکا ہوگا۔''

''مگر وہ اتاؤلا ہو رہا ہے، کسی بات کو نہیں مانتا، سب دیکھ لیا۔'' اماں نے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا تھا۔

''ودھا کو بھول جاؤ، محبت کرنے کے لئے لڑکیاں بہت۔'' تب فرخزاد نے لالہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال لی تھیں اور وہ اپنے گھر کے بڑوں کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''مجھ سے حساب لینے سے پہلے آپ بتائیں لالہ! آپ نے مہ رخ بھابھی سے محبت کیوں کی؟ اگر محبت کر لی تھی تو پھر شادی کیوں کی؟ وہ تو غیر برادری سے تھیں۔'' فرخزاد کے ان الفاظ نے لالہ کو بھونچکا کر دیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

کچھ چند گلاب باقی ہیں
رمشا احمد

وہ صرف دو برس کی تھی جب اریسہ شاہ نے اسپتال میں اکھڑی سانسوں کے درمیان یہ کہتے ہوئے اپنی دو سالہ بیٹی ہدیٰ شاہ کو اپنی عزیز ترین دوست ثریا بیگم کے حوالے کیا تھا کہ ”وہ کسی طرح ان کی بیٹی کو اس کے گھر والوں کے عتاب سے بچا لیں ورنہ وہ اسے بھی قتل کر دیں گے۔“

ثریا بیگم اور اریسہ شاہ ایک ہی گاؤں میں رہتی تھی اور دونوں نے گاؤں کے اسکول سے میٹرک کیا تھا وہ آپس میں گہری سہیلیاں بھی تھیں، حالانکہ دونوں کے درمیان دولت و مرتبے کی بڑی مضبوط دیوار حائل تھی مگر اریسہ شاہ مزاجاً بڑی سیدھی سادی اور محبت کرنے والی لڑکی تھی اس لئے امیر غریب کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی جبکہ ثریا بیگم مولوی سلیمان شاہ جو گاؤں کی مسجد کے موذن تھے کی بیٹی تھی اور اپنے والدین کے ساتھ مسجد سے متصل چھوٹے سے رہائشی کوارٹر میں رہتی تھی، ثریا کی نسبت بچپن ہی سے اپنی کزن سے ٹھہرا دی گئی تھی، میں اپنے والدین کے ساتھ کراچی میں رہائش پذیر تھا اور وہیں تعلیم حاصل کر رہے تھے جبکہ اریسہ شاہ گاؤں کے مالک مختار پیر عنایت شاہ کی اکلوتی بیٹی تھی۔

میٹرک کے بعد پیر صاحب نے اریسہ کا رشتہ ساتھ والے گاؤں کے زمیندار کے بیٹے زوار شاہ سے طے کر دیا، کہا جاتا ہے جہاں پابندیاں ہوں وہیں بغاوت کی تحریک جنم لیتی ہے، اریسہ شاہ کو بھی اسکول کے علاوہ کہیں اور جانے کی اجازت نہیں تھی بس کبھی کبھار ثریا اس سے ملنے حویلی آتی تھی اریسہ پڑھائی میں بہت اچھی بلکہ ذہین لڑکی تھی اور اسے مزید پڑھنے کا بھی شوق تھا مگر پیر عنایت شاہ نے اسے مزید پڑھائی کے لئے شہر بھیجنے سے انکار کر دیا تھا، ان کے نزدیک لڑکیوں کے لئے اتنی تعلیم ہی کافی تھی مگر اریسہ جو

مکمل ناول

کہ ماں باپ کی لاڈلی تھی ضد کر کے پرائیویٹ طور پر مزید تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند ہو چکی تھی، اس کے لئے ماسٹر علم دین کے بیٹے کو بطور ٹیوشن پڑھانے کے لئے کہا گیا تھا، ماسٹر علم دین کا بیٹا فاضل شہر سے بی اے کی تعلیم حاصل کر کے آیا تھا اور ان دنوں شہر میں اس نے اپنی جاب کے لئے درخواست دی ہوئی تھی، وہ گاؤں باپ سے ملنے اور چند دن ان کے ساتھ گزارنے آیا تھا۔

فاضل کی ماں کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہوا تھا اس لئے فاضل باپ پر زور دے رہا تھا کہ وہ گاؤں چھوڑ کے ان کے ساتھ چل کر شہر میں رہے اور ماسٹر علم دین نے بھی اس بار بیٹے سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر اسے شہر میں اچھی نوکری مل گئی تو پھر وہ اس کے ساتھ رہیں گے لیکن فی الحال نوکری ملنے کے آثار نہیں تھے اس لئے ماسٹر صاحب نے پیر صاحب کی درخواست پر اریسہ کو پڑھائی میں تھوڑی بہت مدد دینے کے لئے فاضل کو راضی کر لیا تھا حالانکہ اریسہ ذہین لڑکی تھی اسے ٹیوشن کی ضرورت نہیں تھی مگر میٹرک تک بات اور تھی بڑی کلاس کے مضامین اور ان کی پرائیویٹ گھر بیٹھ کے تیاری کے سلسلے میں اریسہ کو تھوڑی بہت رہنمائی کی ضرورت تھی اس لئے فاضل اسے روزانہ شام چار بجے ایک گھنٹہ پڑھانے لگا تھا اور اسی دوران دونوں کے درمیان نجانے کب چپکے سے محبت کا نازک رشتہ بندھ گیا تھا، دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے پسندیدگی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے مگر دونوں اظہار میں پہل کرنے سے ڈر رہے تھے۔

ابھی وہ ایک دوسرے سے اپنے اپنے دل کا حال بھی کہہ نہیں پائے تھے کہ زوار شاہ کے گھر والوں نے شادی پر زور دینا شروع کر دیا تھا اور اسی دوران اتفاق سے فاضل کے لئے شہر سے انٹرویو کال آ گئی تھی اور وہ سب کچھ چھوڑ کے شہر چلا گیا تھا تاکہ اگر اسے جاب مل جائے تو وہ باعزت طریقے سے پیر صاحب سے اریسہ کا رشتہ مانگ لے کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اکلوتی بیٹی کی محبت میں پیر عنایت شاہ اس کی خواہش مان لیں گے۔

اریسہ کے امتحان ہونے والے تھے اور دوسری طرف گھر میں اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اس نے اپنی عزیز ترین سہیلی جو اس کی رازداں بھی تھی اس کے ذریعے فاضل کو شہر اطلاع دی کہ وہ جلد از جلد گاؤں آ جائے تاکہ وہ سوچ سکیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے اریسہ نے ثریا سے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر بابا راضی نہ ہوئے تو وہ خاموشی سے فاضل کے ساتھ شہر جا کے کورٹ میرج کر لے گی اس کی بات سن کر ثریا۔ نے جو کہ اپنی عمر سے زیادہ سمجھدار لڑکی تھی اریسہ کو سمجھایا تھا اس کے اس اقدام سے پیر صاحب کو بہت ملال ہوگا اور گاؤں میں ان کی بہت بے عزتی ہوگی اور اریسہ کے بھائی تو ہوسکتا ہے فاضل کو اریسہ سمیت قتل کر دیں، مگر اریسہ پر فاضل کی محبت کا ایسا خمار چڑھا تھا کہ وہ ہر قسم کے انجام سے انجان بن گئی تھی۔

فاضل کو شہر میں جاب مل گئی تھی اور وہ یہ خبر باپ اور اریسہ کو سنانے آیا تھا جب ہی ثریا نے اسے تمام حقیقت سے آگاہ کیا تھا اور اریسہ کی کیا خواہش تھی یہ بھی بتا دیا تھا فاضل نے بھی اریسہ کی تائید کی تھی شاید اسے احساس نہیں تھا کہ پیر صاحب جیسے بڑے اثر و رسوخ والے زمیندار کے لئے کچھ بھی کرنا ناممکن سا تھا وہ سمجھ رہا تھا شہر پہنچ کر وہ محفوظ ہو جائیں گے اور کچھ عرصہ روپوش رہنے کے بعد سب کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو وہ

لوگ انہیں معاف کر دیں گے مگر یہ اس کی خام خیالی تھی، یہ وڈیرے، زمیندار اور سردار اپنی عزت کی خاطر لوگوں کی نسلیں تک تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور پھر نسل در نسل دشمنیاں پالتے ہیں۔

حویلی میں ماتم برپا تھا، اریسہ حویلی سے غائب تھی مگر سوائے ثریا کے گاؤں کے کسی فرد کو اس کی خبر نہیں تھی کہ اریسہ کہاں گئی ہوگی اس لئے پیر عنایت شاہ نے پہلی فرصت میں ثریا کو حویلی بلوا کے اچھی طرح پوچھ گچھ کی تھی کیونکہ وہ اریسہ کی واحد سہیلی تھی، بڑی نرمی سے ثریا نے انہوں نے ساری بات اگلوالی تھی اور پھر اسے اس بات کا گاؤں میں کسی سے ذکر نہ کرنے کی تاکید کے ساتھ واپس گھر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

فاضل نے شہر جا کر ایک دوست کے گھر کچھ دن قیام کیا اور وہیں اس کا نکاح ہوا، فاضل نے صرف ایک ہفتہ میں شہر کے ایک نواحی اور گنجان آباد علاقے میں کرائے پر مکان حاصل کر لیا اور دونوں وہاں ہنسی خوشی رہنے لگے، مگر کبھی کبھی دونوں بہت خوفزدہ ہو جاتے تھے کہ نجانے گاؤں میں ان کی اس گمشدگی کے بعد کیا قیامت برپا ہوئی ہوگی اور انہیں یہاں ان کی موجودگی کا پتہ چل گیا تو نہ جانے وہ لوگ کیا کریں گے؟ فاضل اریسہ کو تسلی دے کر مطمئن کر دیتا تھا کہ یہ شہر ہے یہاں قانون کا راج چلتا ہے کوئی اندھیر نگری نہیں ہے کہ کوئی انہیں نقصان پہنچا سکے۔

افسر شاہ اور انصر شاہ شہر سے گاؤں آ گئے اور جب انہیں اریسہ اور فاضل کی ایسی حرکت کا علم ہوا تو وہ غضبناک ہو کر ہتھیاروں سے لیس ہو کر ماسٹر علم دین کے گھر پہنچے اور جب وہ باہر نکلے تو اسے کلاشنکوف سے چھلنی کر کے شہر کی طرف روانہ ہو گئے، ان کے سر پر خون سوار تھا اور وہ فاضل اور اریسہ کو بھی قتل کر دینا چاہتے تھے انہوں نے ان دونوں کو بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملے۔

دوسری طرف ماسٹر علم دین کے قتل کے اقدام میں دونوں پولیس کو مطلوب تھے، پولیس کے ڈر سے پیر صاحب نے افسر شاہ اور انصر شاہ کو بڑی راز داری سے بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے بہانے بھیج دیا تاکہ ماسٹر علم دین کے قتل کا معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے۔

ماسٹر علم دین کے سرعام بے دردی سے قتل کے بعد مولوی سلیمان شاہ نے فوری طور پر ثریا کی شادی کا فیصلہ کر لیا، صرف ایک مہینے کے اندر ثریا بیاہ کر شہر چلی آئی، دل میں یہ آس کے لئے شاید کہیں اس کی بچھڑی سہیلی مل جائے، اریسہ ثریا کو بہنوں کی طرح عزیز تھی وہ ہر وقت اس کی خیریت کی دعا کرتی رہتی تھی۔

وقت گزرتا رہا اور پھر ایک روز اچانک ثریا کی ملاقات اریسہ سے ایک محفل میلاد میں ملاقات ہو گئی، دونوں بچھڑی دوستیں ایک دوسرے سے مل کر آبدیدہ ہو گئیں، اریسہ نے اسے اپنا پتہ بتایا لیکن یہ تاکید بھی کی کہ وہ کسی کو نہیں بتائے گی اور ثریا نے وعدہ کر لیا تھا، ثریا کے اس وقت کے تین بچے تھے جبکہ اریسہ کی گود ابھی تک خالی تھی اس کے آنگن میں شادی کے پانچ سال گزر جانے کے باوجود کوئی پھول نہیں کھلا تھا۔

☆☆☆

افسر اور انصر شاہ ولایت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے وطن لوٹ آئے تھے مگر تعلیم نے ان کی ذہنوں پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا وہ آج بھی پست ذہنیت اور تنگ نظر انسانوں کی اس قسم سے تعلق رکھتے تھے جو کہیں بھی چلے جائیں کتنی بھی تعلیم حاصل کر لیں ان کی سوچ تبدیل نہیں ہوتی، سات سال گزر جانے کے بعد بھی اریسہ کی

بغاوت کے زخم کو بھلا نہیں پائے تھے اس کے اس اقدام کی وجہ سے گاؤں میں ان کی جو بے عزتی ہوئی وہ اسے بھولے نہیں تھے وہ یہ عہد کر چکے تھے کہ زندگی میں جب بھی موقع ملا اریسہ اور فاضل کو موت کے گھاٹ اتاریں گے۔

پاکستان آنے کے بعد سب سے پہلے کام انہوں نے یہی کیا تھا، گاؤں کے ایک شخص نے فاضل کو شہر میں دیکھا تھا اور حویلی میں خبر کر دی تھی لہٰذا افسر اور انصر شاہ نے اس بار اپنے خاص آدمیوں کو شہر بھیج کے فاضل اور اس کے گھر کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لی تھی۔

ایک روز اریسہ گھر میں اکیلی تھی پڑوسن اریسہ کی بیٹی کو جو کہ دو سال کی تھی اپنے گھر لے گئی تھی جبکہ فاضل آفس گیا ہوا تھا، دروازے پر دستک ہوئی، اریسہ نے دروازہ کھولا تو چار نقاب پوش تھے جن کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا انہوں نے اریسہ کو گولیوں سے چھلنی کر دیا، فائرنگ کی آواز سن کر محلے والوں نے بروقت اریسہ کو اسپتال پہنچا دیا اور وہیں تھوڑا سا ہوش آنے پر اسے پتہ چلا کہ فاضل کو بھی دفتر سے آتے ہوئے قتل کر دیا گیا ہے تو اس نے ڈاکٹر سے کہہ کر ثریا بیگم کو بلوایا تھا۔

خون بہت زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس کا بچنا بہت مشکل نظر آرہا تھا وہاں ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر نے ہمدردی اور انسانیت کے ناطے اریسہ کے بتائے ہوئے مطلوبہ ایڈریس پر بندے کو بھیج کر ثریا بیگم کو بلوالیا تھا۔

اریسہ نے دو سالہ ہدیٰ شاہ کو ان کے حوالے کر دیا اور یہ وعدہ لیا کہ وہ اسے اس کے ننھیال والوں کے عتاب سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی، دم توڑتی اریسہ کی آخری خواہش پوری کرنے کا ثریا بیگم نے وعدہ کیا تھا اس دن اریسہ ان کی توجہ کا خصوصی مرکز بن گئی اور اسے گھر لانے کے بعد ثریا نے احسان علوی کو ساری روداد سناتے ہوئے وعدہ لیا کہ وہ بھی اسے اپنی اولاد کی طرح پیار دیں گے۔

ثریا بیگم کی گود میں اس وقت سال بھر کی نویلہ موجود تھیں مگر وہ اس سے زیادہ ہدیٰ شاہ پر توجہ دیتی تھیں، ثریا کی دو بیٹیاں اور ایک ہی بیٹا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ وہ سب جوان ہوگئے اور ثریا بیگم بڑھاپے کی سیڑھی پر کھڑی تھی، چاروں بچوں کی کفالت اور شادی بیاہ کی فکریں ہمہ وقت انہیں پریشان رکھتی تھیں احسان علوی گورنمنٹ کے ملازم تھے تنہا چھ افراد کے کنبے کے معاشی بوجھ کو نہایت خوش دلی سے اٹھائے ہوئے تھے۔

☆☆☆

ثریا بیگم گھریلو اخراجات پورے کرتے کرتے پریشان ہو جاتی تھیں کہ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائیں یا ان کی شادیوں کے لئے پیسہ جوڑیں، وہ ہر مہینے کوشش کرتی کہ کچھ بچت ہو جائے۔

اکثر اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے پورا نہ ہونے پر شاہ زر کا نزلہ ہدیٰ پر گرتا تھا کیونکہ بچپن سے ہدیٰ شاہ اس کی نظروں میں خار کی طرح کھٹکتی تھی کیونکہ وہ ثریا بیگم کی محبت اور توجہ کا خصوصی مرکز تھی حالانکہ ثریا بیگم یہ سب خوف خدا اور عزیز ترین سہیلی کی واحد نشانی ہونے کی وجہ سے اس کا بے حد خیال رکھتی تھیں کہ کسی طرح اس کے دل آزاری نہ ہو کیونکہ وہ بن ماں باپ کی یتیم بچی صرف ان ہی کی محبتوں کی طالب تھی، اس کے اپنے تو اس سے شدید نفرت کرتے تھے اگر ان کو پتہ چل جاتا کہ وہ اریسہ کی نشانی کے طور پر اس دنیا میں موجود ہے تو وہ اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالتے۔

شاہ کا خیال تھا وہ رقم جوان کی ضروریات

زندگی کے لئے استعمال کی جاسکتی تھی وہ ہدایہ شاہ کی پڑھائی اور دیگر ضروریات پر خرچ ہو رہی تھی، دوسرے لفظوں میں وہ کھلے لفظوں میں یہ کہتا تھا کہ وہ اس گھر میں ان بہن بھائیوں کا حق مارنے آئی ہے، اسے ہمیشہ ثریا بیگم سے یہ گلا رہتا تھا کہ ثریا بیگم اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے اس سے اتنا پیار نہیں کرتیں اور اس کا اتنا خیال نہیں رکھتی ہیں جتنا وہ ہدیٰ شاہ سے کرتی ہیں اور اس کی ہر ضرورت بچپن سے لے کر آج تک پوری کرتی آئیں تھیں حتیٰ کہ وہ تمثیلہ اور نویلہ کی اشد ضرورت کو بھی نظر انداز کر دیتی تھیں اور یہی بات شاہ زر کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی تمثیلہ اور نویلہ کو بھی محسوس ہوتی تھی مگر اتنا عرصہ ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے انہیں ہدیٰ شاہ سے انسیت ہو گئی تھی وہ چاہتی بھی تو اس سے نفرت نہیں کر سکتی تھیں کہ وہ تھی ہی اتنی پیاری اور ہر ایک کا بے حد خیال رکھنے والی اس لئے تمثیلہ اور نویلہ جنہیں ثریا بیگم ہدیٰ کے والدین کے بارے میں سب کچھ بتا چکی تھیں سوائے اس ایک حقیقت کے جو صرف انہیں اور احسان علوی کو معلوم تھی کہ انہوں نے اس خوف سے کہ کہیں ہدیٰ کے ننھیال والوں کو اس کے بارے میں پتہ چل گیا تو وہ اسے بھی قتل کر دیں گے یا پھر اپنے ساتھ لے جائیں گے اس لئے ثریا بیگم نے بچپن ہی میں جب شاہ سات سال کا اور ہدیٰ شاہ چھ برس کی تھی دونوں کا نکاح کر دیا تھا۔

احسان علوی نے کافی معتبر گواہوں کی موجودگی میں قانونی کاغذات کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے مستقبل اور جان کو محفوظ کر دیا تھا مگر یہ حقیقت صرف ثریا بیگم اور احسان علوی کو معلوم تھی انہوں نے اب تک بچوں کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور خاص طور پر شاہ زر کو صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ ہدیٰ کے والدین بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

☆☆☆

''امی مجھے پانچ سو روپے کی ضرورت ہے پلیز کل تک ان روپوں کا ضرور بندوبست کر دیجئے گا میری عزت کا سوال ہے۔'' شاہ زر نے کالج سے آنے کے بعد ثریا بیگم سے کہا تھا۔

شاہ زر سارے بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ ذہین تھا، وہ میڈیکل لائن میں جانا چاہتا تھا، اسی لئے اس نے پری میڈیکل گروپ کا انتخاب کیا تھا اور پچھلے ہفتے اس کا فرسٹ ائیر کا رزلٹ آیا تھا اور اس نے پورے کالج میں اول پوزیشن لی تھی، پارٹ ون میں اس کے سب سے زیادہ مارکس تھے اور اگلے سال یقیناً وہ باآسانی فرسٹ ڈیژن بنا لیتا اسی خوشی میں اس کے کالج کے دوستوں نے اس سے ٹریٹ مانگی تھی۔

''دیکھو شاہ زر روپے کوئی درختوں پر نہیں لگے ہوتے ہیں جسے آسانی سے توڑ لیا جائے تمہارے ابو سارا مہینہ محنت کر کے بڑی مشکل سے چند ہزار کماتے ہیں اور ان کی آمدنی سے اس گھر کے اخراجات بڑی مشکل سے پورے ہوتے ہیں اس لئے میں تم لوگوں کی روز روز کی فرمائشیں پوری نہیں کر سکتی، ویسے بھی مہینے کی آخری تاریخیں چل رہی ہیں میرے پاس تمہاری فضول خرچیوں کے لئے روپے نہیں ہیں۔'' ثریا بیگم نے اسے ٹکا سا جواب دے دیا تھا جسے سن کر شاہ زر چراغ پا ہو گیا اور ہمیشہ کی طرح اس نے اپنا غصہ ہدیٰ شاہ کی ذات پر نکالا تھا آج پھر وہ اس کے منہ سے ادا ہونے والے کاٹ دار جملوں سے تختہ مشق بن رہی تھی۔

''ہاں...... ہاں آپ کے پاس میری ضرورتوں کے لئے روپے موجود کہاں ہوں گے

ہاں اپنی چہیتی لاڈلی ہدیٰ شاہ کی خواہشیں پوری کرنے کے لئے بہت پیسہ ہے مگر اپنی سگی اولاد پر ایک پھوٹی کوڑی خرچ کرتے ہوئے آپ کے سامنے مہینے کے اخراجات آ جاتے ہیں، اس نواب زادی کی ضرورت ہوتی تو فوراً نکال کر دے دیتی نجانے کیا جادو کر دیا ہے اس جادوگرنی نے پتا نہیں کہاں سے ہمارا حق مارنے آ گئی ہے؟"

شاہ زر نے صحن میں رکھے مونڈھے کو پیر سے ٹھوکر ماری اور بولتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا جبکہ ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ صحن کے ستون سے ٹیک لگائے کھڑی اس کے کاٹ دار لہجے کی دھار سے لہولہو ہو رہی تھی شاہ زر نے بھی اس کا اڑتا آنچل دیکھ لیا تھا اس لئے جان بوجھ کر ایسی باتیں بلند آواز میں کہہ کر غصے میں گھر سے نکل گیا تھا۔

اس کی آنکھوں کے گوشے گیلے ہو رہے تھے مگر اس نے آنکھوں میں جمع ہونے والے پانی کو بے دردی سے دوپٹے کے پلو سے رگڑ دیا تھا وہ کبھی کبھی سوچتی تھی کہ اگر وہ یہاں نہ ہوتی تو اس کی ذات پر خرچ ہونے والے روپوں سے شاہ زر اور تمثیلہ و نویلہ کی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں پوری ہو سکتی تھیں۔

چھٹی جماعت میں پڑھنے والی نویلہ کا بیگ کافی خستہ حالت میں تھا وہ ہر روز ثریا بیگم سے فرمائش کرتی کہ اگلے مہینے اسے نیا بیگ دلایا جائے کیونکہ اس کی کلاس کی لڑکیاں اب اس کا مذاق اڑانے لگی تھیں۔

تمثیلہ آپی کی کالج کی فیرویل پارٹی قریب آ رہی تھی انہیں نئے سوٹ کی ضرورت تھی ان سب کی ضرورتیں اس کی نظر میں تھیں اور وہ جانتی تھی کہ وہ اپنی معمولی معمولی چیزوں کے لئے مہینوں انتظار کیا کرتے تھے اس کا بس چلتا تو وہ کسی جادو کی چھڑی سے ان سب کی تمام خواہشیں ایک ساتھ پوری کر دیتی مگر وہ فی الحال اس قابل نہیں تھی البتہ آج اس نے یہ ضرور طے کر لیا تھا آئندہ سے وہ ٹیوشن پڑھائے گی اور کم از کم اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کی کوشش کرے گی تاکہ اس کی وجہ سے ان بیچاروں کا حق مارا نہ جائے شاہ زر تو اپنی دل کی بھڑاس ہدیٰ شاہ کو برا بھلا کہہ کر نکال لیتا تھا مگر تمثیلہ اور نویلہ تو ایسا کچھ نہیں کرتی تھیں بلکہ شاہ زر ہی کی طرف سے اس سے معذرت کرتی تھیں کہ وہ غصے کا تیز ہے مگر دل کا برا ہرگز نہیں ہے آخر وہ ان کا اکلوتا بھائی تھا۔

اگلے دن سے اس نے محلے کی چند لڑکیوں سے بات کر لی تھی جو اسی روز سے شام کو اس کے پاس ٹیوشن کے لئے آنے لگی تھیں اور ثریا بیگم کے ساتھ ساتھ احسان علوی کو بھی اس روز بڑی شرمندگی محسوس ہوئی تھی جب ہدیٰ شاہ نے ان سے یہ کہہ کر ٹیوشن پڑھانے کی اجازت مانگی تھی کہ جب بچے بڑے ہو جائیں تو انہیں ماں باپ کی معاشی مشکلات و اخراجات میں اضافہ کرنے کی بجائے اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے ان کے معاشی بوجھ کو کم کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے تاکہ آمدنی میں اضافہ ہو سکے یہ نہ ہو کہ ایک فرد کمائے اور باقی گھر کے افراد بیٹھ کر کھائیں، اس کمر توڑ مہنگائی کے دور میں گھر کے ہر فرد کو حسب استطاعت گھریلو اخراجات میں توازن قائم رکھنے کے لئے اپنی اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔

ہدیٰ کی باتیں گو کہ نہایت سمجھداری اور عقل مندی کی تھیں اور انہوں نے اس کے خیالات کو سراہا بھی تھا کہ وہ اتنی متوازن سوچ کی مالک ہے مگر احسان علوی کا کہنا تھا کہ یہ سب ان کی ذمہ

داری ہے، ہدیٰ نے کسی نہ کسی طرح ثریا بیگم اور احسان علوی کو قائل کر ہی لیا تھا اور اس طرح ہدیٰ کی طرح تمثیلہ نے بھی نویں اور دسویں جماعت کی لڑکیوں کو ٹیوشن پڑھانی شروع کر دی تھی یہ اس کے بی اے کا آخری سال تھا اس کے بعد وہ اطمینان سے کسی پرائیویٹ اسکول میں جاب بھی کر سکتی تھی۔

☆☆☆

ہدیٰ شاہ کے اس طرز عمل اور خودداری کو ثریا بیگم نے شاہ زر کی ہر وقت کی الٹی سیدھی باتوں کو قرار دیا تھا کیونکہ ساری باتوں کا ذمہ دار وہ صرف اسے ہی ٹھہراتا تھا اور کبھی کبھی ہدیٰ کی ذات سے شاہ زر کی حد سے زیادہ تنفری وہ دیکھ کر وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی تھیں کہ انہوں نے ہدیٰ کی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کر کے کوئی سنگین غلطی تو نہیں کر دی ہے کیونکہ اگر اس طرح شاہ زر ہدیٰ سے نفرت کرتا رہا تو آئندہ مستقبل میں یہ دونوں ایک نئے سفر کا آغاز خوشگوار ماحول میں کیسے کر سکتے تھے۔

شاہ زر تو اس کے نام سے بدکتا تھا انہوں نے تو ہدیٰ کے بہتر مستقبل اور اس کی جان کی حفاظت کے پیش نظر یہ اقدام کیا گیا مگر اس کا نتیجہ کیا نکلتا اس کے بارے میں سوچ کر وہ اکثر دہل جاتی تھیں مگر پھر سوچتی تھیں کہ ابھی شاہ زر ناتجربہ کار اور کم عمر ہے میچور ہوگا تو خود بخود مزاج سلجھتا چلا جائے گا ابھی تو کافی وقت پڑا تھا اس لئے وہ خود کو تسلی دے لیا کرتی تھیں۔

شاہ زر تو پہلے ہی اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے ٹیوشن پڑھاتا تھا اور سب جانتے تھے وہ اپنی کسی ضرورت کے لئے بہت کم ہی ماں باپ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا تھا کبھی کبھار اسے ضرورت آن ہی پڑتی تھی ثریا بیگم کو بعد میں افسوس ہوا تھا کہ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور اکلوتے بیٹوں کے لئے تو مائیں جان ایک کر کے رکھ دیتی ہیں انہیں ہاتھ کا چھالا بنا کر بھی انہیں شاہ زر کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا احساس ہوتا تھا اور بڑی شدت سے ہوتا تھا تو وہ اسے پیار سے سمجھاتی تھیں چھوٹے سے بچے کی طرح اس کا سر اپنی گود میں رکھ کے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے آہستہ آہستہ گھر کے مسائل سامنے رکھتے ہوئے اپنے انکار کی وجہ بتاتی تو وہ خود ہی شرمندہ ہو جاتا تھا اور پھر سے اپنی رویے کی معافی مانگ لیتا تھا مگر آج تک اس نے ہدیٰ شاہ سے معذرت کا ایک لفظ تک نہیں کہا تھا حالانکہ اس وقت وہ صرف اور صرف ہدیٰ کی ذات ہی کو تنقید کا نشانہ بنایا کرتا تھا اور وہ بیچاری خاموشی سے سنتی رہتی تھی ایک لفظ بھی نہ کہتی تھی پھر بھی شاہ زر کو اس کے ساتھ اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

ہدیٰ میٹرک میں تھی اور شاہ زر انٹر میں تھا وہ اپنے پیپرز کی تیاری کے ساتھ ساتھ رات دیر تک ٹیوشن بھی پڑھایا کرتا تھا، آج بھی وہ رات دس بجے ٹیوشن پڑھا کے لوٹا تھا، رات کو کھانا سب نو بجے ہی کھا کے اپنے اپنے کمروں میں بند ہو جاتے تھے کیونکہ غضب کی سردی پڑ رہی تھی اور پھر تقریباً ان تینوں ہی کے امتحانات نزدیک تھے تمثیلہ اور ہدیٰ رات کو اطمینان سے پڑھائی تھیں اس لئے خود پڑھنے کا وقت انہیں رات ہی کو میسر آتا تھا لہٰذا دونوں روزانہ رات دس بجے سے بارہ بجے تک پڑھتی تھیں جبکہ چھوٹی نویلہ جلد ہی سو جاتی تھی۔

وہ تینوں ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں جبکہ شاہ زر کا کمرہ علیحدہ تھا اور ایک کمرہ ثریا بیگم اور احسان علوی کے استعمال میں تھا۔

تمثیلہ کے سر میں درد تھا اس لئے وہ آج

ی سوگئی تھی جبکہ ہدیٰ نے ابھی کتابیں نکال کر
نا شروع کیا تھا جب ہی دروازے کی بیل بجی
یقیناً شاہ زر ٹیوشن پڑھا کے لوٹا ہوگا وہ دل
سوچتی ہوئی دروازہ کھولنے اٹھی اور کھانا بھی
ے ہی گرم کرکے دینا تھا۔

''کیا گھوڑے بیچ کر سو رہی تھیں اتنی دیر
سردی میں کھڑا ٹھٹھر رہا ہوں اور یہاں لوگ
م کمروں میں عیش کررہے ہیں۔''

اس کی صورت پر نظر پڑتے ہی شاہ زر نے
کے تیر چلائے، جانے اسے ستا کر اسے کیوں
آتا تھا اور اس کے بعد اس کے چہرے پر
ں یا شرمندگی کے بجائے بڑا گہرا اطمینان جھلکتا
ر آتا تھا، شاید اس طرح وہ اپنے اندر کے غبار کو
نکالا کرتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہدایہ شاہ نے
کو مجرم سمجھتے ہوئے اس کی ہر ناجائز بات اور
ام کو خاموشی سے برداشت کیا تھا اسی لئے شاہ
کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔

وہ اس کی باتوں کو نظر انداز کرتی ہوئی کچن
ں آ گئی اور شاہ زر اپنے کمرے میں چلا گیا،
ٹیاں وہ اسی وقت گرم گرم پکا رہی تھی کیونکہ شام
ں روٹیاں اور برتنوں کی صفائی کرنے کی ذمہ
ری اس کی تھی اور سردی کی وجہ سے پہلے ہی پکی
ئی روٹیاں سوکھ کر پاپڑ بن جاتی تھیں اس لئے
ی روزانہ اس کے آنے کے بعد روٹیاں پکاتی
ں تمثیلہ یا ثریا بیگم اسے کھانا گرم کرکے دے
تی تھیں۔

''یہاں میرا بھوک سے دم نکل رہا ہے اور
یارا کھانا ابھی تک گرم نہیں ہوسکا ہے کیا بیربل
ں کھچڑی پکا رہی ہو؟''

شاہ زر بڑبڑاتا ہوا وہیں کچن میں آ گیا اور
سے توے پر روٹی ڈالتا دیکھ کر وہیں موجود پیڑھی
بیٹھ گیا، گرم گرم روٹیاں دیکھ کر اس کی بھوک
چمک گئی اور کچن میں آگ جلنے کی وجہ سے سردی
کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔

ہدیٰ نے کھانے کی ٹرے اس کے آگے کر
دی، ایک دو تین پوری چار روٹیاں وہ کھا چکا تھا
اور تیسری روٹی پر اس نے مجبوراً صبح ناشتے کے
لئے بچایا ہوا سالن نکال کر اس کی خالی ہوتی پلیٹ
میں ڈالا، چوتھی روٹی توے پر ڈالتے ہوئے اسے
بے ساختہ ہنسی آ گئی کیونکہ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ
آج شاہ زر کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ معمول سے کچھ
زیادہ ہی کھانا کھا چکا تھا۔

روٹی پکاتے ہوئے اس کی نازک گوری
گوری کلائیوں میں پڑی سیاہ کلر کی چوڑیاں بار
بار کھنک رہی تھیں اور دور تک پھیلے سرد سناٹوں
میں اس کی کھنکتی چوڑیوں کی جلترنگ بڑا دلکش تاثر
پیدا کررہی تھی۔

سامنے جلتے چولہے کی حدت سے ہدیٰ کا
چہرہ گلابی ہو رہا تھا اور سایہ بالوں کی چند شریر لٹیں
اس کے صبیح چہرے پر پڑی اس کے حسین چہرے
کی دلکشی میں اضافہ کررہی تھیں، روٹی پکنے کے
انتظار میں شاہ زر ہاتھ روکے بیٹھا تھا جب ہی
بے اختیار اس کی نظر بے خبر مگن سی ہدیٰ شاہ پر
پڑی اور ایک لمحے کے لئے وہ ٹھٹک کے رہ گیا،
اس کی نظریں ہدیٰ کے چہرے کی دلکشی اور
معصومیت پر ٹھہر سی گئیں، آج شاید پہلی بار وہ
اسے اتنے نزدیک سے بغور دیکھ رہا تھا، اس کا
شمار یقیناً حسین لڑکیوں میں کیا جا سکتا تھا، سفید
اجلی اجلی چاندنی جیسی دودھیا رنگت، سیاہ گہری
چمکدار آنکھیں عنابی ہونٹ، متناسب قد و قامت
اور دراز قد پر سیاہ گھنے لمبے بالوں کی کمر تک جھولتی
چوٹی وہ بخود اس کے سراپا کا جائزہ لے رہا تھا،
اس کی نگاہوں کی تپش کو محسوس کرکے ہدیٰ نے
روٹی چنگیر میں رکھتے ہوئے باہر کی طرف قدم

بڑھانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"سنو ایک کپ چائے بھی بنا دو سر میں بہت شدید درد ہو رہا ہے۔"
شاہ زر نے پہلی بار تحکم بھرا لہجہ نہیں اپنایا تھا بلکہ عام سے انداز میں ایک طرح سے گزارش کی تھی اور ہدیٰ نے بڑی حیرانگی سے اس کے لہجے کی نرمی کو محسوس کیا تھا اور خاموشی سے دوبارہ کچن میں پلٹ آئی، وہ تقریباً چائے کپ میں نکال ہی رہی تھی جب وہ ہاتھ دھو کر اپنے کمرے میں واپس جا چکا تھا۔
وہ اس کی موجودگی میں آج پہلی بار اس کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی، اس لئے گھبراہٹ کی وجہ سے اسے ٹھوکر لگی تھی اور گرم گرم چائے باوجود کوشش کے وہ گرنے سے بچا نہیں پائی تھی اور پوری چائے اس کی آدھی سے زیادہ کلائی پر گر گئی تھی۔
جلن اور سرخ ہوتی کلائی میں تکلیف کی وجہ سے اس کے منہ سے سی......سی کی آواز نکلی اور وہ ہاتھ پکڑ کے وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئی، شاہ زر جو اپنے بیڈ پر آنکھوں میں دونوں ہاتھ رکھے لیٹا ہوا تھا پیالی گرنے کی آواز پر چونک اٹھا اور اسے برا بھلا یا کوئی سخت جملہ کہنے کی بجائے تیزی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔
شاہ زر واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں برنال تھی جسے ہاتھ میں تھامے وہ وہیں زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔
"دکھاؤ ادھر اپنا ہاتھ ورنہ چھالے پڑ جائیں گے۔"
شاہ زر نے اس کی جلی ہوئی کلائی ہاتھ میں تھامتے ہوئے ٹیوب سے کریم نکال کر انگلیوں کی پوروں سے نہایت آہستگی سے اس کی کلائی پر لگانی شروع کر دی اور وہ بت بنی اسے پہلے بار مسیحا کے روپ میں ایک ٹک دیکھ رہی تھی اور پھر اس کے متوجہ ہونے پر جلدی سے سیاہ لمبی پلکوں کی جھالر گراتے ہوئے سر بھی مزید جھکا لیا تھا۔
"جاؤ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو اپنے لئے میں دوسری چائے خود بنا لوں گا۔"
شاہ زر نے اس کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑتے ہوئے کہا اور ہدیٰ نے بھیگی بھیگی پلکیں اٹھا کر ایک بار پھر شاہ زر کے چہرے کی طرف دیکھا شاید کوئی سختی یا تناؤ کی کیفیت نظر آ جائے مگر وہاں عجیب بے چینی کے تاثرات تھے۔
شاہ زر نے بھی اسی لمحے اس کی طرف دیکھا تھا، اس کی خوبصورت سیاہ آنکھوں میں تشکر کے جذبات بڑے واضح لکھے نظر آ رہے تھے جانے ان آنکھوں کی گہرائی میں کیا تھا کہ وہ دوسرے لمحے رخ موڑ گیا تھا اور ہدیٰ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔
"کاش! تم ہمیشہ اسی طرح مہربان اور پرسکون رہو تو کتنا اچھا ہو کیونکہ اس طرح تم اپنے پہلے والے اسٹائل سے زیادہ اچھے لگتے ہو۔" ہدیٰ نے اپنے پلنگ پر لیٹتے ہوئے شاہ زر کے بارے میں سوچتے ہوئے خود سے ہم کلامی کرتے ہوئے کہا تھا۔
آج پہلی بار وہ بھڑکتا ہوا شعلہ صفت انسان انتہائی غصیلا اور اکھڑ انسان اتنی مہربانی سے پیش آیا تھا کہ وہ جو اس کے قہر آلود رویے اور غضبناک لہجوں کی عادی تھی اس کی بدلتی روش پر اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی، شاہ زر کے بارے میں سوچتے سوچتے نجانے کب وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔
اگلے چند دنوں تک وہ خاموش رہا اور فی الحال ایسی کوئی بات بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہدایہ پھر

سے اس کے عتاب کا نشانہ بنتی اس لئے گھر میں سکون و امن سی کیفیت والا ماحول تھا۔

☆☆☆

ہدیٰ کے امتحانات ہو رہے تھے اس لئے کچھ دنوں کے لئے تمثیلہ بچوں کو ٹیوشن پڑھانے لگی تھی جبکہ چند ماہ بعد شاہ زر کے بھی سیکنڈ ائیر فائنل کے ایگزامز ہونے والے تھے اور چونکہ اسے شروع سے ڈاکٹر بننے کا جنون کی حد تک شوق تھا اور اسی لئے وہ سخت محنت کر رہا تھا اور ذہین بھی تھا لہٰذا گھر والے اس کی اس خواہش کے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے مگر ان کے پاس اتنی استطاعت نہیں تھی کہ وہ میڈیکل کی مہنگی ترین پڑھائی کے اخراجات برداشت کرتے کیونکہ چاروں بچے ہی پڑھ رہے تھے اس لئے شاہ زر کا یہ خواب پورا ہونا مشکل ہی تھا۔

ان ہی دنوں تمثیلہ کے لئے ایک بہت اچھا رشتہ آ گیا، جسے ثریا بیگم اور احسان علوی نے قبول کر لیا کیونکہ لڑکا پڑھا لکھا تھا اور بینک میں اچھی پوسٹ پر جاب کر رہا تھا، لوگ بھی شریف اور اچھے تھے اس لئے یہ طے ہوا کہ چند ماہ بعد تمثیلہ کے بی اے فائنل کے ایگزامز کے بعد شادی کی تاریخ رکھی جائے گی، وہ لوگ اچھے خاصے معقول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے تمثیلہ جو کہ خوش قسمتی سے اچھی شکل وصورت کی مالک تھی سگھڑ اور سلیقہ مند بھی تھی اس لئے انہوں نے ان کی مالی پوزیشن کی کو اہمیت نہیں دی تھی، انہوں نے تو صرف گھر کا شریفانہ مہذب ماحول اور پڑھے لکھے فیملی کی حیثیت سے متاثر ہو کر یہاں اپنے بیٹے کا رشتہ کیا تھا اس لئے بڑے دنوں بعد سب گھر والے خوش وخرم اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔

ماں باپ کے انتقال کے بعد ثریا بیگم نے گاؤں والا مکان بیچ کر اس کی رقم بینک میں بچوں کی شادی کے لئے فکسڈ کروا دی تھی اس لئے وہ مطمئن تھیں کہ تمثیلہ کی شادی نہایت اچھے طریقے سے ہو سکتی تھی جبکہ نویلہ ابھی کافی چھوٹی تھی اور ہدیٰ تو ہمیشہ سے ان کی اپنی تھی اسے کون سا کہیں باہر جانا تھا رخصت ہو کر اسی گھر میں رہنا تھا رخصتی پر بڑے ارمانوں سے ہدیٰ کو رخصت کر کے اپنے گھر کی رونق میں اضافہ کرتیں کہ وہ تو شروع دن سے ان کی بہو تھی۔

☆☆☆

ہدیٰ نے میٹرک میں پورے شہر میں تیسری پوزیشن لی تھی لہٰذا اس کی خوشی میں گھر میں چھوٹی سی پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا سارے محلے والے اسے مبارکباد دینے آ رہے تھے، اس کی تمام دوستیں آئی ہوئی تھیں، ثریا بیگم نے اس کے لئے بہت خوبصورت جارجٹ اور نیٹ والا جدید فیشن کی تراش خراش والا سوٹ مع میچنگ شوز اور جیولری کے خرید کے دیا تھا اس لئے آج وہ بلیک اور ریڈ کے کلر والا سوٹ پہنے اور ساتھ میں بلیک اسٹیل کی اسٹائلش سی جیولری میں ہلکا سا میک اپ کئے دراز سیاہ بالوں کی پشت پر پھیلائے دل میں اتر جانے کی حد تک دلکش لگ رہی تھی، سارے مہمان آ گئے تھے اور شاہ زر کسی کام سے گھر سے باہر تھا۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو صحن کے پلر کے ساتھ ٹیک لگائے وہ اپنی کسی دوست سے باتیں کرنے میں مگن تھی اور شاہ زر کی نظریں بے اختیار اس کے وجود پر ٹھہر سی گئیں، اس سے پہلے کبھی وہ بھلا اس طرح تیاری کے ساتھ اس کے سامنے کب آئی تھی، چند لمحوں تک وہ اسے ایک ٹک یونہی دیکھتا رہا اور جیسے ہی اس کی نظروں کی تپش کو محسوس کرتے ہوئے ہدیٰ شاہ نے پلکیں اٹھا کر سامنے دیکھا تو شاہ زر تیزی سے آگے بڑھ

گیا۔

بچپن میں جب وہ اسے شاہ زر بھائی پکارا کرتی تھی تو ایک روز اس نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تھا کہ وہ صرف تمثیلہ نویلہ کا بھائی ہے اور اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے وہ اسے بھائی تو کیا کسی بھی حوالے سے مخاطب نہ کیا کریں لہٰذا اس روز سے وہ شاہ زر اور اس کے غصے سے ڈرنے لگی تھی اور اس سے بہت کم ہی مخاطب ہوئی تھی۔

چھوٹی سی تقریب تھی اس لئے جلد ہی اختتام پذیر ہوگئی تھی، ہدیٰ کی سہیلیاں اس کے لئے تحائف لائی تھیں، اس کی شاندار کامیابی پر گھر کے سب افراد بے حد مسرور نظر آرہے تھے، سوائے ایک شخص کے وہ شاہ زر تھا وہ صبح سے خاموش تھا اور سارا دن خاموش ہی رہا تھا اور بڑی خاموشی سے ان سب کو ہنستے مسکراتے اور قہقہے لگاتے دیکھ رہا تھا، اسے یاد تھا کہ پچھلے سال اس نے اپنے پورے کالج میں ٹاپ کیا تھا مگر اس کے اعزاز میں ایسی پارٹی کرنے کے اس کے گھر والوں کو توفیق نہیں ہوئی تھی اور وہ جوان کی کچھ نہ تھی نہ اس سے ان کا خون کا رشتہ تھا اس کی کامیابی اور خوشی کا اس کے والدین کو کتنا خیال تھا۔

یہ سوچ سوچ کر وہ ہرٹ ہو رہا تھا ہدیٰ کے لئے کچھ دن پہلے جو اس کے جذبات خود بخود نرم پڑ گئے تھے، آج پھر اس کے خلاف اس کی نفرت میں اُمڈتے چلے آرہے تھے، وہ برداشت کرنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہ رہا تھا کہ اچھا بھلا خوشگوار ماحول خراب ہو، اس نے کھانا بھی نہیں کھایا اور کسی دوسری چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا اس شور شرابے اور ہنگامے میں مصروف ان سب کو چھوڑ کے گھر سے باہر چلا گیا اور اس کی کمی کو اس کی غیر موجودگی کو کسی نے بڑی شدت سے محسوس کیا تھا دل و ذہن بار بار اس بے مروت اور سنگدل انسان کی طرف جا رہا تھا جس کے منہ سے اس کے لئے کبھی پھول نہیں جھڑے تھے جس نے کبھی خوشگوار موڈ میں اس سے دو گھڑی بات نہ کی تھی، وہ تو مسکراتا بھی شاید چھپ کر تھا جب ہی اس نے کبھی اسے گھر میں اچھے موڈ میں نہیں دیکھا تھا پھر بھی جانے کیوں وہ اس سے امید باندھ بیٹھی تھی کہ شاید سنگدل دل کٹھور انسان کو اپنے رویوں کی بدصورتی کا کسی روز احساس ہو جائے۔

آج سب نے اسے اس کی شاندار کامیابی پر مبارکباد دی تھی اور وہ جس کی زبان سے یہ پانچ حرفی لفظ مبارک سننے کی متمنی تھی وہ تو ہونٹوں کو شاید کبھی نہ جنبش دینے کے لئے قفل لگائے بیٹھا تھا۔

بالآخر رات گیارہ بجے تک اس کا انتظار کر کے سب نے کھانا کھا لیا تھا، وہ صحن میں بچھی دری پر بیٹھی سب گھر والوں کو اپنے گفٹ پیک کھول کر دکھا رہی تھی جب ہی شاہ زر نہایت خاموشی سے گھر میں داخل ہوا۔

''کہاں چلے گئے تھے تم گھر میں مہمانوں کو چھوڑ کے کتنی دیر تک تمہارا انتظار کرنے کے بعد ہم لوگوں نے ابھی ابھی کھانا کھایا ہے۔'' تمثیلہ جو دروازہ کھولنے اٹھی تھی اس کے پیچھے آتے ہوئے بولی۔

''مجھے ضروری کام تھا۔'' وہ کہہ کر اپنے کمرے میں بڑھ گیا۔

''اچھا میں کھانا گرم کر رہی ہوں پہلے کھانا کھا لو پھر اپنے کمرے میں جانا دیکھو ہدیٰ کو کتنے پیارے پیارے گفٹ ملے ہیں۔'' تمثیلہ نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

''مجھے کسی سے کوئی غرض نہیں ہے آپ لوگ

مل کر جشن منائیں میری تو ویسے بھی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہوگی، کھانے کے لئے زحمت مت کیجئے گا مجھے بھوک نہیں ہے۔'' شاہ زر نے حسب عادت جلے کٹے انداز میں کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھا، جب ہی ثریا بیگم کی آواز نے اسے مزید بڑھنے سے روک دیا۔

''آخر تم ہر وقت مرچیں کیوں چباتے رہتے ہو؟ بچی خوشی کا لحاظ بھی نہیں کیا ہے تم نے کہ اسے کم از کم مبارکباد ہی دے دو، کیا یہی تربیت کی ہے میں نے تمہاری، تمثیلہ کے سسرال والے بار بار تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے، آخر کس بات کا بدلہ لے رہے ہو تم ہم لوگو سے کیا قصور کیا ہے اس ہدیٰ نے تمہارا جو اس کی ہر خوشی تمہاری آنکھوں میں کھٹکتی ہے؟''

ثریا بیگم کو بھی غصہ آ گیا تھا اور وہ بغیر سوچے سمجھے بولتی چلی گئی تھیں۔

''میں کیوں مبارکباد دوں آپ لوگ کافی ہیں، آپ کو میری خوشیوں، میری کامیابیوں کا خیال تب نہیں آیا تھا جب میں نے بھی پوزیشن لی تھی میرے لئے پانچ سو روپے کی معمولی رقم آپ کے پاس سے نہ نکلی تھی اور غیروں پر یوں دولت لٹائی جا رہی ہے، جب آپ لوگوں کو میرے جذبات اور احساسات کا خیال نہیں ہے تو پھر میں کیوں آپ کی پروا میں خود کو خوار کروں۔''

شاہ زر نے پلٹ کر انہیں حقیقت کا آئینہ دکھایا اور پیر پٹختا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا اور دروازہ اندر سے لاکڈ کر لیا تھا، شاہ زر کی تمام باتیں درست تھیں اس لئے چند لمحوں کے لئے سب نے شرمندگی سے سر جھکا لیا تھا کہ واقعی وہ درست کہہ رہا تھا فرسٹ ائیر کے ایگزام میں اس نے پورے کالج میں ٹاپ کیا تھا مگر اس کی کامیابی کے اعزاز میں پارٹی ارینج کرنا تو دور کی بات ہے انہوں نے تو اسے چھوٹا موٹا گفٹ بھی دینے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی اور اپنی اس بے قدری اور بے وقعتی پر شاہ زر کو بے حد رنج ہوا تھا مگر پھر بھی وہ درگزر کر گیا تھا، ہدیٰ نے بھی شاہ زر کے غصے کے ڈر سے اسے پاس ہونے کی مبارکباد نہیں دی تھی حالانکہ اس نے اس کے لئے گفٹ بھی لے کر رکھا تھا مگر اس کے ساتویں آسمان پر رہنے والے مزاج کے خوف سے دے نہیں سکی تھی۔

''امی وہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ خود انصاف سے سوچیں ہمیں بھی اس کی کامیابی کو سیلیبریٹ کرنا چاہیے تھا اور پھر میں یہ بھی کہوں گی کہ وہ آپ کا اکلوتا بیٹا ہے اسے بھی آپ کی خصوصی توجہ اور لاڈ پیار کی ضرورت محسوس ہوتی ہو گی کیونکہ میں نے دیکھا ہے دنیا کی ہر ماں بیٹوں خاص طور پر اکلوتے بیٹے کو تو بڑے لاڈ پیار میں رکھتی ہیں وہ بھی آپ سے ایسے ہی سلوک کی توقع رکھتے ہوں گے، آپ تنہائی میں میری باتوں پر ضرور غور کیجئے گا آپ کو اپنے رویے میں کمی ضرور محسوس ہوگی، ہم لوگوں کو بھی ان کا اور ان کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں اور خوشیوں کا خیال رکھنا چاہیے شاہ زر بھائی کسی حد تک حق بجانب ہیں، ہم سب نے انہیں بری طرح نظر انداز کیا ہے، ابو بھی ہر وقت ان کو سرزش کرتے رہتے ہیں حالانکہ اگر دیکھا جائے تو شاہ زر بھائی اور لڑکوں کے مقابلے میں کافی ذمہ دار اور سمجھدار ہیں انہوں نے کبھی بھی آپ لوگوں سے بے جا ضد نہیں کی کوئی فرمائش نہیں کی جو آپ کی استطاعت سے باہر ہو کیونکہ وہ اپنے گھر کے حالات سے اچھی طرح واقف ہیں، اس عمر میں لڑکے کتنا لائف کو انجوائے کرتے ہیں مگر شاہ زر بھائی کو دیکھیں وقت سے پہلے ہی انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اپنے تعلیم

اخراجات کا زیادہ تر بوجھ خود ہی اٹھایا ہوا ہے، ہمیں ان سے بدگمان ہونے کے بجائے انہیں اوران کے جذبات کواہمیت دینی ہوگی انہیں سمجھنا ہوگا ورنہ وہ بدگمانیوں کی تہہ در تہہ جمتی گرد میں ہم سے بہت دور ہو جائیں گے۔''

ہدیٰ نے آج پہلی بار شاہ زر کے بارے میں بلکہ اس کی اچھی خاصی حمایت میں کافی لمبی چوڑی تقریر کرڈالی تھی حالانکہ درحقیقت اس نے اپنے ساتھ ساتھ ان سب کوبھی آئینہ دکھایا تھا کہ گھر کے تمام افراد ایک چھوٹے سے معاشرے کی طرح ہوتے ہیں اور اس معاشرے کے ماحول کو خوشگوار بنانا یا ناخوشگوار بنانے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اسی طرح گھر کے تمام افراد کے جذبات و احساسات اور ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے ساتھ ساتھ ان کے دکھ درد کو شیئر کرنے سے سب کو اپنی اہمیت اور قدر کا احساس ہوتا ہے ایسا ماحول ان کے گھر میں ناپید تھا جب ہی شاہ زر ماں باپ کی بے اعتنائی کا بدلہ اس کی ذات پر تنقید کر کے لیتا تھا۔

وہ غصے میں بھرا اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا جب ہی ہدیٰ کی آواز سن کر اس طرف متوجہ ہوگیا اور اپنے ذکر پر بڑے غور سے دروازے کے ساتھ لگ کر اس کی باتیں سننے لگا تھا، کیونکہ آج تک اس نے شاہ زر کی کسی تنقید یا بات کا جواب نہیں دیا تھا اور نہ ہی اس پر تبصرہ کیا تھا مگر آج اسے اپنی حمایت میں بولتے ہوئے بلکہ اپنے جذبات ہو احساسات کی صحیح ترجمانی کی تھی وہ ان سے نفرت نہیں کرتا تھا مگر ان سب کے بے گانہ رویوں نے اسے ان سب سے کبیدہ خاطر کر دیا تھا اور یہ ہمیشہ ہونٹوں پہ چپ کا قفل ڈالے رہنے والی لڑکی نے کب اور کیسے اس کے اندر تک کی سوچیں پڑھ لیں اور ان کا آج سب کے سامنے اظہار بھی کر دیا جبکہ وہ صرف لفظوں کے تیر چلا کر اپنے اندر کے نفس کو ٹھنڈا کر لیتا تھا جو ہر وقت اپنی بے وقعتی کے احساس پر کڑھتا رہتا تھا مگر اپنی ناراضگی کی اصل وجوہات کو ظاہر نہیں کر سکا تھا اور آج یہ کام ہدیٰ شاہ نے کر دیا تھا جو اس کی کوئی بھی نہیں تھی اور وہ جس کا ازلی دشمن تھا وہ اس کی ہمدردی میں اس کے حق میں بول رہی تھی۔

ہدیٰ کا باتوں کا ثریا بیگم اور احسان علوی پر خاطر خواہ اثر ہوا تھا بالخصوص ثریا بیگم کو یہ احساس بڑی شدت سے جاگا تھا کہ واقعی وہ ایک عرصے سے نہ صرف شاہ زر بلکہ اپنے تمام بچوں کو نظر انداز کرتی آئیں تھیں انہوں نے ہمیشہ اخراجات کی زیادتی اور پیسے کی کمی کا رونا رویا تھا اگر وہ چاہتی تو تھوڑی سی کوشش سے اپنے بچوں کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور خواہشوں کو آسودگی میں بدل سکتی تھیں اور کچھ نہیں تو اپنے رویے، اپنی محبت و پیار اور شفقت کے احساس سے انہیں ان کی ذات کی اہمیت و وقعت کا احساس دلا سکتی تھیں مگر آج تک انہوں نے گھر داری اور مہینہ پورا کرنے کے علاوہ کسی اور نتیجے پر سوچا ہی نہیں تھا۔

وہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں صرف میٹرک کرنے کے بعد ہی ان کی شادی ہوگئی تھی لہٰذا گھر داری اور بچوں میں مصروف ہو کر مزید پڑھنے کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں حالانکہ اریسہ شاہ کی طرح انہیں بھی آگے پڑھنے کا شوق تھا، مگر تعلیم کی اہمیت کا احساس انہیں آج ہدیٰ شاہ نے دلایا تھا۔

واقعی اگر وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتی تو نہ صرف اپنے بچوں کو نفسیات سمجھ سکتی تھیں بلکہ گھر کے معاشی بوجھ کو اٹھانے میں احسان علوی کی مدد بھی کر سکتی، تو آج اخراجات کی زیادتی، مہنگائی اور ضروریات زندگی کے پورا نہ ہونے کا عذاب سہنا

جلدی سوگئی تھی جبکہ ہدیٰ نے ا[illegible] پڑھنا شروع کیا تھا جب ہی دروازے کی بیل بجی تھی یقیناً شاہ زر ٹیوشن پڑھا کے لوٹا ہوگا وہ دل میں سوچتی ہوئی دروازہ کھولنے اٹھی اور کھانا بھی اسے ہی گرم کرکے دینا تھا۔

"کیا گھوڑے بیچ کر سو رہی تھیں اتنی دیر سے سردی میں کھڑا ٹھٹھر رہا ہوں اور یہاں لوگ گرم کمروں میں عیش کررہے ہیں۔"

اس کی صورت پر نظر پڑتے ہی شاہ زر نے طنز کے تیر چلائے، جانے اسے ستا کر اسے کیوں مزہ آتا تھا اور اس کے بعد اس کے چہرے پر ملال یا شرمندگی کے بجائے بڑا گہرا اطمینان جھلکتا نظر آتا تھا، شاید اس طرح وہ اپنے اندر کے غبار کو باہر نکالا کرتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہدایہ شاہ نے خود کو مجرم سمجھتے ہوئے اس کی ہر ناجائز بات اور الزام کو خاموشی سے برداشت کیا تھا اسی لئے شاہ زر کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔

وہ اس کی باتوں کو نظر انداز کرتی ہوئی کچن میں آگئی اور شاہ زر اپنے کمرے میں چلا گیا، روٹیاں وہ اسی وقت گرم گرم پکا رہی تھی کیونکہ شام کی روٹیاں اور برتنوں کی صفائی کرنے کی ذمہ داری اس کی تھی اور سردی کی وجہ سے پہلے ہی پکی ہوئی روٹیاں سوکھ کر پاپڑ بن جاتی تھیں اس لئے ہدیٰ روزانہ اس کے آنے کے بعد روٹیاں پکاتی تھی تمثیلہ یا ثریا بیگم اسے کھانا گرم کرکے دے دیتی تھیں۔

"یہاں میرا بھوک سے دم نکل رہا ہے اور تمہارا کھانا ابھی تک گرم نہیں ہوسکا ہے کیا بیربل کی کھچڑی پکا رہی ہو؟"

شاہ زر بڑبڑاتا ہوا وہیں کچن میں آگیا اور اسے توے پر روٹی ڈالتا دیکھ کر وہیں موجود پیڑھی پر بیٹھ گیا، گرم گرم روٹیاں دیکھ کر اس کی بھوک [illegible] کردی کا احساس بھی نہیں ہورہا تھا۔

ہدیٰ نے کھانے کی ٹرے اس کے آگے کر دی، ایک دو تین پوری چار روٹیاں وہ کھا چکا تھا اور تیسری روٹی پر اس نے مجبوراً صبح ناشتے کے لئے بچایا ہوا سالن نکال کر اس کی خالی ہوتی پلیٹ میں ڈالا، چوتھی روٹی توے پر ڈالتے ہوئے اسے بے ساختہ ہنسی آگئی کیونکہ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ آج شاہ زر کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ معمول سے کچھ زیادہ ہی کھانا کھا چکا تھا۔

روٹی پکاتے ہوئے اس کی نازک گوری گوری کلائیوں میں پڑی سیاہ کلر کی چوڑیاں بار بار کھنک رہی تھیں اور دور تک پھیلے سرد سناٹوں میں اس کی کھنکتی چوڑیوں کی جلترنگ بڑا دلکش تاثر پیدا کررہی تھی۔

سامنے جلتے چولہے کی حدت سے ہدیٰ کا چہرہ گلابی ہورہا تھا اور سایہ بالوں کی چند شریر لٹیں اس کے صبیح چہرے پر پڑی اس کے حسین چہرے کی دلکشی میں اضافہ کررہی تھیں، روٹی پکنے کے انتظار میں شاہ زر ہاتھ روکے بیٹھا تھا جب ہی بے اختیار اس کی نظر بے خبر مگن سی ہدیٰ شاہ پر پڑی اور ایک لمحے کے لئے وہ ٹھٹک کے رہ گیا، اس کی نظریں ہدیٰ کے چہرے کی دلکشی اور معصومیت پر ٹھہر سی گئیں، آج شاید پہلی بار وہ اسے اتنے نزدیک سے بغور دیکھ رہا تھا، اس کا شمار یقیناً حسین لڑکیوں میں کیا جاسکتا تھا، سفید اجلی اجلی چاندنی جیسی دودھیا رنگت، سیاہ گہری چمکدار آنکھیں عنابی ہونٹ، متناسب قد و قامت اور دراز قد پر سیاہ گھنے لمبے بالوں کی کمر تک جھولتی چوٹی وہ بخود اس کے سراپا کا جائزہ لے رہا تھا، اس کی نگاہوں کی تپش کو محسوس کرکے ہدیٰ نے روٹی چنگیر میں رکھتے ہوئے باہر کی طرف قدم

"سنو ایک کپ چائے بھی بنا دو سر میں بہت شدید درد ہورہا ہے۔"

شاہ زر نے پہلی بار تحکم بھرا لہجہ نہیں اپنایا تھا بلکہ عام سے انداز میں ایک طرح سے گزارش کی تھی اور ہدیٰ نے بڑی حیرانگی سے اس کے لہجے کی نرمی کو محسوس کیا تھا اور خاموشی سے دوبارہ کچن میں پلٹ آئی، وہ تقریباً چائے کپ میں نکال ہی رہی تھی جب وہ ہاتھ دھو کر اپنے کمرے میں واپس جاچکا تھا۔

وہ اس کی موجودگی میں آج پہلی بار اس کے کمرے میں داخل ہورہی تھی، اس لئے گھبراہٹ کی وجہ سے اسے ٹھوکر لگی تھی اور گرم گرم چائے باوجود کوشش کے وہ گرنے سے بچا نہیں پائی تھی اور پوری چائے اس کی آدھی سے زیادہ کلائی پر گرگئی تھی۔

جلن اور سرخ ہوتی کلائی میں تکلیف کی وجہ سے اس کے منہ سے سی...... سی کی آواز نکلی اور وہ ہاتھ پکڑ کے وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئی، شاہ زر جو اپنے بیڈ پر آنکھوں میں دونوں ہاتھ رکھے لیٹا ہوا تھا پیالی گرنے کی آواز پر چونک اٹھا اور اسے برا بھلا یا کوئی سخت جملہ کہنے کی بجائے تیزی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

شاہ زر واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں برنال تھی جسے ہاتھ میں تھامے وہ وہیں زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"دکھاؤ ادھر اپنا ہاتھ ورنہ چھالے پڑ جائیں گے۔"

شاہ زر نے اس کی جلی ہوئی کلائی ہاتھ میں تھامتے ہوئے ٹیوب سے کریم نکال کر انگلیوں کی پوروں سے نہایت آہستگی سے اس کی کلائی پر لگانی شروع کردی اور وہ بت بنی اسے پہلے بار روپ میں ایک ٹک دیکھ رہی تھی اور پھر اس کے متوجہ ہونے پر جلدی سے سیاہ لمبی پلکوں کی جھالر گراتے ہوئے سر بھی مزید جھکالیا تھا۔

"جاؤ اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو اپنے لئے میں دوسری چائے خود بنالوں گا۔"

شاہ زر نے اس کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑتے ہوئے کہا اور ہدیٰ نے بھیگی بھیگی پلکیں اٹھا کر ایک بار پھر شاہ زر کے چہرے کی طرف دیکھا شاید کوئی سختی یا تناؤ کی کیفیت نظر آجائے مگر وہاں عجیب بے چینی کے تاثرات تھے۔

شاہ زر نے بھی اسی لمحے اس کی طرف دیکھا تھا، اس کی خوبصورت سیاہ آنکھوں میں تشکر کے جذبات بڑے واضح لکھے نظر آرہے تھے جانے ان آنکھوں کی گہرائی میں کیا تھا کہ وہ دوسرے لمحے رخ موڑ گیا تھا اور ہدیٰ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

"کاش! تم ہمیشہ اسی طرح مہربان اور پرسکون رہو تو کتنا اچھا ہو کیونکہ اس طرح تم اپنے پہلے والے اسٹائل سے زیادہ اچھے لگتے ہو۔" ہدیٰ نے اپنے پلنگ پر لیٹتے ہوئے شاہ زر کے بارے میں سوچتے ہوئے خود سے ہم کلامی کرتے ہوئے کہا تھا۔

آج پہلی بار وہ بھڑکتا ہوا شعلہ صفت انسان انتہائی غصیلا اور اکھڑ انسان اتنی مہربانی سے پیش آیا تھا کہ وہ جو اس کے قہر آلود رویے اور غضبناک لہجوں کی عادی تھی اس کی بدلتی روش پر اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوگئی تھی، شاہ زر کے بارے میں سوچتے سوچتے نجانے کب وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔

اگلے چند دنوں تک وہ خاموش رہا اور فی الحال ایسی کوئی بات بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہدایہ پھر

بڑھانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''سنو ایک کپ چائے بھی بنا دو سر میں بہت شدید درد ہو رہا ہے۔''
شاہ زر نے پہلی بار تحکم بھرا لہجہ نہیں اپنایا تھا بلکہ عام سے انداز میں ایک طرح سے گزارش کی تھی اور ہدیٰ نے بڑی حیرانگی سے اس کے لہجے کی نرمی کو محسوس کیا تھا اور خاموشی سے دوبارہ کچن میں پلٹ آئی، وہ تقریباً چائے کپ میں نکال ہی رہی تھی جب وہ ہاتھ دھو کر اپنے کمرے میں واپس جا چکا تھا۔
وہ اس کی موجودگی میں آج پہلی بار اس کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی، اس لئے گھبراہٹ کی وجہ سے اسے ٹھوکر لگی تھی اور گرم گرم چائے باوجود کوشش کے وہ گرنے سے بچا نہیں پائی تھی اور پوری چائے اس کی آدھی سے زیادہ کلائی پر گر گئی تھی۔
جلن اور سرخ ہوتی کلائی میں تکلیف کی وجہ سے اس کے منہ سے سی......سی کی آواز نکلی اور وہ ہاتھ پکڑ کے وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئی، شاہ زر جو اپنے بیڈ پر آنکھوں میں دونوں ہاتھ رکھے لیٹا ہوا تھا پیالی گرنے کی آواز پر چونک اٹھا اور اسے برا بھلا یا کوئی سخت جملہ کہنے کی بجائے تیزی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔
شاہ زر واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں برنال تھی جسے ہاتھ میں تھامے وہ وہیں زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔
''دکھاؤ ادھر اپنا ہاتھ ورنہ چھالے پڑ جائیں گے۔''
شاہ زر نے اس کی جلی ہوئی کلائی ہاتھ میں تھامتے ہوئے ٹیوب سے کریم نکال کر انگلیوں کی پوروں سے نہایت آہستگی سے اس کی کلائی پر لگانی شروع کر دی اور وہ بت بنی اسے پہلے بار مسیحا کے روپ میں ایک ٹک دیکھ رہی تھی اور پھر اس کے متوجہ ہونے پر جلدی سے سیاہ لمبی پلکوں کی جھالر گراتے ہوئے سر بھی مزید جھکا لیا تھا۔
''جاؤ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو اپنے لئے میں دوسری چائے خود بنا لوں گا۔''
شاہ زر نے اس کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑتے ہوئے کہا اور ہدیٰ نے بھیگی بھیگی پلکیں اٹھا کر ایک بار پھر شاہ زر کے چہرے کی طرف دیکھا شاید کوئی سختی یا تناؤ کی کیفیت نظر آ جائے مگر وہاں عجیب بے چینی کے تاثرات تھے۔
شاہ زر نے بھی اسی لمحے اس کی طرف دیکھا تھا، اس کی خوبصورت سیاہ آنکھوں میں تشکر کے جذبات بڑے واضح لکھے نظر آ رہے تھے جانے ان آنکھوں کی گہرائی میں کیا تھا کہ وہ دوسرے لمحے رخ موڑ گیا تھا اور ہدیٰ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔
''کاش! تم ہمیشہ اسی طرح مہربان اور پرسکون رہو تو کتنا اچھا ہو کیونکہ اس طرح تم اپنے پہلے والے اسٹائل سے زیادہ اچھے لگتے ہو۔'' ہدیٰ نے اپنے پلنگ پر لیٹتے ہوئے شاہ زر کے بارے میں سوچتے ہوئے خود سے ہم کلامی کرتے ہوئے کہا تھا۔
آج پہلی بار وہ بھڑکتا ہوا شعلہ صفت انسان انتہائی غصیلا اور اکھڑ انسان اتنی مہربانی سے پیش آیا تھا کہ وہ جو اس کے قہر آلود رویے اور غضبناک لہجوں کی عادی تھی اس کی بدلتی روش پر اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی، شاہ زر کے بارے میں سوچتے سوچتے نجانے کب وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔
اگلے چند دنوں تک وہ خاموش رہا اور فی الحال ایسی کوئی بات بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہدایہ پھر

نہیں پڑتا۔

واقعی اعلیٰ تعلیم اور ڈگری کبھی بیکار نہیں ہوتی کہ اسے محض کاغذ کا پرزہ سمجھ کر تالوں میں ڈال کے محفوظ کر دیا جائے، تعلیم ہر دور ہر برے وقت میں انسان کی مددگار ثابت ہوتی ہے۔

☆☆☆

ہدیٰ امتحانات سے فارغ ہوئی تھی اور اس کا رزلٹ بڑا شاندار آیا تھا اس لئے اس نے شہر کے بہترین کالج میں ایڈمیشن لیا مگر اس سلسلے میں اس نے تعلیمی اخراجات کا بوجھ ثریا بیگم اور احسان علوی پر نہیں ڈالا بلکہ اس نے ٹیوشن کے روپوں کو جمع کیا تھا اور وقت پڑتے ہی ایڈمیشن کے علاوہ کورس اور یونیفارم پر خرچ کیا تھا۔

ہدیٰ شاہ کی باتوں ہی کا اثر تھا کہ ثریا بیگم نے غیر محسوس طریقے سے شاہ زر کا خیال رکھنا اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو توجہ اور اہمیت دینی شروع کر دی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تمثیلہ، نویلہ اور ہدیٰ کا بھی پہلے سے زیادہ خیال رکھنے لگی تھیں اور جب سے تمثیلہ اور ہدیٰ نے ٹیوشن پڑھانی شروع کی تھی ثریا بیگم کو بھی مہینے پورا کرنے میں تنگی ای دشواری پیش نہیں آتی تھی بلکہ وہ بڑی سمجھداری سے کام لیتے ہوئے ہر مہینے کچھ رقم پس انداز کر رہی تھیں۔

چند دنوں میں گھر کا نقشہ ہی بدل گیا تھا، ماحول پہلے سے زیادہ خوشگوار ہو گیا تھا، شاہ زر بھی اب بات بات پر غصہ نہیں کرتا تھا اور فی الحال کافی دنوں سے اس نے ہدیٰ شاہ کو بھی تنقید کا نشانہ نہیں بنایا تھا۔

شاہ زر کے امتحانات ہو رہے تھے اس لئے وہ پڑھائی میں مصروف رہتا تھا اور بہت کم ہی گھر سے باہر جاتا تھا کیونکہ کچھ دنوں کے لئے اس نے ٹیوشن پڑھانی ترک کر دی تھی تا کہ اس کی پڑھائی کا حرج نہ ہو ڈاکٹر بننا اس کی زندگی کی اولین خواہش اور آنکھوں کا پہلا خواب تھا جسے پورا کرنے کے لئے وہ انتھک محنت کر رہا تھا۔

☆☆☆

''شاہ زر کے رویے کو دیکھ کر اکثر میں سوچتا ہوں ثریا کہ کہیں ہم دونوں نے غلط فیصلہ تو نہیں کیا ہے؟ کہیں بے صبری میں ہم سے ہدیٰ شاہ کے مستقبل کے سلسلے میں کوئی غلطی تو سرزد نہیں ہو گئی ہے؟ شاہ زر کا ہدیٰ کے ساتھ جو رویہ ہے تو آئندہ مستقبل میں ان دونوں کا نباہ کس طرح ہو گا؟ جہاں تک میرا مشاہدہ ہے مجھے محسوس ہوتا ہے بلکہ ہدیٰ کے لئے شاہ زر کے دل میں رتی بھر جگہ نہیں ہے، اگر اس نے ہمارے فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو کیا ہوگا؟''

احسان علوی نے دفتر کی فائل کو بند کر کے دراز میں رکھا اور آنکھوں پر سے عینک اتارنے کے بعد ثریا بیگم سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

''یہ بات تو اکثر میں بھی سوچتی ہوں کہ ہم نے ہدیٰ اور شاہ زر کے رشتے سے ان دونوں کو بے خبر رکھ کہ ٹھیک نہیں کیا ہے اگر وہ ایک دوسرے کے رشتے کے بارے میں جانتے تو شاید شاہ زر کا رویہ ایسا نہیں ہوتا، ہمیں چاہیے کہ ہم انہیں اس حقیقت سے آگاہ کر دیں تو بہتر ہو گا ایسا نہ ہو کہ بعد میں ہمیں پچھتانا پڑے اس طرح کم از کم شاہ زر کے رویے میں فرق تو آئے گا اور اسے اپنی ذمہ داری کا بھی احساس ہو گا۔'' ثریا بیگم نے احسان علوی کے خدشوں کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے تم کوئی مناسب موقع دیکھ کر دونوں کو اس حقیقت سے آگاہ کر دینا اب وہ دونوں سمجھدار ہیں اس بات کا یقیناً ان کی تعلیم پر کوئی اثر نہیں پڑے گا میں جانتا ہوں میرا بیٹا اور

بیٹی بہت ذہین ہیں اور انہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق ہے، مجھ یقین ہے وہ ایک روز معاشرے میں اپنا باعزت مقام بنا لیں گے۔'' احسان علوی نے بڑے پر اعتماد لہجے میں ثریا بیگم سے کہا، وہ سر ہلا کر رہ گئیں۔

☆☆☆

شاہ زر نے انٹر سائنس پری میڈیکل گروپ میں اپنے کالج میں ناصرف ٹاپ کیا تھا بلکہ بورڈ میں دوسری پوزیشن لے کر پاس ہوا تھا، اخبارات میں اس کی تصویر چھپی تھی اخبار والوں نے شاہ زر کا بھی مختصر انٹرویو کیا تھا جو کہ اخبار میں چھپا بھی تھا اور اس بار سب گھر والوں نے اسے کھلے دل سے مبارکباد دی تھی اور بالخصوص ثریا بیگم اور احسان علوی نے شاہ زر کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ انہیں اپنے بیٹے پر بہت فخر ہے کہ آج اس نے اپنی محنت و جانفشانی سے ان کا نام روشن کر دیا تھا، باقی سب گھر والوں نے بھی خوشی ومسرت کا بھرپور اظہار کیا تھا جبکہ ہدیٰ کے ساتھ جا کر تمثیلہ اور نویلہ نے شاہ زر کے لئے گفٹ بھی خریدے۔

شام کو احسان علوی مٹھائی لے کر آئے، لہٰذا سب نے ایک ساتھ چائے پی اور پھر ثریا بیگم اور احسان علوی نے شاہ زر کو ہزار ہزار روپے اپنی طرف سے انعام میں دیئے کہ وہ اپنی ضرورت کی کوئی شے خرید لے اس کے بعد باری باری تمثیلہ، ہدیٰ شاہ اور نویلہ نے اپنے اپنے گفٹ پیک اسے دیئے تھے ہدیٰ کی طرف سے دو گفٹ پیک دیکھ کر شاہ زر نے حیران اور سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''دراصل پچھلے سال بھی میں نے شاہ زر بھائی کے لئے ان کے پاس ہونے پر گفٹ خریدا تھا مگر ان کے غصے کی وجہ سے دینے کی ہمت نہیں ہوئی تھی اس لئے آج دونوں گفٹ ساتھ دے رہی ہوں۔'' ہدیٰ نے ڈرتے ڈرتے بتایا اور بے اختیار شاہ زر نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی۔

''ہدیٰ آپی آپ شاہ زر بھائی سے اتنا ڈرتی کیوں ہیں؟ میرے بھائی تو اتنے پیارے اور ہینڈسم ہیں۔''

نویلہ نے جو کہ شاہ زر کی کرسی کے ہتھے پر بڑے لاڈ سے بھائی کے گلے میں باہیں ڈالے بیٹھی تھی ہدیٰ کی بات سن کر زیر لب مسکرا دیئے تھے، شاہ زر کو ان سب کے ہنستے مسکراتے چہرے دیکھ کر بڑا اچھا لگ رہا تھا اور وہ ان کے درمیان بیٹھا ان کی باتیں اور تبصرے مسکراتے ہوئے سن رہا تھا۔

''ہاں تو تمہارے لئے پیارے اور ہینڈسم ہیں میرے لئے تو یہ کسی ڈریکولا سے کم نہیں ہیں ہر وقت مجھے برا بھلا کہتے رہتے ہیں۔'' ہدیٰ یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی کہ واقعی شاہ زر یہ بات سن کر ڈریکولا نہ بن جائے مگر خلاف توقع وہ ان سب کے ساتھ ہدیٰ کی کہی بات پر مسکرانے لگا تھا۔

''ہاں میاں اب کس مضمون میں بی ایس سی کرو گے؟'' احسان علوی نے شاہ زر سے مخاطب ہو کر پوچھا تھا جبکہ تمثیلہ اور نویلہ چائے کے برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئیں تھیں اور ثریا بیگم کسی کام سے اپنے کمرے میں گئی تھیں۔

''ابو یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا رات دن میں نے انتھک محنت اس لئے کی تھی کہ میں بی ایس سی کروں ہرگز نہیں مجھے صرف ڈاکٹر بننا ہے، میں میڈیکل میں ایڈمیشن لوں گا۔'' شاہ زر نے احسان علوی کی بات پر اپنے غم و غصے کو دباتے ہوئے بڑی تحمل سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

''دیکھو بیٹا تم نہیں جانتے ہو میڈیکل کی تعلیم کے حصول میں کتنے بھاری اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں اور پھر تمہاری بہن کی شادی بھی قریب ہے فی الحال گر میں تمہارے ایڈمیشن وغیرہ کا بندوبست کر بھی دوں تو بعد کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے تم جانتے ہو میڈیکل کی تعلیم کتنی مہنگی ہوتی ہے ہم غریب اسے افورڈ نہیں کر سکتے ہیں، تم بی ایس سی کے بعد ایم ایس سی کر لینا۔'' احسان علوی نے اپنی مجبوریوں کی داستان سنانے کے دھن میں بیٹے کی آنکھوں میں امید کے جگنو جلتے نہیں دیکھے تھے جوان کی مایوس کن باتوں سے بجھنے لگے تھے۔

''ابو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آہستہ آہستہ میں اپنے تعلیم اخراجات خود ہی اٹھالوں گا بلکہ مجھے اسکالرشپ بھی ملنی شروع ہو جائے گی بس فی الحال آپ میرے ایڈمیشن وغیرہ کے خرچ کے لئے روپوں کا بندوبست کر دیں، ابو میں ٹیوشن پھر سے پڑھانا شروع کر دوں گا اور آپ پر بوجھ ہرگز نہیں بنوں گا بس اس وقت آپ میری مدد کر دیں۔''

شاہ زر کے گڑگڑاتے لہجے کی بے چارگی کو محسوس کر کے ہدیٰ شاہ بھی بے چین ہو کر کمرے سے باہر آ گئی تھی اور ثریا بیگم بھی دروازے پر کھڑی ان باپ بیٹے کی گفتگو کو خاموشی سے ان رہی تھی۔

''بیٹا تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ہو ابھی تو کچھ دن پہلے میں نے دفتر سے لون لیا تھا تمثیلہ کی رسم کی ادائیگی میں جو اخراجات آئے تھے وہ ان ہی پیسوں سے کیئے گئے تھے اب اتنی جلدی میں دوبارہ کیسے دفتر سے لون لے سکتا ہوں؟ یہ ضروری تو نہیں بلکہ تم ڈاکٹر ہی بنو آخر بے شمار ڈاکٹر اس ملک میں ڈگریاں لئے بے روزگار پھر رہے ہیں ایک تمہارا اور اضافہ ہو جائے گا، آج کل کمپیوٹر کی تعلیم کی بڑی اہمیت ہے تم اس میں ڈپلومہ کر لو کم از کم جاب تو اچھی مل جائے گی۔'' احسان علوی نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

''ابو آپ کو اپنے اکلوتے بیٹے کی اولین خواہش اور مستقبل کی ذرا بھی پروا نہیں ہے اور اس ہدیٰ شاہ کو ڈاکٹر بنانے کے لئے آپ نے بینک میں ابھی سے روپے جمع کرانا شروع کر دیے ہیں کیونکہ آپ نے ہمیشہ اپنی اولاد پر غیروں کو ترجیح دی ہے، مجھے یقین ہو گیا ہے آپ کبھی میرے لئے کچھ نہیں کریں گے میں آپ کا کچھ لگتا نہیں ہوں، ٹھیک ہے میں آج کے بعد آپ سے اپنی کسی ضرورت کے لئے کبھی کچھ نہیں مانگوں گا مگر میں آپ کو ڈاکٹر ضرور بن کر دکھاؤں گا میرا وعدہ ہے آپ سے ایک دن میرا یہ خواب ضرور پورا ہوگا۔''

شاہ زر غصے میں ان سب کے دیے ہوئے تمام گفٹ وہیں میز پر پڑے چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

وہ سمجھ رہی تھی اور اب شاہ زر اس کی ذات کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا کرے گا مگر یہ اس کی بھول تھی وہ تو اپنی تمام آسودہ خواہشات کے نہ پورا کرنے کا ذمہ دار بچپن سے ہدیٰ شاہ ہی کو ٹھہراتا آیا تھا آج بھی اس نے اسی کی ذات کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ اسے بھی ڈاکٹر بننے کا بہت شوق ہے اور وہ بھی اس کی طرح بہت ذہین تھی اور پڑھائی میں ہمیشہ اولین پوزیشن لیتی رہی تھی مگر اسے واقعی دل سے افسوس ہوا تھا کہ چاہے وہ ڈاکٹر بنے یا نہ بنے شاہ زر کو ڈاکٹر ضرور بننا چاہیے اور اس کی روشن آنکھوں کا یہ اولین خواب ضرور پورا ہونا چاہیے، اسے رہ رہ

کے شاہ زر پر ترس آرہا تھا کہ یہ اپنے لئے احسان علوی کے سامنے کتنا گڑگڑا رہا تھا اور احسان علوی نے ایک بار پھر اسے مایوس کر کے شاید اسے اپنے سے ہمیشہ کے لئے بدگمان کر دیا تھا۔

تمثیلہ کے ساتھ ساتھ ثریا بیگم کو بھی افسوس ہو رہا تھا مگر وہ احسان علوی کی مجبوریاں بھی جانتی تھیں وہ تنہا ایک مدت سے اس کنبے کا معاشی بوجھ تنہا اٹھا رہے تھے اور اب اس بڑھاپے میں مزید ہاتھ پاؤں نہیں مار سکتے تھے اس لئے اپنی جگہ وہ بھی حق بجانب تھے۔

☆☆☆

''شاہ زر بھائی!'' ہدیٰ نہایت ڈرتے ڈرتے اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور آہستگی سے اسے پکارا تھا جو اپنے بیڈ پر آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا ہوا تھا۔

''کیا ہے؟ کیوں یہاں آئی ہو؟ مجھے تم میں سے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے، چلی جاؤ یہاں سے ورنہ سارا غصہ تم پر نکلے گا۔'' شاہ زر نے سرخ سرخ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر دھاڑنے کے انداز میں کہا تھا۔

''میں چلی جاؤں گی مگر پہلے یہ پیکٹ لے لیں، انکار مت کریئے گا اور جب آپ پاس پیسے آئیں تو مجھے واپس کر دینا، انہیں ادھار سمجھ کے رکھ لیں۔'' ہدیٰ نے روپے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مجھے تمہاری اس بھیک کی ضرورت نہیں ہے جو تم مجھ پر ترس کھا کر دے رہی ہو، میں اپنے تعلیمی اخراجات کے لئے کم از کم تمہارے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا اس لئے آئندہ میرے سامنے مت آنا ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔'' شاہ زر نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے غصے کو ضبط کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا تھا اور ہدیٰ شاہ اپنی ذات کی اتنی تحقیر اتنی بے وقعتی پر آنکھ میں آئے بے اختیار آنسوؤں کو اندر ہی اتارتی ہوئی کانپتے لرزتے قدموں سے چپ چپ اپنے کمرے میں آ گئی مگر باوجود ضبط کے اس کے اندر بارش سی ہو رہی تھی، یہ سوچ سوچ کر اس کی آنکھیں برسنے کے لئے بے تاب تھیں کہ شاہ زر آخر اس سے اتنی نفرت کیوں کرتا ہے آج اس بات کا اتنے یقین ہو گیا تھا کہ سورج مشرق کے بجائے معجزاتی طور پر مغرب سے کسی روز نکل آئے مگر اس کے لئے شاہ زر کا رویہ اور نفرت کبھی نہیں بدلے گی وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا، ہمیشہ اپنے لفظوں کی دھار سے اسے زخمی کرتا رہے گا۔

☆☆☆

ہدیٰ نے دل ہی دل میں کچھ سوچا اور اچانک اس نے ایک فیصلہ کر لیا وہ جانتی تھی کہ مرنے کے بعد اس کی ماں اریسہ شاہ نے ثریا بیگم کو تاکید کی تھی کہ اس کے گھر جا کر ہدیٰ کی پیدائش کے سرٹیفکیٹ کے ساتھ ساتھ دیگر ضروری کاغذات اور اریسہ کی شادی کے کچھ زیورات جو گھر میں الماری کی سیف میں موجود ہیں نکال لیں تاکہ بعد میں وہ ہدایہ کے کام آ سکیں لہٰذا ثریا بیگم نے اریسہ اور فاضل کے تدفین کے بعد ایسا ہی کیا تھا اور ان تمام چیزوں کو اپنی سیف میں محفوظ کر لیا تھا۔

وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اب وہ مزید اپنے محسنوں پر بوجھ نہیں بنے گی اور اس گھر سے چلی جائے گی کہ ماں باپ کے علاوہ کوئی تو اس کا رشتے دار اس دنیا میں موجود ہو گا وہ ان کے پاس چلی جائے گی مگر اب یہاں ہرگز نہیں رہے گی اسی لئے اس نے دوپہر کے وقت جب سب کھانا کھا کر سو گئے تھے وہ خاموشی سے ثریا بیگم کے کمرے میں آئی کیونکہ ثریا بیگم ابھی تھوڑی دیر پہلے پڑوس

میں خالہ رشیدہ کی خیریت معلوم کرنے گئیں تھیں جو دو روز سے بیمار تھیں اس لئے ہدیٰ کو مناسب موقع مل گیا تھا۔

وہ ثریا بیگم کی الماری میں اپنی ماں کے کسی رشتے دار کے ایڈریس وغیرہ کو ڈھونڈنے کی غرض سے آئی تھی کہ شاید اسے کچھ معلوم ہو جائے کہ وہ کون ہے اور کہاں سے لائی گئی ہے؟ اس کے ماں باپ کہاں رہتے ہیں؟

ہدیٰ نے ثریا بیگم کی سیف کو کھولنے کی کوشش کی اور اتفاقاً وہ کھلی تھی اور شاید ثریا بیگم اسے تالا لگا کر لاکڈ کرنا بھول گئیں تھیں، اس کا برتھ سرٹیفکیٹ ایک زیورات کا ڈبہ اور ایک تہہ شدہ خط کے لفافے کے علاوہ کئی اور کاغذات بھی تھے اور جوں جوں وہ کاغذ کی تحریر پڑھتی جا رہی تھی اس کے قدم ڈگمگانے لگے تھے اور خود کو زمین پر گرنے سے بچانے کے لئے اس نے الماری کے پٹ کا سہارا لیا، انتہائی غیر یقینی اور حیرت انگیز انکشاف ہوا، اس پر کہ وہ چھ سال کی عمر سے شاہ زر کی منکوحہ تھی صرف چھ برس کی عمر میں اس کا نکاح شاہ زر سے کیا جا چکا تھا اور اتنی بڑی حقیقت سے وہ لاعلم تھی اب تک اور سوچ رہی تھی کہ آخر ثریا بیگم اور احسان علوی نے اس سے اتنی بڑی حقیقت کیونکر چھپائی ہے اور اس کی زندگی کا فیصلہ بغیر اس کی مرضی جانے بغیر اس وقت کر دیا تھا جب وہ شعور اور سمجھ داری کی منزلوں سے کوسوں دور تھی۔

”کیا شاہ زر اس رشتے کے بارے میں جانتا ہے؟ کہیں اس کی نفرت کی وجہ یہی تو نہیں ہے کہ ثریا بیگم اور احسان علوی کے ان کے بچپن میں کئے ہوئے فیصلے کو شاہ زر نے بڑے ہو کر اعتراض کیا ہو اور اسے رد کر دیا ہو مگر والدین کے فیصلے کو ماننے پر مجبور ہو اس لئے وہ اس سے اتنی نفرت کرتا ہے۔“

ہدیٰ کے ذہن میں کئی سوال ایک ساتھ اٹھ رہے تھے مگر ان کے جواب کے لئے وہ یہاں رکنا نہیں چاہتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مضبوط رشتے کا حوالہ دے کر اس گھر کے مکین اسے یہاں سے کبھی جانے نہیں دیں گے، اس لئے اسے خاموشی سے ان کی زندگی سے نکل جانا چاہیے کہ وہ لوگ چند روز اس کے غم میں اداس رہنے کے بعد پھر سے زندگی کے جھمیلوں میں مصروف ہو جائیں گے اور یہی بھی ہو سکتا ہے کہ اسے نہ بھولیں مگر کم از کم وہ ایک شخص جو اس کی ذات سے ہمیشہ کبیدہ خاطر رہا ہے اسے مجبوراً اپنی ناپسندیدہ ہستی کو جبراً قبول کرنا نہیں پڑے گا۔

ہدیٰ نے دل ہی دل میں خود سے ہم کلامی کرتے ہوئے کہا، ہدیٰ شاہ نے اپنا برتھ سرٹیفکیٹ لفافے میں موجودہ خط جسے اس نے ابھی تک کھول کر پڑھا نہیں تھا اور اپنے نکاح نامے کی فوٹو اسٹیٹ اٹھا لی اور زیور کا ڈبہ دوبارہ واپس سیف میں رکھ دیا۔

اپنے کمرے میں آ کر ہدیٰ نے سب سے پہلے خط کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

”پیارے بابا جان!“

السلام علیکم!

میں جانتی ہوں آپ مجھ سے بہت ناراض ہوں گے اور شاید میری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتے ہوں گے مگر میں آج بھی آپ سب کو بہت یاد کرتی ہوں میری نافرمانی نے آپ کو مجھ سے بہت بدل کر دیا ہو گا آپ مجھ سے نفرت کرنے لگے ہوں گے مگر بابا جان آپ سوچیں کیا مجھے اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزارنے کا حق نہیں تھا جیسے آپ نے افسر بھائی اور انصر بھائی کی ہر جائز ناجائز خواہش کو پورا کیا ان کو باہر پڑھنے بھیجا

پھر میرے معاملے میں یہ تفریق کیوں کی آپ نے میں تو آپ کی اکلوتی بیٹی ہوں جس سے آپ کبھی بہت پیار کرتے تھے، میں آپ کو اسی پیار اور شفقت کا واسطہ دے کر گزارش کرتی ہوں کہ آپ مجھے معاف کر دیں۔

آج شادی کے پانچ سال بعد میرے آنگن میں ایک خوبصورت پھول کھلا ہے اور میں نے اس کا نام ہدیٰ رکھا ہے، یہ میرے آنگن میں بڑی منتوں اور مرادوں بعد آئی ہے، اس لئے میں بہت خوش ہوں اور چاہتی ہوں کہ ایک بار اسے آپ کے پاس لے کر ضرور آؤں مجھے یقین ہے آپ اس کی معصوم اور پیاری صورت دیکھ کر میری ساری خطائیں معاف کر دیں گے۔

میری دعا ہے بلکہ اللہ سائیں آپ کو اور اماں کو لمبی عمر عطا فرمائے اور آپ دونوں کو صحت و تندرست رکھے، آمین، فقط آپ کی بدنصیب بیٹی۔

اریسہ شاہ

ہدیٰ نے خط پڑھنے کے بعد دوبارہ لفافے میں رکھ دیا اور تینوں چیزیں اپنے بیگ میں رکھ لیں اور وہ پیسے جو اس نے اپنی ٹیوشن کی فیس سے جمع کیے تھے اپنے پاس احتیاطاً رکھ لئے تھے تاکہ سفر میں ضرورت پڑنے پر کام آسکیں، وہ سوچ رہی تھی کہ وہ گاؤں جا کر اپنے نانا سے دریافت کرے گی کہ آخر اس کی ماں نے ایسا کون سا جرم کیا تھا جس کی معافی انہوں نے اس خط میں ان سے مانگی تھی جس کے پشت پر ضلع میر پور خاص کا ایڈریس لکھا ہوا تھا۔

ابھی گھر میں کوئی موجود نہیں تھا شاہ زر گھر سے باہر تھا اور ثریا بیگم بھی پڑوس میں گئی ہوئی تھیں جبکہ تمثیلہ اور نویلہ بے خبر اپنے کمرے میں سو رہی تھیں اور یہی مناسب وقت تھا ہدیٰ شاہ کے لئے یہاں سے نکلنے کا، ورنہ اسٹیشن پہنچنے تک اسے رات ہو جاتی اور تنہا ہونے کی وجہ سے اسے ڈر بھی بہت لگ رہا تھا اس لئے وہ بیگ میں دو جوڑے کپڑے رکھ کر بڑی سی سیاہ چادر میں سر سے پاؤں تک لپٹی ہوئی گھر سے نکل آئی تھی اور دوپہر کی وجہ سے راستہ بھی سنسان تھا اس لئے کسی نے اسے گھر سے نکلتے دیکھا نہیں تھا وہ بڑے پرسکون انداز میں اعتماد سے قدم اٹھاتی ہوئی اپنی منزل کی جانب بڑھتی چلی جا رہی تھی، احتیاطاً اس نے چادر کو نقاب کی طرح اوڑھتے ہوئے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔

☆☆☆

''امی آپ آ گئیں ہدیٰ کہاں ہے؟ آپ اکیلی کیوں آئی ہیں؟'' تمثیلہ نے ثریا بیگم کو گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر کہا کیونکہ ہدایہ کو گھر میں موجود نہ پا کر وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ ثریا بیگم کے ساتھ رشیدہ خالہ کے گھر گئی ہوگی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا ہدیٰ کہاں ہے؟ ہدیٰ میرے ساتھ نہیں تھی، کیا ہوا ہے؟ کہاں ہے وہ؟'' ثریا بیگم نے تمثیلہ سے پوچھتے ہوئے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

''امی میں نے ہر جگہ دیکھ لیا ہے وہ کہیں بھی موجود نہیں ہے بغیر بتائے تو وہ محلے میں بھی نہیں جاتی پھر آخر وہ کہاں چلی گئی ہے؟'' تمثیلہ نے فکر مند لہجے میں کہا۔

''امی یہ دیکھیں ہدیٰ آپی کے بستر کے پاس سے یہ پرچہ ملا ہے۔'' نویلہ نے کمرے سے نکل کر ہاتھ میں تھاما ہوا پرچہ ثریا بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''دکھاؤ ادھر کیا لکھا ہے اس میں کہیں وہ......؟'' ثریا بیگم نے تیزی سے نویلہ کے ہاتھ سے پرچا لیا اور بات ادھوری چھوڑتے ہوئے

پڑھتے ہیں۔

وہی ہوا تھا جس کا انہیں اندیشہ تھا وہ گھر چھوڑ کے جا چکی تھی اور اس نے بتایا بھی نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے البتہ اس نے اتنا ضرور لکھا تھا کہ اور کسی کو نہ سہی مگر شاہ زر کو اس کے یہاں سے جانے کی خوشی ضرور ہوگی اور اسے ایک مدت بعد اس کی ذات سے چھٹکارا پانے کے بعد اطمینان نصیب ضرور ہوگا۔

اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ بچپن سے لے کر آج تک ان لوگوں نے جو اس کی ذات پر احسانات کیے ہیں وہ اگر زندگی میں کبھی اس قابل ہوئی تو ضرور اتارنے کی کوشش کرے گی البتہ ان سب کے خلوص اور چاہتوں کی وہ ہمیشہ قرضدار رہے گی کیونکہ اس دنیا میں پرخلوص چاہتوں کا کوئی مول نہیں ہے اور اس کا بدلہ کوئی نہیں دے سکتا۔

ہدیٰ کا خط پڑھنے کے بعد ان کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ یہ گھر چھوڑ کے کس کی وجہ سے گئی ہے انہوں نے وہیں صحن میں بیٹھ کے رونا شروع کر دیا کہ وہ مری ہوئی عزیز ترین سہیلی کو دیا ہوا قول نبھا نہیں سکیں حالانکہ انہوں نے تو بڑے خلوص سے یہ ذمہ داری اٹھائی تھی اور اپنا عہد پورا کرنے کے لئے اپنے بچوں تک کو نظر انداز کر دیا تھا، بقول شاہ زر کے وقت پڑنے پر ان کی حق تلفی تک کی تھی مگر ہدیٰ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف ہونے نہیں دی تھی مگر آج ان کی عمر بھر کی ریاضت خاک میں مل گئی تھی۔

وہ نجانے کب تک صحن میں بیٹھی تاسف سے اپنی سوچوں میں مگن رہتی کہ احسان علوی اور شاہ زر ایک ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔

''کیا ہوا ہے شاہ زر کی ماں؟ اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟'' احسان علوی نے ثریا بیگم کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر فکر مند لہجے میں پوچھا۔

''جاؤ شاہ زر جا کر خوشیاں مناؤ بلکہ مٹھائی تقسیم کرو کیونکہ جسے تم نے بچپن سے لے کر جوانی تک بناء کسی قصور کے اپنے عتاب کا نشانہ بنائے رکھا اسے اٹھتے بیٹھتے غیر ہونے اور اپنے کیے گئے احسانات کے طعنے دیتے رہے آج وہ ہمیشہ کے لئے اس گھر سے تمہارے احسانات کا مزید بوجھ نہ اٹھانے کے لئے چلی گئی ہے، وہ تمہارے روز روز کے طعنوں سے تنگ آ چکی تھی جب ہی اس نے خاموشی سے یہ گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے، میں نے بچپن میں بڑے ارمانوں سے اسے اس کے خاندان والوں کے عتاب سے بچانے کے لئے تمہارے ساتھ اس کا نکاح کیا تھا تاکہ ہمیشہ کے لئے اسے اپنے پاس رکھ سکوں میں نے بچپن ہی میں اس کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا تھا کہ بڑے ہو کر تم خود اپنی ذمہ داری سنبھالو گے اسے تحفظ دو گے، تم نے میری عمر بھر کی ریاضت ضائع کر دی ہے شاہ زر میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی، تمہاری وجہ سے مجھے اپنی عزیز ترین سہیلی کی نشانی کو کھونا پڑا ہے اگر وہ نہ ملی تو وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

ثریا بیگم روتے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی، وہ بت بنا ابھی تک اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا اور احسان علوی ابھی تک پوری صورتحال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد شاہ زر بے جان قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''اوہ میرے خدایا اتنی بڑی حقیقت کو آج تک مجھ سے چھپایا گیا، آخر امی ابو نے ایسا کیوں کیا؟ آخر کون لوگ ہیں جو ہدیٰ کے دشمن ہیں جن سے آج تک امی نے چھپا کر اپنے پاس رکھا

ہوا تھا؟ ان کی ہدیٰ سے کیا دشمنی ہے؟ میں اتنا بے خبر کیوں تھا؟ انجانے میں بچپن سے لے کر آج تک میں جسے غیر سمجھتے ہوئے اپنے اور اپنی بہنوں کے حقوق کا غاصب سمجھتا رہا وہ امی کو اتنی عزیز کیوں تھی یہ معمہ وہ ابھی تک سلجھا نہیں پایا تھا۔''

وہ ایک مدت سے اس کی ذات، اس کے نام کے ساتھ منسلک رہی اور وہ بے خبر اسے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا رہا جو ہمیشہ سے اس کی اپنی تھی، اس کے ساتھ اس کا کتنا گہرا کتنا معتبر اور کتنا مضبوط رشتہ تھا، کیا وہ میری طرح بے خبر تھی یا پھر سب کچھ جانتے بوجھتے اس کے ناروا سلوک کو برداشت کرنے پر مجبور تھی، شاہ زر کے ذہن میں بیک وقت کئی سوال اٹھ رہے تھے، وہ اپنے سوالوں کا جواب کس سے مانگتا ان سے جنہیں شاید اس نے ناراض کر دیا تھا، اس کے بے چین دل کو سکون نہیں مل رہا تھا وہ بڑی بے چینی سے کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔

''ہدیٰ شاہ۔'' شاہ زر اسے ہدیٰ کے میٹرک کے رزلٹ کارڈ پر لکھا نام یاد آیا جو اس وقت نویلہ نے زبردستی شاہ زر کو یقین دلانے کے لئے اسے دکھایا تھا کہ ہدایہ سچ مچ اسکول میں ہونے والے منتھلی ٹیسٹ میں فرسٹ آئی ہے اور پہلی بار شاہ زر نے اس کا پورا نام پڑھا تھا، اس نے تو اس کی ولدیت کو بھی غور سے پڑھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

ابھی ابھی ثریا بیگم نے اسے بتایا کہ وہ صرف چھ برس کی تھی جب انہوں نے اسے شاہ زر کے نام سے جوڑ دیا تھا اس کا مطلب تھا اسکول میں داخل ہونے کی عمر سے اس کا نام شاہ زر کے نام سے جڑا تھا جب ہی وہ ہدایہ شاہ کہلاتی تھی ورنہ اس کے نام کے ساتھ تو اس کی ولدیت درج ہونی چاہیے تھی۔

شاہ زر کا ذہن سوچ سوچ کر شل ہو رہا تھا وہ اپنی ہی ذات سے خود کلامی کی صورت سوال جواب کر رہا تھا، گھر میں ایک سوگ کی سی کیفیت طاری تھی، سب ہی اپنے اپنے کمروں میں پناہ لئے ہوئے تھے کہ آنے والے طوفان کا سامنا وہ کس طرح کریں گے اور محلے والوں کو کیا بتائیں گے کہ اتنے عرصے سے گھر کے فرد کی حیثیت سے رہنے والی ہدیٰ شاہ اچانک کہاں چلی گئی، ان میں سے کوئی بھی ہدیٰ کی معصوم اور پاکیزہ ذات پر محلے والوں کے لگائے ہوئے الزام کو سننے کی تاب نہیں رکھتا تھا آخر لوگوں کی زبانیں کون پکڑ سکتا تھا۔

وہ کئی بار ہدیٰ کا خط پڑھ چکا تھا جو ثریا بیگم نے اس وقت اس کی طرف اچھالا تھا جسے اس نے اب کمرے میں آ کر پڑھا تھا، ہدیٰ نے لکھا تھا کہ وہ شاہ زر کی وجہ سے یہ گھر چھوڑ کے جا رہی ہے اس کا مطلب تھا وہ اس کے رویے سے تنگ آ کر یہ گھر یہ سائبان چھوڑ گئی تھی، بعد میں اسے تمثیلہ کی زبانی اس کے خاندانی پس منظر اور دشمنی کے بارے میں سب کچھ پتہ چل گیا تھا جس کی وجہ سے ثریا بیگم نے آج تک اسے زمانے کی نظروں سے بچا کے رکھا تھا اور آئندہ بھی اس کی زندگی اور مستقبل کی ضامن شاہ زر کو بتایا تھا مگر اس نے اس بدنصیب کا سہارا بننے کے بجائے اسے اپنوں کی دشمنی کی بھینٹ چڑھنے سے بچانے کے بجائے اسے دربدر ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

شاہ زر کو رہ رہ کر پچھتاوے کے ناگ ڈس رہے تھے، اسے کسی پل چین نہیں آ رہا تھا، آنکھوں میں اس کا سراپا تھا، اس روز جب وہ کچن میں اس کے لئے گرم گرم روٹیاں پکا رہی تھی

تو شاہ زر کو کتنا انوکھا اور اپنائیت کا احساس ہو رہا تھا جو صرف چند لمحوں پر محیط تھا مگر پہلی بار زندگی میں شاہ زر کو ہدیٰ کے وجود کی موجودگی کا احساس ہوا تھا اس سے پہلے تو اس نے کبھی اسے بغور نظر اٹھا کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی حالانکہ ایک مدت سے وہ ایک ساتھ ایک ہی گھر میں رہ رہے تھے مگر شاید اس وقت شاہ زر کے دل ذہن پر بے پروائیوں اور بے اعتنائیوں کی دھند چھائی ہوئی تھی اور اسی دھند کے چھٹنے کا انتظار کرتے کرتے بالآخر وہ تھک چکی تھی اور اپنی اصل منزل کی تلاش میں انجانی راہوں کے سفر پر گامزن ہو چکی تھی، نجانے کب ہدیٰ شاہ کے بارے میں سوچتے سوچتے وہ نیند کی مہربان آغوش میں چلا گیا تھا۔

☆☆☆

اس نے نہایت ڈرتے ڈرتے فیملی کمپارٹمنٹ میں جھانکتے ہوئے اندر قدم رکھا اور خدا کا شکر تھا کہ اس پورے ڈبے میں صرف خواتین ہی بیٹھی نظر آ رہی تھیں، ایک خاتون اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ سفر کر رہی تھی، دونوں لڑکیاں میگزین پڑھنے میں مصروف تھیں البتہ ہدایہ کو ڈبے میں داخل ہوتے دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرائیں ضرور تھیں، وہ اپنا بیگ مضبوطی سے تھامے اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی جبکہ سامنے کی تینوں سیٹیں شاید ان لوگوں نے ریزرو کرا رکھی تھیں جب ہی ان پر ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔

''آپ اکیلی سفر کر رہی ہیں یا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟'' ان میں سے ایک لڑکی نے میگزین بند کرتے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

''جی دراصل میں اپنے نانا جی سے گاؤں ملنے جا رہی ہوں میرے ماموں اسٹیشن پر مجھے ریسیو کرنے آئیں گے۔'' ہدیٰ نے آدھا سچ اور آدھا جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

''ہم لوگ اپنے کزن کی شادی میں شرکت کرنے جا رہے ہیں، ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بھی ہیں جو ہمارے لئے گرم گرم چائے اور سموسے وغیرہ لینے گئے ہیں تاکہ شام کی چائے کا لطف دوبالا ہو سکے۔'' اس لڑکی نے ہدیٰ کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا، ابھی وہ باتیں ہی کر رہی تھیں کہ ٹرین چل پڑی اور ایک نوجوان تیزی سے ڈبے میں داخل ہوا۔

''شکر ہے بھائی آپ آ گئے ورنہ یہ کم بخت ٹرین تو چل پڑی تھی۔'' اسی لڑکی نے اپنے بھائی سے مخاطب ہو کر کہا جس نے ہاتھ میں کچھ شاپرز پکڑے ہوئے تھے۔

''یہ لو بھئی عظمیٰ جلدی سے انہیں برتن میں نکال لو ورنہ ٹھنڈے ہو جائیں گے۔'' یاسر نے دوسری لڑکی کو مخاطب کر کے کہا۔

''یہ لیجئے گرم گرم چائے پئیں اور ہمارے بھائی کو دعائیں دیں ورنہ سارا سفر چائے کے بغیر بدمزہ گزرتا کیونکہ عظمیٰ آپا میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟'' صائمہ نے ہدیٰ کی طرف ایک پلیٹ میں سموسے اور پیٹس اور چائے کا مگ تھماتے ہوئے کہا۔

''سوری مجھے اس کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی آپ نے پوچھ لیا آپ کا یہی خلوص کافی ہے۔'' ہدیٰ نے احتیاطاً معذرت کرتے ہوئے کہا کیونکہ وہ پہلی بار ٹرین کا سفر کر رہی تھی اور تنہا بھی تھی اس لئے اس نے خواہ مخواہ ان سے فری ہونے سے گریز کیا۔

''دیکھئے آپ خواہ مخواہ تکلف کر رہی ہیں یا پھر اکیلے ہونے کی وجہ سے گھبرا رہی ہیں، اگر خلوص کی بات ہے تو پھر ہمارے خلوص کو یوں کسی اندیشے کے تحت مت ٹھکرائیں کیونکہ ہم لوگ سچ

سچ شریف لوگ ہیں اور آپ میرے علاوہ ہم سب کو اپنا ہمدرد سمجھیں کیونکہ صرف چند گھنٹوں کی بات ہے پھر ہم کہاں اور آپ کہاں پلیز انکار مت کیجئے گا۔''

عظمٰی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا تو مجبوراً وہ انکار نہ کرسکی کیونکہ دوپہر میں اس نے برائے نام ہی کھانا کھایا تھا۔

''بیٹی گھبرانے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں اپنا ہی سمجھو اور یہ یاسر تمہارے بھائیوں جیسا ہے، ہم میرپور خاص پہنچ کر تم کو تمہارے ماموں کے ساتھ بھیج کر ہی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوں گے۔''

''بالکل بے فکر ہوکر آرام سے اطمینان سے رہنا کوئی پریشانی کی بات کی ضرورت نہیں ہے۔'' سامنے بیٹھی خاتون نے اتنی محبت سے کہا تو واقعی اسے ان پر اعتبار آ ہی گیا۔

اگلے اسٹیشن پر اس نے اپنے لئے کھانا یاسر سے منگوالیا تھا حالانکہ ان سب نے اسے بہت منع کیا تھا مگر وہ نہ مانی تھی، رات کے کھانے کے بعد جو اس نے ان سب کے ساتھ ہی کھایا تھا اپنے بیگ کو سر کی جگہ پر تکیے کی صورت ٹیک لگا کے بیٹھ گئی کیونکہ اتنی دیر سے بیٹھے بیٹھے کمر بھی اکڑ گئی تھی، دراصل وہ سامنے تیسری سیٹ پر یاسر کو نیم دراز لیٹا دیکھ کر لیٹنے سے جھجک محسوس کر رہی تھی اسے تو صرف خواتین ہی کو ڈبے میں دیکھ کر اطمینان ہوا تھا مگر کون اپنی جوان بیٹیوں کے ساتھ تنہا سفر کرے گا اس لئے ان کے ساتھ بھی ایک مرد کا ہونا لازمی تھا، ایسے میں ہدیٰ کو خود پر رونا آگیا کہ آج وہ اپنے لوگوں کے ہونے کے باوجود بالکل لاوارثوں کی طرح تنہا اور بے امان تھی اسے تحفظ کا احساس دلانے والا کوئی نہیں تھا۔

ہدیٰ نے حسرت بھری نظروں سے لیٹے ہوئے یاسر کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا اور اسی لمحے یاسر نے بھی اسے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی اور سمٹے سمٹائے انداز کو دیکھ کر کسی حد تک وہ اس کے اندر کی کیفیت جان گیا تھا جب ہی اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس کی طرف آیا۔

''میری وجہ سے آپ کو جھجک محسوس ہو رہی ہوگی لیکن کیا کروں مجبوری ہے میں یہاں سے کہیں اور اپنی ماں بہنوں کو تنہا چھوڑ کے جا نہیں سکتا ہوں مگر آپ کو یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ جس طرح یہ میری بہنیں ہیں اسی طرح آپ بھی میری بہن کی طرح ہو میں تمہارا بھائی ہوں۔''

یاسر نے اپنی بات کے اختتام پر اس کے سر پر آہستہ سے ہاتھ رکھ کر اسے تحفظ کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی۔

ایک اجنبی کی زبان سے اتنی ہمدردی اور خلوص کی باتیں سن کر اس کی آنکھوں میں سچ مچ آنسو آگئے تھے اور اس نے یاسر کی طرف تشکر آمیز نظروں سے دیکھا تھا۔

''شکریہ آپ لوگ واقعی بہت اچھے ہیں۔'' ہدیٰ نے کہا اور تھوڑا سا ایزی ہوکر نیم دراز ہوگئی، جبکہ یاسر واپس اپنی سیٹ پر چلا گیا اور ہاتھ میں لیا ہوا میگزین پھر سے پڑھنے میں مصروف ہوگیا۔

صبح ساتھ بجے وہ میرپور خاص کے اسٹیشن پر پہنچ چکی تھی، ٹرین رک چکی تھی، جب ہی خاتون نے ہدیٰ کو جگایا کہ اسٹیشن آگیا ہے تو وہ ہڑبڑا کے اٹھی۔

''بیٹی تم کہو تو ہم لوگ تمہیں ٹیکسی میں بٹھا دیتے ہیں یا پھر......'' خاتون نے اسے بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا حالانکہ وہ ان لوگوں کے یہاں سے روانہ ہونے کا انتظار کر رہی تھی کیونکہ اس نے تو تنہا ہی اپنی انجانی منزل کی

طرف سفر کرنا تھا اور وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید اس کے ماموں کے آنے میں دیر ہوگئی ہے۔

''شاید ماموں کو ضروری کام پڑ گیا ہوگا میں ٹیکسی لے کر خود ہی چلی جاؤں گی۔'' ہدیٰ نے فوراً کہا اور ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹیکسی کی طرف بڑھ گئی، اسے تنہا بیٹھتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا مگر وہ اللہ کا نام لیکر بیٹھ گئی کہ اب جو خدا کو منظور ہو وہی ہوگا۔

☆☆☆

ہدیٰ کو گھر سے گئے ہوئے پورا ہفتہ بیت چکا تھا گھر کے ماحول کی سوگواریت بدستور قائم تھی ثریا بیگم نے محلے میں یہ بتایا تھا کہ انہوں نے ہدیٰ کو اس کے نانا کے گھر بھجوا دیا ہے کیونکہ اب اتنے عرصے بعد ان کا پتہ چل گیا ہے، دراصل ثریا بیگم اور احسان علوی نے محلے میں یہی مشہور کیا تھا کہ ہدیٰ انہیں ٹرین میں ملی تھی جو شاید اپنے گھر والوں سے بچھڑ کے راستہ بھول گئی تھی اس لئے وہ اسے اپنے گھر بیٹی بنا کر لے آئے ہیں اور جب بھی اس کے وارثوں کے بارے میں پتہ چلے گا وہ اسے ان کے حوالے کر دیں گے لیکن پھر کچھ دن گزرنے کے بعد رفتہ رفتہ سب اپنی اپنی مصروفیت میں مگن ہو کر بھول بھال گئے سوائے احسان علوی کے گھرانے کے جو دن رات ہدیٰ کو یاد کرتے تھے اور اس کی سلامتی و خیر و عافیت کی دعائیں مانگتے تھے۔

☆☆☆

پیر عنایت شاہ کے دونوں بیٹے لندن میں شادی کر چکے تھے لہٰذا وہ پلٹ کر واپس نہیں آئے اور انہوں نے اپنے اپنے حصوں کی زمینیں بیچ کر وہیں بزنس میں مصروف ہو گئے تھے اور پلٹ کر خبر تک نہ لی تھی جبکہ پیر عنایت شاہ نے بیٹوں کے خود غرضانہ رویوں کو دیکھتے ہوئے اریسہ شاہ کے حصے کی زمین ان کے نام لکھنے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ ایک نہ ایک دن ان کی بیٹی ان سے ملنے ضرور آئے گی کیونکہ وہ بدنصیب اس کی حقیقت سے لاعلم تھے کہ ان کے جابر و جلاد بیٹوں نے ان کی اکلوتی بیٹی کو قتل کر دیا ہے۔

اریسہ شاہ کی نافرمانی پر وہ بھی اس سے ناراض تھے مگر آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں یہ بھی پتہ چلا تھا کہ شہر میں آزر شاہ جس سے انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی طے کی تھی اس کی بیوی بچے موجود تھے اور وہ دوسری شادی کر رہا تھا صرف اریسہ شاہ کے حصے کی زمینیں حاصل کرنے کے لئے تاکہ اپنے علاقے کا بڑا زمیندار بن سکے اور لئے وہ اریسہ کی خطا کو کسی حد تک معاف کر چکے تھے کہ اچھا ہوا کہ اس نے اپنی پسند سے شادی کر لی ورنہ بعد میں انہیں بھی اپنی بیٹی کی قسمت پر رونا پڑتا مگر انصر شاہ اور افسر شاہ کے سروں پر خون سوار تھا اور جوانی کے جوش و جذبے میں وہ خون کی کشش اور رشتے سب کو فراموش کر بیٹھے تھے مگر شہر میں اریسہ اور فاضل کو قتل کرنے کے بعد انہوں نے باپ کو اس ہولناک خبر سے بے خبر ہی رکھا تھا اور صرف چند دنوں میں زمینوں کا سودا کر کے یہاں سے فرار ہو گئے تھے۔

اتنی بڑی حویلی میں پیر عنایت شاہ اور ان کی شریک حیات کے علاوہ سوائے ملازمین کے اور کوئی نہیں رہتا تھا۔

ہدیٰ کی زبانی اور ثبوت کے طور پر اس کی ماں اریسہ شاہ کا اپنے ماں باپ کے نام خط دکھا کر ہدیٰ شاہ نے پیر عنایت شاہ کو ساری روداد سنا دی تھی اور وہ بدنصیب ایک مدت بعد اپنی اکلوتی بیٹی کی موت کا سوگ آنسوؤں اور آہوں کے ساتھ پچھتاوؤں کے احساس تلے منا رہے تھے مگر

ہدیٰ کی شکل میں انہیں اپنی اریسہ نظر آئی تھی اس لئے انہوں نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ اسے یہاں سے کبھی جانے نہیں دیں گے، جب تک اس کا شوہر ایک کامیاب ڈاکٹر نہیں بن جاتا وہ ہدیٰ کو رخصت نہیں کریں گے کہ ایک مدت بعد انہیں کسی اپنے کی صورت حویلی میں دکھائی دی تھی۔

دراصل ہدیٰ نے ثریا بیگم اور احسان علوی کے بارے میں انہیں سب کچھ بتا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ کس خطرے سے محفوظ رکھنے کے لئے انہوں نے اس کا نکاح بچپن ہی میں اپنے اکلوتے بیٹے سے کر دیا تھا۔

ہدیٰ بڑے اطمینان سے حویلی میں رہ رہی تھی اس نے اپنی پڑھائی بھی پھر سے شروع کر دی تھی، وہ روزانہ پردوں والی لینڈ کروزر میں گاؤں سے شہر کالج آیا جایا کرتی تھی کیونکہ میر پور خاص اور کراچی شہر میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

ہدیٰ کو شروع سے ڈاکٹر بننے کا شوق تھا مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس سے کہیں زیادہ ڈاکٹر بننے کی شدید خواہش شاہ زر کی تھی مگر احسان علوی کے پاس وسائل نہیں تھے اس کی میڈیکل کی مہنگی تعلیم کے اخراجات اٹھانے کے لئے ہدیٰ چاہتی تھی کہ شاہ زر ڈاکٹر ضرور بنے اس لئے اس نے خصوصی طور پر پیر عنایت شاہ سے اجازت لے کر ان کی مرضی سے بینک سے پانچ لاکھ کا ڈرافٹ بنوا کر کراچی والے گھر کے پتہ پر احسان علوی کے نام بھیجا تھا اور اپنی خیریت بھی لکھی تھی اور سب کچھ بتا دیا ساتھ یہ تاکید کی تھی کہ وہ ان پیسوں کو شاہ زر کی پڑھائی اور تمثیلہ کی شادی میں خرچ کریں اور بعد میں وہ مزید روپے بھیجے گی البتہ وہ کہاں ہے اس کے بارے میں ہدیٰ نے کچھ نہیں لکھا تھا وہ چاہتی تھی کہ جب پڑھ لکھ کر شاہ زر ایک کامیاب ڈاکٹر بن جائے گا اور وہ بھی اپنی پڑھائی مکمل کر لے گی تو وہ گھر والوں اور شاہ زر سے ضرور ملے گی تب شاید وہ بھی اپنے مستقبل اور منزل کا یقین کرنے میں آسانی سے فیصلہ کر سکے گی۔

☆☆☆

ہدیٰ جب سے گئی تھی شاہ زر کی زندگی کے شب و روز ہی بدل کر رہ گئے تھے، اس تو جیسے چپ سی لگ گئی تھی ابھی اس کے ایڈمیشن کی ڈیٹ میں پورا ایک ہفتہ باقی تھا مگر جب سے وہ گئی تھی اس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا، عجیب بے قراری و بے چینی کی کیفیت تھی جو ہر وقت اس کے حواسوں پر طاری رہتی تھی جانے کس چیز کی کمی تھی زندگی میں وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا حالانکہ زندگی اور وقت اپنی معمول کی چال پر گامزن تھے کچھ بھی نہیں بدلا تھا روز مرہ کے معمولات اسی طرح جاری و ساری تھے۔

تمثیلہ کی شادی کی تاریخ رکھی جا چکی تھی اس کے ایگزامز کے ایک ہفتہ بعد اس کی شادی تھی آہستہ آہستہ سب نے اس کے سامنے ہدیٰ شاہ کا ذکر تک کرنا چھوڑ دیا تھا سب ہی اس کے ساتھ لاتعلق سا رویہ اپنائے ہوئے تھے حالانکہ اس سارے کھیل میں اگر انصاف سے دیکھا جائے تو سب سے زیادہ نقصان شاہ زر کی ذات کا ہوا تھا وہ بے چارہ تو بے خبری میں ہی سب کچھ گنوا بیٹھا تھا، محبت، نفرت، انسیت، اپنائیت وہ سب کچھ جو اس ایک ہستی کے ہوتے ہوئے شاہ زر نے محسوس کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، وہ نہیں تھی تو اس کی کمی کتنی شدت سے محسوس ہو رہی تھی اپنا اور اس کا تعلق جو بڑا خوبصورت اور نازک تھا اس کے بارے میں جاننے کے بعد اس کے احساسات و جذبات خود بخود تبدیل ہوئے تھے۔

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اور اسے ہدیٰ شاہ کے وجود سے نفرت تھی تو وہ اس کی غیر موجودگی کو اتنی شدتوں سے کیوں محسوس کر رہا ہے یہ پھر شاید اسے بھی دیگر لوگوں کی طرح اتنا عرصہ ایک گھر میں رہتے ہوئے ہدیٰ شاہ سے انسیت ہو گئی تھی مگر کیا یہ صرف انسیت تھی۔

آج پھر وہ اضطراری کیفیت میں اپنے کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا اور ہدیٰ کے بارے میں سوچتا ہوا اپنے آپ سے سوال کر بیٹھا تھا کہ اس کی ان بے چینوں اور بے قراری کا سبب کیا ہے؟ کیوں اس کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا ہے؟ کیا اسے ہدیٰ شاہ سے محبت ہو گئی ہے؟ نہیں اسے تو کبھی بھی ہدیٰ سے نفرت نہیں تھی بلکہ شاید اس کے اندر کہیں چھپی ہوئی پوشیدہ محبت تھی مگر اس وقت وہ اپنے اس جذبے کو ٹھیک طرح سمجھ نہیں پا رہا تھا اس لئے شدید بے زاری اور جھنجھلاہٹ کا شکار تھا، خود سے لڑتے لڑتے ضمیر کی عدالت میں کھڑا ہوا وہ اپنے ہی سوالوں سے جو اس کے اندر سے کوئی کر رہا تھا مگر اس کے پاس ان تمام سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا البتہ اتنا ضرور احساس تھا کہ اس کی کوئی بہت قیمتی شے کہیں کھو گئی ہے جو شاید کبھی نہ مل سکے بس یہی پچھتاوا اسے اندر ہی اندر کچوکے لگا رہا تھا۔

اس وقت اس کی حالت منیر نیازی کی اس نظم سے میل کھا رہی تھی کہ۔

ستارے جو دمکتے ہیں کسی کی چشم حیراں میں
ملاقاتیں جو ہوتی ہیں جمال و ابر و باراں میں
نہ آباد وقتوں میں دل ناشاد میں ہو گی
محبت اب نہیں ہو گی تو کچھ دن بعد میں ہو گی
گزر جائیں گے جب یہ دن تو ان کی یاد نہیں ہو گی

واقعی محبت کا دلفریب و نازک احساس لئے ہوئے یہ لطیف جذبہ ہدیٰ کے جانے کے بعد ہی شاہ زر کے دل میں بیدار ہو کر اس کے حواسوں پر چھا گیا تھا اور اسے اپنے سنگ خوابوں کی حسین وادی میں لے جا رہا تھا، جانے کب وہ خود سے اعتراف کرتا ہوا نیند کی وادیوں میں اتر گیا تھا۔

☆☆☆

تمثیلہ کی شادی خیر و خوبی سے سرانجام دی جا چکی تھی، شاہ زر نے بھی ہدیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے روپے اس لئے قبول کر لئے تھے کہ اپنے خط میں اس نے لکھا تھا کہ یہ اس کی شدید خواہش ہے کہ شاہ زر ڈاکٹر بنے اور چونکہ وہ جانتی ہے کہ شاہ زر بڑا خود دار اور انا پرست ہے اس لئے ڈاکٹر بننے کے بعد جب وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے اور کمانے لگے۔

ہدیٰ کے خط کے مفہوم سے شاہ زر نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہے سکون سے ہے اور بخیر و عافیت سے اور ایک نہ ایک دن ان سے رابطہ ضرور کرے گی اور شاہ زر نے سوچ لیا تھا کہ زندگی میں جب بھی اس سے سامنا ہو گا تو وہ اس کی تحفتاً دی ہوئی رقم ضرور واپس کر دے گا۔

ہدیٰ ان سب کے ساتھ ساتھ شاہ زر کی ذات کے لئے کتنا خلوص رکھتی تھی اس کا اندازہ شاہ زر کو ہو چکا تھا اور اسے یقین تھا کہ بزرگوں نے اس کے اور ہدیٰ شاہ کے مابین جو مقدس اور مضبوط بندھن باندھا ہے اسے ہدیٰ جیسی لڑکی کبھی خود سے نہیں توڑے گی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شاہ زر کا یہ یقین پختہ ہوتا جا رہا تھا۔

اتفاق کی بات تھی ہدیٰ بھی شاہ زر کی طرح کراچی کے مشہور میڈیکل کالج میں پڑھ رہی تھی مگر پہلے کی نسبت اب وہ مکمل طور پر چادر میں لپٹی ہوتی تھی اور سوائے آنکھوں کے اس لئے اسے

کوئی پہچان نہیں سکتا تھا اور ویسے بھی شاہ زرالیس ایم کالج میں تھا اور ہدیٰ ڈی ایم کالج میں پڑھ رہی تھی اس لئے دونوں کی ملاقات ان پورے چار برسوں میں نہیں ہوئی تھی۔

وقت کا تیز پہیہ انجانی منزل پر روانی سے گامزن تھا کیونکہ اس کی تو کوئی منزل نہیں تھی وہ تو ازل سے لے کر ابد تک سفر کے لئے مخصوص تھا جو بس تمام عمر چلتا ہی رہتا ہے کبھی نہیں رکتا۔

تمثیلہ اپنے دو بیٹوں شان اور کامران کے ساتھ خوشی خوشی اپنے شوہر کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی اور تقریباً ہر ویک اینڈ پر وہ میکے آتی تھی اور ہدیٰ کا خصوصی ذکر ہوتا تھا جس سے گھر کے ماحول کی فضا سوگوار سی ہو جاتی تھی جبکہ نویلہ انٹر میں پڑھ رہی تھی اور شاہ زر مکمل ڈاکٹر بن چکا تھا اور آج کل شہر کے مشہور ہسپتال میں تھا۔

☆☆☆

''شاہ زر بیٹا مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔'' ثریا بیگم نے کمرے میں داخل ہو کر بیڈ پر نیم دراز کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف شاہ زر کو مخاطب کر کے کہا تو وہ ماں کو دیکھ کر احتراماً اٹھ کر بیٹھ گیا اور ان کے لئے بیڈ پر بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی۔

''جی امی بتائیے کیا کوئی ضروری بات ہے؟'' شاہ زر نے ثریا بیگم کے بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ہدیٰ کے لئے اخبار میں اشتہار دے دو کہ وہ جہاں بھی ہے ایک بار ہم سے آ کر مل لے کم از کم اس کی صورت دیکھ کر یہ یقین تو آ جائے گا کہ واقعی وہ زندہ ہیں جنہوں نے اپنی سگی بیٹی کو نہیں بخشا تو پھر بھانجی کو کیسے معاف کر دیں گے، جب تک وہ ایک بار میری نظروں کے سامنے نہ آ جائے میرے دل کو قرار نہیں آئے گا، آخر تم اسے پورے پانچ برسوں سے تلاش کر رہے ہو مگر وہ جانے کہاں چھپی بیٹھی ہے، اتنے برسوں میں تو بہت کچھ بدل جاتا ہے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ......؟'' ثریا بیگم نے جانے کس خیال کے تحت بات ادھوری چھوڑ دی مگر شاہ زران کی بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔

''دیکھئے امی اگر وہ محفوظ جگہ نہ ہوتی تو کس طرح اتنے بہت سے روپے ہمارے لئے بھیج سکتی ہو گی اور خوش ہو گی، اگر ہم نے اخبار میں اشتہار دیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ محفوظ ہونے کے بجائے خطرے میں پڑ جائے اور اشتہار کی وجہ سے اس کے دشمن اس تک پہنچ جائیں، آپ سمجھ سکتی ہیں میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں، آپ اطمینان رکھیں وہ خود ہم سے ایک بار ضرور رابطہ کرے گی، اتنے برسوں پر محیط محبت کے بندھنوں کو وہ اتنی آسانی سے توڑ نہیں پائے گی اور نہ ہی ہمیں بھلا سکی ہو گی۔''

شاہ زر نے جانے کس امید پر یہ سب کچھ کہہ کر ثریا بیگم کو اطمینان دلانے کی کوشش کی تھی اور ثریا بیگم اس کی تائید کرتی ہوئی شاہ زر کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔

ہدیٰ کو گھر چھوڑے ہوئے پورے سات سال ہو گئے تھے، شاہ زر نے انتھک محنت سے اپنا ایک مقام بنا لیا اس کی ضد پر انہوں نے شہر کے بہترین علاقے میں نیا گھر خرید لیا تھا اور وہاں شفٹ ہو گئے تھے البتہ پرانے محلے میں اپنا ایڈریس اس امید پر چھوڑ آئے تھے کہ اگر کبھی ہدیٰ یہاں آئے تو وہ اس ایڈریس کے ذریعے ان تک آسانی سے پہنچ سکے۔

☆☆☆

ہدیٰ شاہ کی ہاؤس جاب کا یہ پہلا دن تھا

اوراس کی ساتھی گروپ کی ڈاکٹرز جواس کی کلاس فیلوز بھی تھیں ہدیٰ کو خوفزدہ کر دیا تھا کہ وارڈ میں ان کے گروپ کے نگران کا چارج جس ڈاکٹر کو دیا گیا ہے وہ انتہائی سخت اور غصے والے ڈاکٹر ہیں کیونکہ وہ کسی قسم کی لاپروائی برداشت نہیں کرتے ہیں اور رولز اینڈ ریگولیشن کی بڑی سختی سے پابندی کراتے ہیں اور خود ہی ان پر سختی سے عمل کرتے ہیں لہٰذا کوئی شرارت یا بدتمیزی ٹائپ کی حرکت کی گنجائش نہیں ہے ان کے گروپ میں شامل زرشہ جو نہایت شوخ و چلبلی ٹائپ کی لڑکی تھی اور بے حد شرارتی بھی تھی اس کا آئیڈیا تھا نگران ڈاکٹر کے ساتھ کوئی چھوٹی سی شرارت ضرور کرنی چاہیے ورنہ وہ خواہ مخواہ ہی ان پر رعب جھاڑنا شروع کر دیں گے، اس لئے ہمیں اس سے پہلے ہی اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کر دینا چاہیے، مگر ہدیٰ شاہ نے ہمیشہ کی طرح زرشہ کی مخالفت کی تھی کیونکہ اسے غصے والے اساتذہ سے ہمیشہ ڈر لگتا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہاؤس جاب کے پہلے روز ان سب کے ساتھ ہدیٰ شاہ کی بھی ریپوٹیشن اکورڈ ہو اور فرسٹ امپریشن ہی خراب پڑے اور میڈیکل پروفیشن میں کسی قسم کی غیر ذمہ دارانہ حرکت کی گنجائش نہیں ہوتی ہے مگر زرشہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی، ہدیٰ کے سمجھانے کے باوجود باز نہیں آئی تھی اور مجبوراً ان سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

چونکہ ہاؤس جاب کے لئے نیو کمرز ڈاکٹرز کی ابتدائی پریکٹس کے لئے سینئرز ڈاکٹر کی مختلف وارڈز میں ڈیوٹی لگائی گئی تھی پانچ پانچ جونیئرز ڈاکٹرز کے گروپ بنا دیئے گئے تھے اور اتفاق سے ڈاکٹر شاہ زر کے گروپ میں ہدیٰ شاہ اور اس کے گروپ کی چاروں بیسٹ فرینڈز شامل تھیں لہٰذا جب وارڈز میں ڈاکٹرز کو ابتدائی ٹریٹمنٹ کی ٹریننگ دی جا رہی تھی ایک بیڈ پر شرارتاً زرشہ خود لیٹ گئی تھی اور مجبوراً ان لوگوں کو زرشہ علی کی غیر موجودگی کے بارے میں مجبوری بیان کر دی تھی۔

ڈاکٹر شاہ زر وارڈ میں داخل ہوئے تو زارا، شنذرا، ثمن کے علاوہ ہدیٰ شاہ بھی نروس ہو رہی تھی اور جیسے ہی شاہ زر پر ہدیٰ کی نظر پڑی کائنات کے ساتھ ساتھ جیسے اس کے اردگرد کی ہر شے بھی تھم سی گئی وہ خود بت بنی سامنے سے آئے شاہ زر کو پہچان کر اپنی جگہ پر جم سی گئی جبکہ زارا، ثمن اور شنذرا تیزی سے آگے بڑھیں اور شاہ زر ہدیٰ شاہ کی نظروں کا فسوں تھا کہ شاہ زر نے بھی نگاہوں کی تپش خود پر محسوس کرتے ہوئے اسی سمت میں دیکھا اور بے اختیار آنکھوں پر سے آئی گلاسز اتارے اور ایک ٹک ہدیٰ شاہ کو دیکھ رہے تھے۔

میں کچھ اس لئے بھی اس سے بچھڑ گیا محسن
وہ دور دور سے دیکھے ٹھہر ٹھہر کے مجھے

واقعی وہ دونوں اپنی اپنی جگہ وقت کی گردش میں آئے ہوئے ایک جگہ ٹھہر گئے تھے اور ایک دوسرے کو ٹھہر ٹھہر کے دور سے دیکھ رہے تھے۔

''گڈ مارننگ سر ہم پانچوں آئی مین ہم چاروں آپ کے گروپ میں شامل ہیں، میں زارا ہوں، یہ شنذرا اور یہ ثمن ہے۔'' زارا، ثمن اور شنذرا نے شاہ زر کے قریب آ کر ہیلو کہا تھا اور اپنا تعارف بھی کرایا تھا البتہ زارا نے ہدیٰ کی تلاش میں اردگرد نظریں دوڑائیں تھیں۔

''یہ ہماری بیسٹ فرینڈ ہدیٰ شاہ ہے یہ بھی ہمارے گروپ میں شامل ہے۔'' زارا نے دور کھڑی ہدیٰ شاہ کو ہاتھ پکڑ کے شاہ زر کے سامنے لا کھڑا کرتے ہوئے اس کا تعارف کرایا وہ بیچاری کب جانتی تھی کہ وہ جس ہستی کا شاہ زر سے تعارف کرا رہی ہے اسے تو وہ شاید جنم جنم سے جانتا تھا مگر ایک مدت تک اس سے بیگانہ رہا تھا۔

شاہ زر نے اپنے جذبات و احساسات کو کنٹرول کرتے ہوئے ان سب کو ساتھ لئے اپنے مطلوبہ بیڈ کی طرف بڑھے جہاں ڈمی کی جگہ جیتا جاگتا زرشہ علی کا وجود موجود تھا۔

''ایکسکیوزمی مس ہدیٰ آپ نروس کیوں ہیں؟'' ڈاکٹر شاہ زر نے ہاتھ میں اسٹھیسکوپ تھامے قریب کھڑی ہدیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا شاہ زر کتنا غصے والا تھا یہ ہدیٰ سے زیادہ کون جان سکتا تھا اس لئے وہ سوچ رہی تھی اب زرشہ علی کا کیا حشر ہوگا۔

ہدیٰ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے نہایت آہستہ آواز میں سر جھکاتے ہوئے کہا تھا۔

''واٹ از دس نان سینس۔''

ساتھ کھڑی ہیلپر نرس نے جیسے ہی بیڈ پر سے ڈمی کے اوپر سے چادر ہٹائی وہاں ایک جیتا جاگتا خوبصورت لڑکی کا وجود سامنے موجود تھا اور وہ بے چاری گھبرا کر اچھل کے پیچھے ہٹی اور ساتھ کھڑے شاہ زر نے انتہائی غضبناک انداز میں بیڈ پر آنکھیں بند کئے سفید گاؤن پہنے اور ہاتھ میں اسٹھیسکوپ کا آلہ لئے لیٹی زرشہ کی طرف دیکھا، شاہ زر کی دہاڑتی ہوئی آواز پر زرشہ نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں تھیں اور تقریباً چھلانگ لگانے کے انداز میں بیڈ سے کود کر اتری تھی۔

''آئی ایم سوری سر دراصل آج ہمارا پہلا دن تھا میرے ذہین و زرخیز دماغ میں یہ ترکیب آئی کہ میں یہ چھوٹی سی شرارت کروں، کیا کروں سر عادت سے مجبور ہوں اگر دن بھر میں دو تین شرارتیں نہ کروں تو کھانا ہضم نہیں ہوتا بس اسی وجہ سے امید ہے سر آپ نے معاف کر دیا ہوگا۔''

زرشہ علی نے سر جھکا کے نہایت مودب انداز میں کہا تو ڈاکٹر شاہ زر نے پہلے ہدیٰ کی طرف دیکھا اس کا چہرہ خوف سے سفید ہو رہا تھا کہ اب نجانے وہ کیا کہیں گے فوراً ہی شاہ زر کے ذہن میں ہدیٰ کے نروس ہونے کی وجہ سمجھ میں آئی اور وہ لمحوں میں کول ہو گیا۔

''اٹس اوکے۔''

''دیکھئے آپ سب آج میری ایک بات اچھی طرح نوٹ کر لیں کہ میڈیکل کا پروفیشن ایک انتہائی حساس اور سنجیدہ پروفیشن ہے اس میں کسی قسم کی شرارت یا نان سیریس ایٹی چیوٹ کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی اس لئے برائے مہربانی آئندہ ایسی کوئی شرارت نہیں ہونی چاہیے خاص طور پر آپ مس زرشہ علی دھیان رکھئے گا۔'' ڈاکٹر شاہ زر نے نرم لہجے میں تنبیہی انداز میں کہا ان کا سٹڈی پریکٹیکل کا ٹائم ختم ہوا تو وہ سب ریلیکس ہونے کے لئے کینٹین ہال کی طرف چل پڑیں۔

''ایکسکیوزمی مس ہدیٰ آپ میرے آفس میں آیئے۔'' ڈاکٹر شاہ زر نے ان سب کو کینٹین کی طرف جاتے دیکھ کر پیچھے سے آواز دے کر مخاطب کرتے ہوئے نہایت شائستہ اور سنجیدہ لہجے میں کہا اور پھر اپنے آفس کی طرف بڑھ گئے۔

''شرارت میں نے کی تھی اور شاید ڈانٹنے کے لئے ہدیٰ صاحبہ کو بلایا گیا ہے سنا ہے بڑے غصے کے ہیں۔'' زرشہ نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا اور وہ تینوں اس کی اس حرکت کا مفہوم سمجھ گئیں تھیں۔

''جاؤ جلدی جاؤ ورنہ وہ خود ہی مادام مس ہدیٰ شاہ کو لینے بہ نفس نفیس حاضر ہو جائیں گے۔'' شنذرا نے بھی زرشہ کی بات کو سمجھتے ہوئے مسکرا کے کہا۔

''تم سب کو تو میں واپس آ کر دیکھوں گی۔''

ہدیٰ نے پاؤں پٹختے ہوئے کہا اور شاہ زر کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔

''ضرور دیکھنا پہلے ڈاکٹر شاہ زر کو تو اطمینان

سے دیکھ لو جا کر پھر اگر اتنے ہینڈسم اور ڈیشنگ بندے کو دیکھنے کے بعد دل چاہے تو ہم بے رنگے بوتھوں کو بھی دیکھ لینا۔" زرشہ سے اسے چڑاتے ہوئے کہا اور ان چاروں کا مشترکہ قہقہہ ہدیٰ نے اپنے پیچھے سنا اور بے اختیار اس نے پلٹ کر اپنا ہاتھ منہ پر پھیرا کہ تم لوگوں کو بعد میں دیکھ لوں گی اور اس کی اس حرکت پر وہ چاروں مزید کھلکھلا کے ہنسی تھیں۔

☆☆☆

"مے آئی کم ان سر؟" ہدیٰ دروازے پر ناک کر کے تھوڑا سا اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

"یس کم ان پلیز۔"

ڈاکٹر شاہ زر نے کہا جو ریوالونگ چیئر سے کچھ فاصلے پر گلاس ونڈو سے باہر کا منظر دیکھ رہے تھے، آفس کی کھڑکی سے ہسپتال کے وسیع و عریض سرسبز لان کا نظارہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"سٹ ڈاؤن۔" شاہ زر نے اس کی طرف دیکھے بغیر تحکم بھرے لہجے میں کہا اور وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے سامنے رکھی آرام دہ چیئر پر بیٹھ گئی۔

"سچ سچ بتاؤ کیا واقعی تم نے گھر میری وجہ سے چھوڑا تھا؟ کیا تم مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہو؟"

شاہ زر نے پلٹتے ہوئے کہا اور گلاس ونڈز کے پردے پر برابر کر دیئے تھے اور ریوالونگ چیئر پر دونوں ہاتھوں کی کہنیاں ٹکاتے ہوئے براہ راست سامنے بیٹھی ہدیٰ شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پلیز اتنے عرصے بعد گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہیں؟ کچھ باتیں ان کہی رہیں تو اچھا ہوتا ہے، کم از کم بھرم تو قائم رہ جاتا ہے۔" ہدیٰ شاہ نہایت آہستہ سے سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"ان کہی باتیں ہمیشہ انسان کو دکھ دیتی ہیں اس لئے جو کچھ انسان کے دل میں ہوں اسے کہہ دینا چاہیے ورنہ کبھی کبھی عمر بھر پچھتاوؤں کی ان دیکھی آگ میں جلنا پڑتا ہے جیسے میں جل رہا ہوں ایک مدت سے اور اس جیتے جاگتے وجود کے اندر صرف راکھ کا ڈھیر باقی بچا ہے ہاں راکھ کے اس ڈھیر میں امید کی چند چنگاریاں باقی ہیں جنہیں اس وقت کا انتظار ہے جب کوئی انہیں پھر سے ہوا دے کر بھڑکتے شعلوں کی آنچ کو چاہے تو اور بھڑکا دے یا ہمیشہ کے لئے اپنے امرت بھرے لہجے میں لفظوں کے قطروں سے ان چنگاریوں کو ہمیشہ کے لئے بجھا دے، تم میرے لئے جو بھی سزا تجویز کرو گی مجھے قبول ہو گی مگر دشت تنہائی کے اس صحرا میں ایک طویل مدت سے بے آس و نامراد بھٹکتے بھٹکتے میں تھک گیا ہوں اور اب تمہارے وجود کی گھنی چھاؤں تلے آرام کرنا چاہتا ہوں، میں اعتراف کرتا ہوں تمہارے جانے کے بعد میرے گرد تنے بے رحمی کے مضبوط خول کے اتنے ریزے ٹوٹ کے بکھرے کہ میں آج تک ان ریزوں کو اکٹھا کر رہا ہوں مگر میرا اپنا آپ پھر سے بکھرتا چلا جاتا ہے، تم بتاؤ کہ میں اپنے کرچی کرچی وجود کو کس طرح سمیٹوں؟"

شاہ زر نے اتنے دنوں کی آبلہ پائی کا جھیلا ہوا عذاب لفظوں کی صورت میں اس کے حوالے کرتے ہوئے جواب طلب نظروں سے ہدیٰ شاہ کی طرف دیکھا۔

"کہنے کے لئے میرے پاس بھی بہت کچھ ہے مگر میں صرف اتنا پوچھنا چاہوں گی کہ کیا آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، میں نے سوچا تھا کہ زندگی میں ایک بار ضرور آپ سے ملوں گی اور یہ سوال پوچھوں گی جو برسوں سے میں نے اپنے

ل کے نہاں خانوں میں دبا رکھا تھا کیونکہ اس وقت مجھے حقیقت کا علم نہیں تھا کہ میرے نام کے ساتھ آپ کا نام بہت پہلے جوڑ دیا گیا ہے جب سے حقیقت کا علم ہوا تو میں اس گھر کو چھوڑنے کا قطعی فیصلہ کر چکی تھی اور اپنی منزل اپنے نام اور خاندان کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی تھی اور خدا کا بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے مایوس نہیں کیا اور مجھے میرے اپنوں سے میرے نانا اور نانی اماں سے ملا دیا اور پھر میں نے ان کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا لیکن میں نے بہت پہلے سوچ لیا تھا کہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار آپ سے ضرور ملوں گی تاکہ اپنی منزل کا تعین کر سکوں۔''

''میں اپنے کیے ہوئے سوال کے جواب کی منتظر ہوں کیا آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں؟'' ہدیٰ نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا اور اس لمحے اس کے سر کے ساتھ ساتھ نگاہیں بھی جھکی ہوئی تھیں۔

''ہدیٰ۔'' شاہ زر نے کچھ لمحوں بعد اسے پکارا۔

''ادھر میری طرف دیکھو...... کیا تمہیں میری آنکھوں میں نفرت کے رنگ دکھائی دیتے ہیں؟'' شاہ زر نے برسوں کی دل میں پلتی اس کی محبت کو لمحوں میں سمیٹ کر اپنی آنکھوں میں سمو دیا تھا اور چمکتی جذبے لٹاتی نظروں سے اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے تم سے محبت تھی ہے اور ہمیشہ رہے گی مگر اس وقت میں یہ اعتراف تم سے بلکہ خود سے کرنے سے بھی خوفزدہ تھا جانے کیوں میں تم سے شکست کھانا نہیں چاہتا تھا، تمہاری ذہانت، تمہاری معصومیت اور تمہارے بے پناہ دلکش حسن سے متاثر تھا مگر شاید میں اس وقت یہ حقیقت تسلیم

کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا کہ تمہارے معصوم دلکش پاکیزہ حسن نے مجھے تسخیر کرلیا ہے اسی لئے میں نے تمہارے تصور سے بچنے کے لئے گریز و بے زاری کی راہ اختیار کی مگر آج میں تسلیم کرتا ہوں کہ تمہاری ذات کی زبردست کشش اور محبت کے الوہی جذبے نے میرے اندر باہر کے مصنوعی خول کو توڑ کے پاش پاش کر دیا تھا، میرا ریزہ ریزہ وجود پھر سے یکجا ہوسکتا ہے اگر تم یہ اقرار کرو کہ اس محبت کی اس دلفریب اور روشن راہ گزر پر تم میرے ساتھ ہمقدم رہوگی۔'' شاہ زر نے بڑے مان اور پر امید نگاہوں سے ہدیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''برے تو آپ مجھے کبھی نہیں لگتے تھے مگر جب مجھے اپنے اور آپ کے مابین بندھے بندھن کی حقیقت وسچائی کا علم ہوا تو صحیح معنوں میں آپ سے دور جانے کے بعد آپ کی کمی کو بڑی شدت سے محسوس کیا کرتی تھی آہستہ آہستہ نجانے کب آپ کی محبت میرے اندر الہام بن کر اتر گئی اور مجھ پر آگہی کے در وا ہوتے چلے گئے کہ میں بہت پہلے سے آپ کو چاہتی تھی مگر اپنے جذبات و احساسات کو محبت کا نام شعور کی پہلی منزل پر پہنچ جانے کے بعد دے پائی مگر اس وقت میرے پاس کچھ کہنے سننے کا وقت نہیں تھا میں جلد از جلد اپنی ذات کی شناخت ڈھونڈنا چاہتی تھی کہ اصل میں میری اساس کیا ہے سو میں نے ڈھونڈ لیا اور اب ان کی پر شفیق پناہ میں ہوں۔''

شاہ زر کی طرف دیکھتے ہوئے ہدیٰ نے بڑے پر اعتماد لہجے میں اپنے اقرار کو لفظوں میں پروتے ہوئے شاہ زر کے خالی دامن میں ڈال کر مطمئن ہوکر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالیا۔

شاہ زر اس کا اقرار سننے کے بعد بے اختیار ہوکر اس کی طرف بڑھا اور اس کے نزدیک پہنچ کر ٹھہر گیا، اس کی قربت کے پر لطیف احساس کو محسوس کرکے ہدیٰ نے لمبی سیاہ پلکیں اٹھاتے ہوئے شاہ زر کی طرف دیکھا۔

''آؤ گھر چلیں تاکہ مدت سے تمہاری دید کی پیاسی ترسی ہوئی منتظر آنکھوں کی پیاس بجھ سکے، امی اور ابو ایک مدت سے خدا کے حضور سر بسجود ہوکر تمہاری سلامتی و خیریت کی دعائیں مانگتے رہے ہیں آج وہ تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر کتنا خوش ہوں گے یہ میں لفظوں میں بتا نہیں سکتا تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ اور محسوس کرلینا۔''

شاہ زر نے ہدیٰ کے ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا، آج ایک مدت کے بعد ہدیٰ شاہ کی منزل خود چل کر اس کے سامنے آگئی تھی اس نے اپنے سامنے پھیلے محبت بھرے ہاتھوں کو تھامنے میں دیر نہیں لگائی تھی اور کرسی سے اٹھتے ہوئے شاہ زر کے ہمقدم چلتے ہوئے محبتوں کی روشن اور خوشبوؤں کی مہکتی راہوں پر قدم بڑھا دیا تھا اور دل ہی دل میں اپنے پروردگار کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے اپنی کھوئی ہوئی محبت کو اپنے خالی دامن میں سمیٹتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

☆☆☆

اسیر
صدف آصف

عہدِ وفا

ایمان پریشے کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا مُنفرد ناول، مُحبت کی داستان جو معاشرے کے رواجوں تلے دب گئی، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

بُجھ نہ جائے دِل دیا

سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، مُحبت، نفرت، عداوت کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

قفس کے پنچھی

سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، علم و عرفان پبلشرز لاہور کے تعاون سے جلد، **کتابی شکل** میں جلوہ افروز ہو رہا ہے۔

آن لائن پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

جہنم کے سوداگر

مُحمد جبران (ایم فِل) کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ایکشن ناول، پاکستان کی پہچان، دُنیا کی نمبر 1 ایجنسی آئی ایس آئی کے اسپیشل کمانڈو کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

شہیدِ وفا

مُسکان احزم کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ناول، پاک فوج سے مُحبت کی داستان، دہشت گردوں کی بُزدلانہ کاروائیاں، آرمی کے شب وروز کی داستان پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

آپ بھی لکھیے:

کیا آپ رائٹر ہیں؟؟؟۔ آپ اپنی تحاریر پاک سوسائٹی ویب سائٹ پر پبلش کروانا چاہتے ہیں؟؟؟
اگر آپکی تحریر ہمارے معیار پر پُورا اُتری تو ہم اُسکو عوام تک پہنچائیں گے۔ مزید تفصیل کے لئے یہاں کلک کریں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام، پاکستان کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی کتابوں کی ویب سائٹ، پاکستان کی ٹاپ 800 ویب سائٹس میں شُمار ہوتی ہے۔

اشیر نواز کے گھر پر سب نے مل کر دھاوا بول دیا۔ مزیدار کھانے کے بعد لاؤنج میں بیٹھک جمائی گئی اور بڑی زور و شور سے گپ شپ جاری تھی۔ ان سب دوستوں میں اشیر کا گھر ایسا تھا جہاں بے وقت بھی جایا جا سکتا تھا۔ اس لیے اکثر ویک اینڈ پر یہاں محفل جمائی جاتی۔ باتوں باتوں میں بات اس کی شادی کا موضوع نکل آیا، اصل میں وہ اپنے دوستوں میں واحد اکیلا رہ گیا تھا۔ باقی سب یا تو شادی شدہ یا پھر منگنی شدہ تھے، مگر اس کی نیا ابھی تک بیچ منجدھار میں پھنسی ہوئی تھی اور ساحل ہنوز دور تھا۔

''یار۔۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس عید کی چھٹیوں میں ایک دن چل کر فارم ہاؤس میں گزارتے ہیں'' اس نے داد طلب نگاہوں سے سب کو دیکھتے ہوئے تجویز پیش کی۔

''اوہ۔۔ بھائی دماغ چل گیا ہے۔۔ بیگم سے پٹواؤ گے کیا؟'' وہ سب ایک ساتھ چلائے۔

''یار۔۔ تمہاری تو شادی نہیں ہوئی مگر ہماری عید بیوی بچوں کے ساتھ بہت مصروف گزرتی ہے'' بات ہنسی مذاق سے نکل کر طعنوں تک جا پہنچی۔ کوئی کچھ کہہ رہا تھا تو کوئی کچھ۔ ایک نے اسے سدا بہار کنوارا کہہ دیا۔ دوسرا تو حد سے بڑھ گیا اور اسے کنواروں کی ایسوسی ایشن کا صدر بنا دیا۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتے ہوئے بظاہر مسکرانے لگا۔

''ہاں۔۔ بھئی تو کیا یہ عید بھی بغیر سجنی کے گزرے گی؟'' ارشد نے محفل کے برخاست ہونے پر دوبارہ سے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

''تو کیا کروں۔۔ یار۔۔ کوئی ڈھنگ کی لڑکی نظر آئے تو نا، اشیر نے بیچارگی سے کاندھے اچکاتے ہوئے دل کی بات کہی۔

''ہاں۔۔ بھئی، لڑکی کو دیکھ کر جب تک شہزادے کے دل کی گھنٹی نہیں بجے گی۔۔ یہ شادی نہیں کرنے والا۔'' احسن نے طنزیہ انداز اپنایا۔ اس کے انداز پر سب ہنس دیئے پر حقیقت میں اشیر کو ان کی باتیں بہت چبھیں۔ عجیب سی تضحیک کا احساس ہوا' شاید یہی لمحہ تھا کہ اس نے فیصلہ کیا کہ دل کی گھنٹی بجے نہ بجے وہ اس عید سے پہلے ان سب کو شادی کر کے دکھائے گا۔

☆☆☆☆☆☆

اسیر کی ماں کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا، دونوں بہنوں سے وہ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا کیوں کہ انہوں نے ماضی میں اسے لاتعداد لڑکیاں دکھائیں مگر وہ راضی نہ ہوا، اس کے مسلسل انکار پر تھک ہار کر وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔ اشیر نے آس پاس نگاہ دوڑائی خاندان میں اس کے جوڑ کی ساری لڑکیاں پیا دیس سدھار گئی تھیں، پاس پڑوس میں بھی ساری بھابیاں یا باجیاں رہتی تھیں، وہ سر تھام کر بیٹھ گیا یوں لگا جیسے کسی بھول بھلیاں میں آ پھنسا ہو۔ کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا تو باری باری دونوں بہنوں کی طرف چکر لگا ڈالے، بھانجے بھانجی کے ساتھ کھیلا، بہنوئیوں کی لایعنی باتوں پر سر دھنا اور پھر بہنوں کے ہاتھ کے مزیدار کھانا کھانے کے بعد چپ چاپ گھر کی راہ لی۔ منہ سے شادی کی بات نکالنے کی جرات نہ کر سکا، ان دونوں کے سامنے اس کا پچھلا ریکارڈ اتنا خراب تھا، یا پھر جن لڑکیوں کو ٹھکرایا تھا یہ ان کی بدعاؤں کا نتیجہ تھا کہ ہمت جواب دے گئی۔ اس کے باوجود اشیر کا مصمم ارادہ تھا کہ یہ عید تو وہ اپنی بیوی کے سنگ گزارے گا۔ اور مذاق اڑانے والے سارے دوستوں کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ سوال یہ تھا کہ اتنی جلدی میں ایک ڈھنگ کی لڑکی کہاں سے دستیاب ہو۔ ویسے تو اشیر میں کوئی کمی بھی نہ تھی، پڑھا لکھا، اعلیٰ جاب پر فائز، شکل صورت میں بھی ہزاروں سے بہتر تھا بلکہ دیکھنے میں شہزادہ لگتا تھا تو پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ کوئی بہت بڑی خواہش تو نہ تھی ایک من پسند لڑکی چاہی تھی جسے دیکھتے ہی دل کی گھنٹی بج اٹھے۔

☆☆☆☆☆☆

آفس سے واپسی پر اپنے گھر کے قریب واقع پارک میں فیورٹ ٹریک پر واک کرتے ہوئے سوچ و بچار میں مشغول تھا کہ یکدم گہری سرمئی گھٹا اٹھی اور تیز ہوا چلنے

لگی۔ دن بھر کی تپش اور حبس کے بعد موسم کی یہ ادا اسے سرشار کر گئی۔ اشیر نے مزے سے منہ اوپر کیا اور ہلکی ہلکی پھوار کو چہرے پر انجوائے کرنے لگا۔ اچانک کوئی چیز بڑی زور سے آ کر پیروں سے ٹکرائی، اس نے بھنا کر نیچے دیکھا تو فٹ بال پڑی تھی۔

''یہ کس کی ہے؟'' اس نے بال پر پیروں سے ہلکی سی کک لگا کر ادھر ادھر دیکھا۔

''سوری۔۔انکل۔۔۔وہ گلطی (غلطی) ہو گئی''

ایک باربی ڈال کہیں سے نکل کر آئی اور ہونٹ لٹکا کر معذرت کرنے لگی۔

''ہوں۔۔تو یہ بال آپ کی ہے؟'' اشیر اتنی پیاری سی پھولے گالوں والی بچی کو دیکھ کر مسکرایا۔

''جی۔۔۔یہ سارہ کی بال ہے'' اس نے آنکھیں پٹ پٹائیں۔

''سارہ۔۔کون؟'' وہ کنفیوز ہوا۔

''سارہ۔ میں نا۔ اول۔ (اور)۔ کون'' اس نے انگلی اپنے اوپر رکھ کر اسے یوں دیکھا جیسے وہ بہت نادان ہو، اشیر کی ہنسی نکل گئی۔

''اوہ۔۔تو سارہ جی۔۔ایک شرط پر معافی ملے گی۔۔اگر آپ میرے ساتھ اس بال سے کھیلیں'' وہ شرط لگانے لگا۔

''نئی۔ (نہیں)۔۔وہ۔ ممی۔۔بلالی۔۔ہیں'' اس نے دو پونی والے سر کو زور زور سے ہلاتے ہوئے تتلا کر کہا۔

''سارہ۔۔تم۔۔کیا کر رہی ہو۔۔منع کیا ہے۔۔نا کہ اجنبیوں سے زیادہ فری نہیں ہوتے'' اشیر کے کانوں میں سر بکھرتے چلے گئے۔ سامنے دیکھا تو ایک کامنی سی لڑکی درخت کی اوٹ سے نکل کر آ رہی تھی اور اس کی طرف دیکھے بغیر بچی کو جھاڑتی ہوئی گھسیٹ کر واپس چل دی۔ سارا منظر جیسے لمحے بھر میں ماضی بعید ہو گیا۔ وہ بس اس لڑکی کو دیکھتا چلا گیا۔ جو بچی کو مسلسل ڈانٹتی چلی جا رہی تھی۔ جاتے ہوئے سارہ نے مڑ کر اسے دیکھا اور زور زور سے ہاتھ ہلایا۔ اس ہبڑ دبڑ میں اشیر کو پتا ہی نہیں چلا کہ دل کی گھنٹی بڑے زور زور سے بج رہی ہے۔ جب اسے احساس ہوا تو سر تھام کر رہ گیا، لڑکی بغیر کوئی نام پتا بتائے جا چکی تھی۔ ساتھ میں روح فرسا بات یہ ہوئی کہ ایک طویل انتظار کے بعد جب من پسند لڑکی ملی بھی تو وہ کسی اور کی ممی نکلی۔ اشیر اداس سا منہ بنائے پارک کے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

اسے قسمت کے اس اتفاق پر حیرانگی تھی۔ کون سے چاند تارے مانگے تھے، ایک من پسند ساتھی چاہا تھا مگر وہ بھی مل کر اسے مزید ادھورا کر گیا۔ نہ کوئی شناسائی، نہ کوئی بات چیت، نہ ہی درمیاں میں چاہت کے دعوی پھر بھی وہ اس کے خیالوں پر حاوی ہو گئی۔ تمام ملامتوں کے باوجود کہ وہ ایک میرڈ لڑکی کو اپنے دل میں جگہ دے رہا ہے۔ ایک دو بار اس کے والد نے بھی پوچھا بھی کہ کیا پریشانی ہے؟ تم اتنے چپ چپ کیوں رہنے لگے ہو؟'' مگر اسکے پاس کوئی جواب ہوتا تو دیتا۔ کچھ نہیں بابا کہہ کر خاموش ہو جاتا۔

☆☆☆☆☆☆

''اشیر بیٹا۔۔اٹھ جاؤ۔۔آج کیا دفتر نہیں جانا'' ایک خلیق آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ تو اس نے چادر میں سے منہ نکالا، گھڑی کی طرف دیکھا۔ آٹھ بج چکے تھے۔ وہ اچھل کر کھڑا ہوا۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے صبح وقت پر آنکھ نہ کھل سکی۔

''سوری۔۔پاپا۔۔لیٹ ہو گیا ہوں'' اس نے بالوں کو ہاتھوں سے درست کرتے ہوئے نگاہیں چرائیں۔

''برخوردار۔۔ایک منٹ رکو'' اس کے والد اپنی مخصوص دوستانہ مسکراہٹ، کے ساتھ اس کا ہاتھ تھام کر بولے۔

''کیا ہوا پاپا'' اس نے جمائی روکتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''بیٹا جی۔ جانے سے۔ پہلے۔ مجھے یہ تو بتاؤ کہ تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟'' آنکھوں میں بے تحاشہ پیار سمیٹے مقابل کھڑے ہو کر وہ اس کے اندر جھانکنے لگے

''کچھ نہیں۔۔ پاپا'' پہلے تو وہ انہیں ٹالتا رہا لیکن وہ بھی بضد تھے کہ کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔

''میں۔۔ تمہیں۔۔ ایسے جانے نہیں دوں گا'' ان کے پرزور اصرار پر اسکے منہ سے حال دل نکلا۔

''کیا۔۔ سارہ کی ممی'' نواز علوی جو ہمیشہ سے اپنے بچوں کے لیے باپ سے زیادہ دوست ثابت ہوئے اس کی بات سن کر پہلے تو بھونچکا رہ گئے پھر اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے اسے ساتھ لگا کر دلاسہ دینے لگ گئے۔ اس سے زیادہ اب ہو بھی کیا سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

دھوپ کی شدت اور گرمی نے ہر ذی روح کو پریشان کر رکھا تھا، رات بھر جاگنے کی وجہ سے اشیر کی طبعیت پر بھی سستی سی چھانے لگی۔ لنچ ٹائم میں ہی گھر جانے کو اٹھ کھڑا ہوا۔ گاڑی گھر کے راستے پر ڈالی۔ سڑکیں خاصی سنسان دکھائی دے رہی تھیں، شاید ٹرانسپورٹ کی ہڑتال تھی وہ یونیورسٹی روڈ سے گزر رہا تھا کہ دل کی گھنٹی بجنے لگی۔ اشیر کے پیر بے اختیار بریک پر دباؤ ڈالتے چلے گئے۔ گاڑی بس اسٹاپ کے نزدیک جا رک گئی، دھوپ کی تپش سے سفید رنگت سے گلابیاں چھلکتی دکھائی دیں، سرخی مائل نازک سے ہونٹ خشک لگے' آنکھوں کے بوجھل پپوٹوں پر ٹھہرا ہلکا سا گلابی پن' سیاہ گھنیری پلکیں جھپکاتی وہ اپنے لمبے قد کے ساتھ نمایاں نظر آ رہی تھی۔ وہ ہی کامنی سی سارہ کی ممی۔ جسے دیکھ کر دل میں یہ ہی خیال آتا تھا کہ فطرت کی صناعی کا اعلی نمونہ ہے۔ جس کو کسی مصنوعی آرائش کی حاجت نہیں۔ اشیر نے بغور دیکھا تو وہ اسے کچھ پریشان حال سی کھائی دی۔

ہڑتال کی وجہ سے اکا دکا گاڑیاں روڈ پر چلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں اور شاید اسے کہیں جانا ہو۔ کچھ سوچ کر اشیر نے بڑے مہذبانہ انداز میں قریب جا کر اسے لفٹ کی آفر دی۔ پہلے تو وہ چونک گئی فوراً ہی انکار میں سر ہلا دیا۔ پھر اشیر کے اصرار اور کچھ حالات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے وہ جھجکتے ہوئے اس کے ساتھ جانے پہ راضی ہو گئی۔ مختصر سے سفر میں بھی ان دونوں کے بیچ اجنبیت کی دیوار قائم رہی۔ پورے راستے وہ پچھلی سیٹ پر دوپٹہ سر پر ٹکائے، ہاتھ میں تھامی فائل سینے سے لگائے بڑے پر تکلف انداز میں بیٹھی رہی۔

''ٹرانسپورٹ کی ہڑتال میں گھر سے نکلنا پریشانی کا باعث بن جاتا ہے'' اشیر نے خاموشی کو توڑنے کے لیے بے ضرر سی بات چیت شروع کی۔

''جی۔ مجھے پتا ہے، مگر میں بھائی کے ساتھ صبح اپنی ڈگری لینے یونیورسٹی آئی تھی، واپسی میں بھی ان کو ہی لینے آنا تھا مگر آفس میں ہو جانے والی میٹنگ کی وجہ سے وہ پھنس کر رہ گئے۔ شام تک انتظار کرنے سے بہتر یہ ہی سمجھا کہ خود ہی چل دوں'' اس کی دلکش آواز کانوں میں رس گھولنے لگی۔

''اوہ۔۔ اچھا۔۔'' وہ گیئر بدلتے ہوئے سر ہلانے لگا۔

''سارہ کیسی ہے؟'' اس نے کچھ دیر بعد مڑ کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''آپ۔۔ پلیز۔۔ مجھے یہاں کونے پر اتار دیجیے گا۔'' اشیر ابھی اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت اپنے اندر جمع کر رہا تھا کہ وہ کچھ گھبرائے گھبرائے لہجے میں بولی۔

''جی۔۔ اچھا'' گھر دیکھنے کی خواہش من میں مچلتی رہ گئی اور اشیر نے اس کی ہدایت پر مین روڈ کے سائیڈ پر لے جا کر گاڑی روک دی۔

''بہت شکریہ جناب۔۔'' سارہ کی ممی نے اترنے کے بعد کھڑکی سے جھانک کر شکریہ ادا کیا اور فائل سینے سے لگائے، رہائشی علاقے کی جانب بڑھ گئی۔

''یہ کہیں سے بھی شادی شدہ نہیں لگتی'' اسکی کم عمری اور نازک سے وجود کو مسلسل تکتے ہوئے اس نے سوچا۔

سارہ کی مما نے جاتے جاتے ایک بار مڑ کر دیکھا تو اپنی یہ بے خودی اسے خود بھی شرمسار کرنے لگی۔

''وہ بھی بھلا کیا سوچتی ہو گی کہ میں ایک سطحی سوچ رکھنے والا

لڑکا ہے جو۔ یوں سرِ راہ ملنے والی لڑکی کو دیکھ کر بے قابو ہونے لگا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ شادی شدہ ہے، ایک بچی کی ماں ہے۔'' وہ خود کو سرزنش کرنے کے بعد قسمت کے اس عجیب اتفاق پر مسکراتا ہوا وہاں سے گاڑی بھگا لے گیا۔

☆☆☆☆☆☆

صاب۔۔ یہ گاڑی صاف کرتے ہوئے تمہارا کوئی کاگز (کاغذ) ملا ہے'' خان چاچا نے صبح آفس کے لیے نکلتے ہوئے پورچ میں کھڑے ہو کر اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

''کاغذ۔ کیسا کاغذ؟'' وہ حیرت زدہ سا بولا اور ان کے ہاتھ میں پکڑا ہوا سفید لفافہ تھام لیا۔

''۔ یہ۔ ام (ہم) کو پیچھے والی سیٹ سے ملا ہے'' اس نے کاندھے اچکا کر بتایا۔

''اوہ۔۔ یہ تو سارہ کی ممی علمی اسناد تھیں۔ گویا وہ جاتے ہوئے اپنی اہم چیز بھول گئی یا شاید پیپر اس کی لاعلمی میں فائل سے نکل کر گر گئے'' اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

اشیر نے کاغذات پڑھے تو اس میں نام کے ساتھ ساتھ ایک ایڈریس بھی لکھا ہوا تھا۔ نام پر وہ چونک گیا پھر بے اختیار ہنسی لبوں تک آئی۔

'محمودہ بیگم'' نام تو بڑی بوڑھیوں والا ہے'' اس نے ہنستے ہوئے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''محمودہ۔ بیگم۔۔'' اشیر زیرلب یہ نام دہرانے لگا، ۔اس کا تصور ذہن میں آیا تو منہ میں ایک حلاوت سی گھل گئی، یہ نام بھی اچھا لگنے لگا، پھر ایک شادی شدہ لڑکی کے لیے اپنی سوچ پر خود کو پھٹکارتا ہوا گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ فوری طور پر دل چاہا کہ لکھے ہوئے ایڈریس پر لے کر ڈاکومنٹس پہنچ جائے مگر یاد آیا کہ ابھی تو آفس جانا ضروری ہے۔ اس نے گہری سانس لیتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کیا اور واپسی میں یہ اہم فریضہ انجام دینے کا سوچا شام کو واپسی پر وہ سارہ کی امی کی تلاش میں نکلا اور جلد ہی ڈھونڈ لیا۔

☆☆☆☆☆☆

اشیر نواز نے درمیانے درجے کے مکان کے سامنے کھڑے ہو کر سیاہ دروازے کے سائیڈ میں لگی ہوئی بیل بجائی۔

''یہ۔۔ ٹائم ہے۔۔ تمہارے آنے کا؟'' چنی آنکھوں اور کھچڑی زدہ بالوں والی بوڑھی عورت دروازہ کھولتے ہی اس پر چڑھ دوڑی۔

''جی۔۔ وہ۔۔۔ میں'' وہ اس افتاد پر ہکلانے لگا۔

''ہائے۔۔ اللہ۔۔ صبح سے نلکا بہہ رہا ہے۔ پوری ٹنکی خالی ہونے والی ہے۔ پتا ہے نا کہ ہمارے علاقے میں پانی کی کتنی قلت ہے'' ان کی ناراضی کسی طرح ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''میری بات تو سنیں۔۔'' اس نے بولنے کے لیے منہ کھولا، انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ کرا دیا۔

''ناس پیٹے۔۔ پتا بھی ہے کہ رمضان شروع ہونے والے ہیں۔۔ یہ نہیں کہ جلدی آکر کنکشن ٹھیک کر جاتے مگر بیٹھا ہوگا ڈبو کی دکان پر'' وہ چنی آنکھوں کو بڑی بنا کے اسے گھورنے کی کوشش میں ناکام ثابت ہوئیں۔

''دیکھیں۔۔ آنٹی میں وہ نہیں جو آپ سمجھ رہی ہیں'' وہ سمجھ گیا کہ بڑی بی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

آئیں کیسی غلط فہمی۔۔۔؟ تم شیدے پلمبر نہیں ہو؟'' راشدہ بیگم طنز سے بولیں۔

''نہیں جی۔۔ میں تو یہ ڈاکومنٹس دینے آیا تھا'' اس نے زچ ہوتے ہوئے لفافہ ان کی جانب بڑھایا۔

''اوہ۔۔ معاف کرنا بیٹا۔۔ چشمہ نہیں لگایا نا۔۔ نظر کم آتا ہے۔ صبح سے۔ کم بخت شیدے کو بلوایا ہوا شام سر پر آگئی مگر اس کا کوئی اتا پتا نہیں ملا'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولیں۔

۔اور وہ تم نے کیا کہا

ڈاکومنٹس۔۔ ہاں۔۔ ہاں۔۔ میری می می کل سے پورے گھر میں بولائے پھر رہی ہے کہ ہائے میرے

کاغذات گم ہو گئے'' خاتون بولنے کی شوقین لگتی تھیں۔
''آ جاؤ۔۔۔اندر۔۔آ جاؤ'' غصہ بھول بھال۔خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے اصرار کر کے اندر لے گئیں۔

☆☆☆☆☆☆

اشیر اندر داخل ہوا تو جی خوش ہو گیا، صاف ستھرا دھلا دھلایا صحن اور کیاری میں ترتیب سے لگائے گلاب کے پودے، بڑی بی نے اسے تخت کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھنے کی پیش کش کی اور خود تخت پر چڑھ کر بیٹھ گئیں۔
پورے گھر میں سکون بھری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔اس نے ایک ہی نظر میں سارے گھر کا جائزہ لے ڈالا۔مگر نہ ہی سارہ دکھائی دی اور نہ اس کی ممی۔بڑی بی نے اس کے یوں گردن گھمانے پر کھنکھارا۔
''سارا نظر نہیں آ رہی۔۔۔'' وہ ان کی جانب متوجہ ہو گیا، بہانے سے بچی کا ذکر نکالا۔
''آئے سارہ یہاں کہاں سے ہو گی۔؟'' راشدہ بیگم نے سر پر ہاتھ مارا۔
''۔چھٹی والے دن بھی نانی کے یہاں بڑی مشکل سے آتی ہے۔۔۔جب سے اسکول میں داخلہ ہوا ہے، اس کی ماں یوں پڑھائی کی پیچھے دیوانی بنی پھرتی ہے، جیسے بچی ڈاکٹری پڑھ رہی ہو۔۔'' ہاتھ جھاڑتے ہوئے انہوں نے تفصیل سے بتایا۔
''جی۔۔اچھا۔۔'' اس نے سر ہلایا۔
''اس کا مطلب ہے کہ یہ ان دونوں کا گھر نہیں'' اشیر نے خود سے اندازہ لگایا۔
ہاں تو بیٹا۔۔آپ کو محمودہ کے کاغذات کہاں سے ملے؟'' وہ پاندان سرکاتے ہوئے متجسس لہجے میں بولیں۔
''جی۔۔وہ میری گاڑی میں رہ گئے تھے'' بے خیالی میں اسکے منہ سے سچ نکل گیا۔
''گاڑی میں۔۔۔اے مگر کیا یہ اڑ کر تمہاری گاڑی میں پہنچ گئے؟'' وہ ایک دم کھکھلائیں تو وہ گڑبڑا گیا۔
''جی۔۔وہ اصل میں کل جب میں نے ان کو چھوڑا تھا تو ایک لفافہ میری گاڑی میں رہ گیا تھا'' ہڑتال کی وجہ سے وہ اسٹاپ پر پریشان کھڑی تھی تو میں نے ہی اُن کو گھر چھوڑا تھا دراصل میں نے ایک دو بار اُن کو سارا کے ساتھ واک کرتے دیکھا تھا تو سارا سے ہیلو ہائے کی تھی
اشیر نے وضاحت سے جواب دیا۔
اس نے ڈرتے ڈرتے پوری بات بتائی اور ان کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔
او۔اچھا۔اچھا، بیٹا۔۔یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟
میری محمودہ۔زبان کی تھوڑی کڑوی ہے مگر دل کی بہت اچھی ہے۔۔؟'' وہ رازداری سے بتانے لگیں۔
''یہ۔۔آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ بڑی بی کیا بتانا چاہ رہی ہیں۔سو میں آج کل اس کے لئے رشتہ تلاش کر رہی ہوں تمہاری نظر میں کوئی اچھا لڑکا ہو تو بتانا، ارے لو تم سے یہ پوچھا ہی نہیں کہ تم شادی شدہ ہو کیا؟
اس کا ہاتھ دبوچ کر بڑی محبت سے پوچھا۔وہ ششدر سے بیٹھا ان کا منہ تکنے لگا، اتنے میں دروازہ بڑی زوردار آواز سے کھلا۔
''اماں۔۔۔'' محمودہ بیگم نے انٹری دیتے ہی پکارا مگر وہ تو دل میں بجنے والی گھنٹیوں کی طرف متوجہ تھا۔
''اماں۔۔یہ کیا بول رہی ہیں۔۔؟'' ماں کے ڈائلاگ شاید اس کے کانوں میں پڑ چکے تھے، دروازے پر کھڑے ہو کر چلائی۔

☆☆☆☆☆☆

''بیٹا۔۔اس لڑکی کی باتوں میں نہ آنا۔۔جو رشتہ آتا ہے منع کر دیتی ہے۔۔ویسے تم کماتے کتنا ہو'' وہ بیٹی کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے اس سے سوال جواب کرنے میں مگن ہو گئیں۔
''ایک بات بتائیں۔۔آنٹی۔۔آپ اپنی شادی شدہ بیٹی کی شادی کیوں کروانا چاہتی ہیں؟'' اس نے گڑبڑا کر پوچھا۔

''شادی۔۔۔شدہ۔۔۔میں آپ کو کہاں سے میرڈ لگتی ہوں'' اس کی توپوں کا رخ ماں سے ایک دم اشیر کی جانب گھوم گیا

''کیا۔۔مطلب۔۔۔وہ۔۔۔اس دن سارہ نے بتایا تھا۔۔۔'' ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے اشیر نے جلدی سے بچی کا نام لیا۔

''کیا بتایا تھا سارہ نے؟'' کمر پر ہاتھ رکھ کر اس نے لڑنے والے انداز میں پوچھا۔

''یہ ہی کہ ممی بلالی ہیں'' اس نے تتلا کر بچی کی نقل اتاری۔ دونوں ماں بیٹیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور قہقہہ مار کر ہنستی چلی گئیں۔

''اف۔۔۔اب کیا ہوا؟'' وہ کرسی چھوڑ کر ان دونوں کو یوں دیکھنے لگا جیسے پاگل ہوں۔

''تصحیح کرلیں۔۔۔ممی نہیں۔۔۔می می کہا ہوگا'' محمودہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کنفیوز سا اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ادھر آؤ بیٹا میں سمجھاتی ہوں۔ اصل میں جب محمودہ پیدا ہوئی، اس سے ایک مہینے پہلے ہی جنت مکانی اماں جان مجھے چھوڑ کر جا چکی تھیں، صدمہ بہت گہرا تھا پھر میں نے چھٹی نہاتے ہی اعلان کر دیا کہ اپنی بچی کا نام ماں کے نام پر محمودہ بیگم رکھوں گی۔ یہ میری والدہ کا نام تھا نا۔ اتنا اچھا نام ہے مگر جب یہ زرا سمجھدار ہوئی تو اسے اپنا نام بالکل پسند نہیں آیا۔ مجھ سے خوب لڑتی جھگڑتی کہ سب کے نام تو

اتنے نئے نئے رکھے اور میری باری پر یہ ہی رہ گیا تھا۔ کوئی اسے محمودہ پکارتا تو جواب نہ دیتی۔ اس کے چڑنے کی وجہ سے سب بھائی بہن پیار سے ''می می'' بلانے لگے، بڑوں کی دیکھا دیکھی بچے بھی اسے می می کہتے ہیں۔ سارہ نے بھی اس دن می می ہی کہا ہوگا مگر تم نے ممی سمجھا ہوگا'' وہ ہاتھ نچا نچا کر بڑے مزے سے اسے سب بتاتی چلی گئیں۔

''شکر ہے کہ۔۔۔میں ادھورا رہنے سے بچ گیا'' اس

کا دل ایک دم ہلکا ہوگیا۔ ابھی ایک راز سے پردہ اٹھنا رہ گیا تھا۔ وہ بھی پوچھنا ضروری تھا۔

''یہ سارہ کون ہے؟'' اس نے لب کھولے۔

''آئیں میری نواسی ہے اور کون۔۔ اپنی شہلا کی بیٹی۔ بھئی محمودہ کی بڑی بہن کی بیٹی اور کون'' وہ جلدی جلدی بولتی چلی گئیں تو سارے منظر صاف ہوتے چلے گئے۔

''اچھا۔۔ بیٹا۔ تم دونوں باتیں کرو۔۔ میں زرا چائے لے کر آتی ہوں'' راشدہ بیگم ڈرامے بہت دیکھتی تھیں تو اپنے تئیں، ان دونوں کو بات کرنے کا موقع دے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''یہ بندہ ناچیز۔۔ ایک بات کہنا چاہتا ہے'' اشیر تخت کے سامنے رکھی کرسی پر بہت ریلیکس ہو کر بیٹھ کر اترا کر بولا۔

''ویسے۔ یہ بندہ ناچیز یہاں کیوں اور کیسے آیا ہے'' ساری گتھی سلجھ گئی تو محمودہ کو اصل بات کا خیال آیا۔

''میں آیا تو آپ کے یہ ڈاکومنٹس لوٹانے تھا مگر حقیقت جاننے کے بعد میرے کچھ اور ارادے ہو گئے ہیں'' اس نے شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے سفید لفافہ اسکی طرف بڑھایا۔

''اوہ۔۔ تو۔ یہ آپ کی کار میں گر گیا تھا۔۔ شکر ہے۔۔ ورنہ میری جان پر بن آئی تھی'' اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ وہ بھی ماں کی طرح صرف اپنی بات سنانے کی شوقین ہے۔

''بیٹا۔۔ پرپوز کرنے سے پہلے سوچ لے۔۔ پوری پگلی کو بولنے کا مرض ہے'' اشیر نے اسکے کلی جیسے کھلتے بند ہوتے ہونٹوں کی طرف دیکھ کر خود کو سمجھایا مگر دل کی گھنٹی کا کیا کرتا جو مستقل بج رہی تھی۔

''ایک منٹ۔۔ خاموش۔۔ ہو کر میری بات سن لیں۔۔'' اشیر نے تھوڑی دیر اس کے چپ ہونے کا انتظار کیا پھر ہاتھ اٹھا کر التجا کی۔

''جی۔۔ بولیں نا۔۔ میں نے کب منع کیا'' وہ دوبارہ شروع ہوئی تو اشیر نے ہاتھ اٹھا کر بولنے سے روکا۔

''می۔ می۔۔ جس دن سے آپ کو دیکھا دل کی گھنٹی بج اٹھی ہے۔ میں نہ صرف یہ عید بلکہ زندگی میں آنے والی تمام عید بقر عید، رمضان شب برات اور سارے تہوار آپ کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں'' وہ جلدی کے چکر میں جانے کیا کیا بول پڑا۔

''میں کچھ سمجھی نہیں؟'' وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''بس۔۔ فوری طور پر آپ سے شادی کا ارادہ ہے۔ کیوں کہ آپ کے بغیر جینا کا کوئی ارادہ نہیں''۔ اشیر نے اسے اپنی بے پناہ محبتوں کا یقین دلاتے ہوئے شادی کے لیے پرپوز کر دیا تو وہ حق رق رہ گئی۔

''میں۔ کل اپنی بہنوں اور پاپا کو لے کر یہاں آؤں گا۔ اگر۔ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو'' وہ جلدی جلدی ان لوگوں کی رفتار میں بولتا گیا اور سب کچھ کہہ ڈالا۔ محمودہ کے گال بلش کرنے لگے، اس کی بولتی بند ہو گئی اور نگاہیں جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

راشدہ بیگم چائے کی ٹرے کے ساتھ زبردست مسکراہٹ چہرے پر سجائے، دوبارہ منظر میں داخل ہوئی۔

''بیٹا۔۔ میں اسکی ماں ہوں۔۔ فیصلہ تو مجھے کرنا ہے۔۔ اس بار یہ نہ بول کے دیکھے ٹانگیں نہ توڑ دوں تو راشدہ بیگم نام نہیں'' وہ بیٹی کی لرزتی پلکوں سے دل کا حال جان چکی تھیں مسرور انداز میں بولیں۔

''ٹھیک ہے۔۔۔ تو پھر میں چلتا ہوں۔۔ ویسے رمضان سے پہلے آپ کو اپنا بنانے کا ارادہ ہے'' چائے ختم ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا، اور اس کی جانب جھکتے ہوئے سرگوشی میں بتایا۔ محمودہ نے بوجھل پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دی وہ اسے کیسے بتاتی کہ جس دن اس نے اشیر سے لفٹ لی تھی وہ، اس کی وجاہت کی اسیر ہو کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

الحدیث

''زکوٰۃ سے مال کی حفاظت''

ارشاد نبویؐ ہے کہ ''اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ بناؤ اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا دعا اور اللہ کے حضور میں عاجزی اور گریہ زاری سے استقبال کرو۔''

''جنگل ہو یا سمندر کسی جگہ بھی جو مال ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ضائع ہوتا ہے۔''

''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے تو ان سے پوچھا کہ ان کی زکوٰۃ دیتی ہو یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، تب آپ نے فرمایا کیا تم کو یہ پسند ہے کہ اس کے بدلے میں آگ کے کنگن پہنائے جائیں۔''

انہوں نے عرض کیا نہیں۔

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تو پھر اس کی زکوٰۃ دیا کرو۔'' (بحوالہ ترمذی شریف)

سارا حیدر، ساہیوال

نصیب والے

جھڑکیاں دینے والے، رعب جمانے والے، دھمکیاں دینے والے، یہ بھول چکے ہوتے ہیں کہ وہ بھی انسان ہیں، انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں جھڑکیاں دینے کا کوئی حق نہیں، ہر فعلی استحقاق صرف غرور نفس کا دھوکا ہے۔

اور غرور کسی انسان میں اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک وہ بدقسمت نہ ہو، نصیب والے، قسمت والے ہمیشہ عاجز و مسکین ہی رہتے ہیں۔

ساجدہ احمد، ملتان

فرمان رسولؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

''قابل رشک دو ہی آدمی ہو سکتے ہیں، ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دولت عطا فرمائی اور وہ شب و روز اس پر عمل کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا اور وہ شب و روز اس کے حکم کے مطابق اس مال کو خرچ کرتا رہتا ہے۔''

صفہ خورشید، لاہور

زندگی گزارنے کے بہترین طریقے

1۔ اس طرح زندگی گزاروں کہ جب تک تم زندہ رہو لوگ تم سے ملنے کے لئے بے قرار رہیں اور جب تم اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ تو تمہاری یاد میں آنسو بہائیں۔

2۔ ان پھولوں کی طرح زندگی گزاروں جو ان لوگوں کے ہاتھوں میں بھی خوشبو دیتے ہیں جو انہیں مسل کر پھینک دیتے ہیں۔

3۔ پھولوں کی طرح اپنی زندگی دوسروں کے لئے وقف کر دو، تم نے دیکھا نہیں کہ وہ مزاروں پر بھی سجتے ہیں اور سہرے کی لڑیوں میں بھی مسکراتے ہیں۔

عابدہ سیدرہ، بہاول نگر

(حدیث مبارکہ)

۱۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ جب تم کسی کو دوست بناتے ہو تو اپنے دل میں قبرستان بنالو، تاکہ تم اس کی برائیوں کو دفن کرسکو۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ دنیا میں سب سے غریب وہ ہے، جس کا کوئی دوست نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق وہی پورے کرسکتا ہے جو بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔

۴۔ مسائل کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔

آصفہ نعیم، فورٹ عباس

حدیث مبارکہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

''سیدنا جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ قبروں کو پختہ کریں اور اس بات سے کہ ان پر بیٹھیں اور اس سے کہ ان پر گنبد (یا عمارت) بنائیں۔

فرینہ اسلم، میاں چنوں

ذرا سوچیئے

☆ ایک ایسی غلطی جو آدمی میں عاجزی پیدا کر دے وہ اس کارنامے سے بہتر ہے جو غرور پیدا کردے۔

☆ اکثر لوگ اپنے بہترین دوستوں کی کمتری سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

☆ غلطی کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے

اور معاف کر دینا ملوکی مل ہے۔

☆ حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اس وقت آتا ہے جب ساری دنیا آپ کو چھوڑ چکی ہوتی ہے۔

☆ میرے خیال میں موت تکلیف دہ ہے لیکن اتنی نہیں جتنی زندگی۔

☆ ہر چیز کو اس طرح دیکھو جیسے پہلی دفعہ یا آخری بار دیکھ رہے ہو پھر اس دنیا میں تمہارا وقت بہت شادمانی سے گزرے گا۔

☆ دل پر مصیبتیں مت ڈالو کیوں، دل پر مصیبتیں آنکھوں کی وجہ سے آتی ہیں۔

مہین آفریدی، ایبٹ آباد

حدیث مبارکہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کوئی شخص زبان سے بات کرتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ اس سے کچھ نقصان بھی ہوگا، حالانکہ وہ اس کے سبب ستر سال تک نیچے آگ میں گرتا رہتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''خاموشی میں کئی حکمتیں ہیں لیکن خاموشی اختیار کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''خاموشی سب سے اونچی عبادت ہے۔''

راحیلہ فیصل، سرگودھا

علامات محبت

حضرت سیدنا ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ۔

''میں نے ساحل پر ایک نوجوان کو دیکھا، اس کا رنگ اڑا ہوا تھا جبکہ چہرے پر مقبولیت کے انوار اور قرب و محبت کے آثار دکھائی دے رہے تھے، میں نے اسے سلام کیا تو اس نے احسن انداز میں جواب دیا۔''

میں نے پوچھا کہ۔

''محبت کی علامت کیا ہے؟''

جواب دیا۔

''دربدر کی ٹھوکریں کھانا، لوگوں میں رسوا ہونا نیند نہ کرنا اور دربار گاہ الٰہی سے دوری کا خوف رکھنا۔''

صابرہ سلطانہ، کراچی

سچے موتی

- تم اللہ کے ذکر میں دل لگا لو سکون اطمینان تم میں لگا لیں گے۔
- کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بادلوں کی طرح گرجتے ہیں اور سمندروں کی طرح بولتے ہیں مگر ان کی سوچ گندے جوہڑوں تک محدود ہوتی ہے۔
- گم شدہ چیزیں بالعموم وہیں ملیں گی جس جگہ سے گم ہوئی تھیں، سوائے محبت کے۔
- آدمی کو جب اس کی بساط سے زیادہ دنیا مل جاتی ہے تو اس کا برتاؤ برا ہو جاتا ہے۔
- کسی بھی مقام کے اونچے شجر پر ہم خوش کلامی کی سیڑھی کے ذریعے چڑھ سکتے ہیں مگر بد کلامی کی معمولی سی لغزش سے ہم دھڑام سے نیچے بھی گر جاتے ہیں۔
- اگر تم چاہو تو خیالات کو بدل کر زندگی بہتر بنا سکتے ہو۔

آمنہ خان، راولپنڈی

گر جو چاہو تو سنو

- ☆ جو شخص اپنے خلوص کی قسمیں کھائے اس پر کبھی اعتماد نہ کرو۔
- ☆ انسان کو اس کے اوصاف عظیم بناتے ہیں کیونکہ کوا بلند مینار پر بیٹھنے سے عقاب نہیں ہو جاتا۔
- ☆ قانون غریب کو پیٹتا ہے اور امیر قانون کو پیٹتے ہیں۔
- ☆ دوست کی ناکامی پر غمگین ہونا اتنا مشکل نہیں جتنا اس کی کامیابی پر مسرور ہونا۔
- ☆ اگر تم ہنستے ہو تو تمام دنیا تمہارے ساتھ ہنسے گی لیکن اگر روتے ہو تو اکیلے روؤ گے۔
- ☆ نمک میں کوئی ضرور پراسرار تقدس موجود ہے کہ یہ ہمارے آنسوؤں اور سمندر میں بھی موجود ہے۔
- ☆ جو چیز پیچھے ہٹ جاتی ہے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔
- ☆ محنت ہمارے ہاتھ میں ہے اور نصیب اللہ کے ہاتھ میں ہمیں اسی سے کام لینا ہے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔
- ☆ اکثر جو مصائب امیروں کو درپیش ہوتے ہیں غریب ان سے محفوظ رہتے ہیں۔

حنا شاہین، حیدر آباد

محبت

خدا کی ہے یہی پہچان شاید
کہ کوئی اس جیسا نہیں ہے
تقاضا ہے محبت کا کہے جا!
کوئی اس کے سوا کچھ نہیں ہے

فاریہ سلیم، شرقپور

☆☆☆

سارا حیدر ---- ساہیوال
میں سوچتی ہوں محبت عجب دھوکا ہے
جو مل نہ سکے کبھی اس کی آس رہتی ہے
جسے پا نہ سکیں اس کا دھیان رہتا ہے
جو بجھ سکے نہ کبھی ایسی پیاس رہتی ہے

....

لوگوں نے ہنر اپنا دکھایا بھی بہت ہے
جا جا کے اس میں نے منایا بھی بہت ہے
سچ پوچھو تو پیارا بھی بہت لگتا ہے دل کو
وہ شخص کہ دل جس نے دکھایا بھی بہت ہے

....

میرے ہونٹوں پہ مہکتے نغموں پہ نہ جا
میرے سینے میں کئی طرح کے غم پلتے ہیں
میرے چہرے پہ دکھاوے کا تبسم ہے مگر
میری آنکھوں میں اداسی کے دیے جلتے ہیں

ساجدہ احمد ---- ملتان
صدیوں سے انسان یہ سنتا آیا ہے
دکھ کی دھوپ کے آگے سکھ کا سایہ ہے
جھوٹ تو قاتل ٹھہرا اس کا کیا رونا
سچ نے بھی انسانوں کا خون بہایا ہے

....

خود اپنے ہی اندر سے ابھرتا ہے وہ موسم
جو رنگ بچھا دیتا ہے تتلی کے پروں پر
ہم جو ہنس ہنس کر سب سے ملتے ہیں
خود سے مل کر بہت اداس ہوتے ہیں

....

اگر ہو سکے تو کرو خود میں کشش پیدا
ہر کسی کو حسرت سے دیکھا نہیں کرتے
ہر شخص نہیں ہوتا ہر شخص کے قابل
ہر شخص کو اپنے لئے پرکھا نہیں کرتے

....

شبنم کے آنسو پھول پر یہ تو وہی قصہ ہوا
آنکھیں میری بھیگی ہوئی چہرہ تیرا اترا ہوا
برسات میں درو دیوار کی ساری تحریریں مٹی
دھویا بہت مٹتا نہیں تقدیر کا لکھا ہوا

صفہ خورشید ---- لاہور
کیا وقت آ پڑا ہے یہ ہم سے نہ پوچھیئے
ہم لوگ کب رسولؐ و خدا کے غلام ہیں
کچھ اس طرح بڑھی ہیں یہاں خود پرستیاں
ہم لوگ صرف اپنی انا کے غلام ہیں

عامرہ اینڈ عائشہ ---- حویلی بہادر شاہ
اور بات کہ لب چشم پوش ہو جائے
کچھ تو غم اسے بھی ہمارے حال کا تھا

....

محبتوں میں بھی قائل تھی لب نہ کھولنے کی
جواب ورنہ میرے پاس ہر سوال کا تھا

عابدہ حیدر ---- بہاول نگر
حدوں کی ضد سے تو کر آزاد مجھے
دل میں بسایا ہے تو آنکھوں میں اتار مجھے
میرے جذبوں میں ہے پاکیزگی
تو جس رشتے سے چاہے پکار مجھے

آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس
ظفر اس بھیڑ میں گم ہی نہ ہو جاؤں کہیں میں
جدھر سارے کے سارے ہیں ادھر ہونے سے ڈر لگتا ہے

....

گھر سے نکلی تو خبر بن جائے گی آپس کی بات
جو بھی قصہ ہے ابھی تک صحن کے اندر تو ہے
آسمان سبز گوں پہ اک تارا ، اک چاند
دسترس میں کچھ نہ ہو ، یہ خوشنما منظر تو ہے

....

راز ہستی کچھ نہیں اکثر یہ دیکھا گیا ہے
بے خبر ہنستے رہے ، با خبر روتے رہے
فرینہ اسلم ---- میاں چنوں
ٹوٹ جائیں نہ کہیں ضبط کی خواہش میری
نہ کر میرے ہمسفر اس قدر آزمائش میری
گہنا گیا میرے روپ کا جادو بتا مجھے
یا پھر دل سے کم ہونے لگی چاہتیں میری
مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد
کبھی فرصتیں جو نصیب ہوں
چلے آنا مرے پاس تم
ہیں ادھورے کتنے معاملے
میری ذات سے تیری ذات تک
راحیلہ فیصل ---- سرگودھا
آئینہ گر تجھے معلوم نہیں ہے شاید
لوگ محروم خدوخال ہوئے جاتے ہیں

....

توڑ دیتا ہے بدن لذت اشیاء کا خمار
لوگ مر جاتے ہیں بازار سے گھر آتے ہوئے

....

پہلے شکوہ تھا ، یہاں رونق بازار نہیں
اب جو بازار کھلے ہیں تو خریدار نہیں
سب کے ہاتھوں میں یہاں زہر پیالہ ہے مگر
کوئی سچ بولنے کے واسطے تیار نہیں
آمنہ خان ---- راولپنڈی
ہم لوگ تو خوشبو کی طرح ہیں ترے اطراف
ہم سادہ دلوں سے تو سیاست نہیں کرنا

میں خود کو میسر نہیں آیا ہوں ابھی تک
تم سے بھی نہ مل پاؤں تو حیرت نہیں کرنا

....

چلیے وہ شخص ہمارا تو کبھی تھا ہی نہیں
دکھ تو یہ ہے کہ تمہارا بھی نہیں ہو سکتا
دنیا اچھی بھی نہیں لگتی ہم جیسا کو سلیم
اور دنیا سے کنارا بھی کہیں ہو سکتا
صابرہ سلطانہ ---- کراچی
گھاؤ گنتے نہ کبھی زخم شماری کرتے
عشق میں ہم بھی اگر وقت گزاری کرتے
وقت آیا ہے جدائی کا تو پھر سوچتے ہیں
تجھ کو اعصاب پہ اتنا بھی نہ سوار کرتے

....

یہ میری نظر کی بلندیاں تجھے کس مقام تک لے گئیں
وہ تمہارے قدموں کی دھول تھی مجھے کہکشاں کا گماں ہو
دنیا میں اس کا کوئی خریدار نہیں
میں بیچتا ضرور جو بکتا میرا نصیب

....

لذت گناہ میں جس نے جنت بھی ہار دی
میرے وجود میں اسی آدم کا خون ہے
حنا شاہین ---- حیدر آباد
ایک نیا راستہ نکالا ہے
ہم نے منزل سے خود کو ٹالا ہے
ہم ہواؤں سے خواب پکڑیں گے
ہم نے نظروں سے جال ڈالا ہے

....

آنکھوں کا رنگ بات کا لہجہ بدل گیا
وہ شخص ایک شام میں بدل گیا
شاید وفا کے کھیل سے اکتا گیا تھا وہ
منزل کے پاس آ کے جو رستہ بدل گیا

....

امجد ہماری بات وہ سنتا تو ایک بار

آنکھوں سے اس کو چومتے تعزیر جو بھی تھی
سدرہ خانم ---- ملتان
میرا دامن تو صاف تھا لیکن
شہر سارا خلاف تھا لیکن
ایک پری کی مجھے بھی چاہ رہی
درمیاں کوہ قاف تھا لیکن

....

جب گلستاں میں بہاروں کے قدم آتے ہیں
یاد بھولے ہوئے یاروں کے کرم آتے ہیں

....

وہ جس قدر بھی منافق تھا پر یہ کہتا تھا
بچھڑنا ہم سے مگر پھر بھی سلسلے رکھنا
آسیہ فرید ---- خانیوال
وہ ساتھ تھا تو منزل نظر نظر چراغ تھی
قدم قدم سفر میں اب لب پر کوئی دعا نہیں
ہم اپنے اس مزاج میں کسی کے بھی نہ ہو سکے
کسی سے ہم ملے نہیں کسی سے دل ملا نہیں

....

کبھی مشکلوں کا تھا سامنا، کبھی راحتوں میں گزر گئے
وہ جو دن تھے میرے شباب کے تری چاہتوں میں گزر گئے
تیری جستجو میں رواں دواں کبھی سنگ تھے کبھی کہکشاں
وہ دن بھی کتنے حسین تھے جو مسافتوں میں گزر گئے

....

ہمارے عکس میں ہوتی جو زخم دل کی جھلک
ہم آئینے کو بھی اپنی طرح رلا دیتے
اب اس کی یاد سے اس کا بدن تراشے ہیں
وہ خواب بھی تو نہیں تھا کہ ہم بھلا دیتے
مریم انصاری ---- سکھر
وہ دل کی بازی جہاں مجھ سے جیتنا چاہے
میں مان لوں گا وہیں مات اس سے کہہ دینا
وفا کی راہ میں، میں آج بھی اکیلا ہوں
کوئی نہیں ہے میرے ساتھ اس سے کہہ دینا

....

محبت کا ثمر ملتا نہیں ہے
یہ سکہ اب کہیں چلتا نہیں
ہمارا دل ہے یوں قصر جہاں میں
وہ پتھر جو کہیں لگتا نہیں ہے

....

کرم کرو یا ستم کرو ہم گلہ نہیں کرتے
خزاں میں پھول کھلا نہیں کرتے
مٹا دو خاک میں ہم کو مگر یاد رہے
ہم جیسے لوگ ملا نہیں کرتے
عزہ فیصل ---- قصور
دیکھا نہیں تنہائی میں تم نے کبھی اس کو
بچھڑے ہوئے لوگوں کو وہ رویا بھی بہت ہے
کچھ تجھ کو یقین تھا محبت پر نہ وفا پر
کچھ میری تقدیر میں دکھ بھی لکھا بہت ہے

....

روشن روشن لفظوں میں ذاتیں ادھوری رہ جاتی ہیں
ظرف کے سارے قصوں میں باتیں شعوری رہ جاتی ہیں
عجیب ہوں میں اور عجیب لفظوں کی دنیا ہے
اکثر جو کہنی ہیں وہ باتیں ضروری رہ جاتی ہیں

....

تیری بھیجی ہوئی خوشبو کو پہن کر جاناں
رات پھر دیر تلک میں نے تجھے یاد کیا
نورانور ---- فیصل آباد
وہ چاہتا ہے میں اسے ہر روز خط لکھوں
اس کو خبر نہیں کہ میں کن الجھنوں میں ہوں
کبھی تو درد کے شدت سے جسم چیخ اٹھے
کبھی جو ٹوٹ کے بکھرے تو اک صدا بھی نہیں

....

سفر میں عین ممکن میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعائیں کرنے والوں کا سہارا یاد رہتا ہے

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

س: ستاروں کی حدوں سے لے کر خوشبو کے جزیروں تک؟
ج: میری کمی ہے۔
س: نبض تھم رہی ہے اور وہ؟
ج: اخبار پڑھ رہے ہیں۔
س: ہمیں کوئی خوشی راس کیوں نہیں آئی؟
ج: تم نے سنا نہیں دو دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔
س: توقعات کا محل جب ٹوٹ جائے تو؟
ج: دل کے ٹکڑے ہزار ہوتے ہیں۔
س: میری ہر سانس میں شامل ہے وہ مگر؟
ج: آج کل آلودگی بہت ہے۔

آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس

س: عین غین اگر دل گوشت کی بجائے سونے کے ہوتے تو محبت میں تحفتہً دیتے جاتے یا فروخت کیے جاتے؟
ج: دل تو اب بھی سونے کے ہوتے ہیں صرف آپ ہی نہیں پرکھ سکتے۔
س: ہم کو ان سے بے وفا کی امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے، آخر کیوں؟
ج: تمہیں آدمی کی وفا جو ہے۔
س: مجھے آپ سے ایک نہایت پرسنل راز شیئر کرنا ہے، آپ میرے خواب میں آجائیں گے یا میں لاہور آؤں؟
ج: میں کہاں آؤں گا تم ہی آجانا۔
س: عین غین جی اگر راہ میں چلتے چلتے ''وہ'' اچانک مجھے مل جائے تو؟
ج: تو کہنا یونہی کوئی مل گیا تھا سرِ راہ چلتے چلتے۔
س: زندگی میں ہر تجربہ ہمیشہ ٹھوکر کھا کر ہی کیوں

فرینہ اسلم ---- میاں چنوں

س: محبت میں جیت تو ہوتی ہے لیکن ہار کیوں ہوتی ہے؟
ج: محبت میں ہار کب ہوتی ہے؟
س: آپ ہمارے کیا لگتے ہیں؟
ج: یہ تو آپ ہی بتا سکتی ہیں۔
س: جناب کا موڈ کیوں خراب ہے؟
ج: اگر تمہیں یہ ہی معلوم نہیں تو کیا فائدہ۔
س: آئے ہو میری زندگی میں تم بہار بن کے؟
ج: اور تم ہو کہ بہار کو نہیں پہچان رہی۔
س: کچھ زیادہ تو نہیں ہو گیا؟
ج: بہت زیادہ ہو گیا۔
س: ہم آپ سے کیسے مل سکتے ہیں؟
ج: لاہور آکر۔
س: کیا لاہور آنا ضروری ہے؟
ج: کیا ملنا ضروری ہے۔

مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد

س: عین غین جی پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں تشریف کا ٹوکرا لے کر حاضر ہوئی ہوں؟
ج: یہ خیال رہے کہ ٹوکرا زیادہ بھاری نہ ہو۔
س: اگر کوئی آپ سے کہے اگر اس کی منگنی ہو رہی ہے تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟
ج: ہو رہی ہے تو مجھے کیا شاید تمہیں......؟
س: اس عمر میں اتنی شوخ گفتگو کچھ خیال کریں؟
ج: تمہیں میری عمر پر کوئی اعتراض ہے یا گفتگو پر۔

راحیلہ فیصل ---- سرگودھا

س: تو اپنی بنی نبیڑ تینوں ساڈے نال کی؟
ج: جواب دے کر اپنی ہی نبیڑ رہا ہوں۔

س: میریاں مساواں وچ کوئی پیا دسدا اے؟
ج: یعنی اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ ہوا۔
س: اگر میں تمہارے آنگن میں اتر آؤں؟
ج: تم چاند تو نہیں ہو۔
س: تمہیں کس موسم میں شدت سے یاد آتی ہوں؟
ج: جب تمہارے بے تکے سوال پڑھتا ہوں۔

آمنہ خان ---- راولپنڈی

س: ہر شوہر کو اپنی بیوی سے اور ہر بیوی کو اپنے شوہر سے شکایت کیوں ہوتی ہے؟
ج: وقت گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔
س: عورت شوہر کو مار سکتی ہے تو شوہر عورت کو کیوں نہیں مار سکتا؟
ج: کیونکہ وہ عورت اس کی بیوی نہیں ہوتی اور شوہر نے کوئی غلط حرکت کی ہوگی۔
س: شوہر کب اپنی بیوی کے لئے پریشان ہوتا ہے؟
ج: جب وہ بازار میں خریدار کر رہی ہو۔
س: آج کل کے شوہر اتنے معصوم نہیں ہوتے جتنا کہ وہ بنتے ہیں؟
ج: تم بیچارے شوہروں کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہو۔

صابرہ سلطانہ ---- کراچی

س: اگر کوئی اچھا بھلا انسان پاگلوں کی سی حرکتیں کرے تو؟
ج: اس میں بچوں کو بہلانا اور شیشہ دیکھنا شامل نہ کریں۔
س: کیا انسان عمر کے ساتھ سلجھتا ہے یا الجھا ہے؟
ج: الجھتا زیادہ ہے۔
س: انسان اوپر کو دیکھتا ہے نیچے کیوں نہیں؟
ج: نیچے دیکھے گا تو گریبان میں جھانکنا پڑے گا۔

حنا شاہین ---- حیدر آباد

س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟
ج: یہ بھی ایک انداز ہے زندگی کا۔
س: آپ روٹھے کو منانا جانتے ہیں؟
ج: ابھی تک تو موقعہ ہاتھ نہیں آیا۔
س: اگر کوئی شخص آپ سے تو تو پر اتر آئے؟
ج: بڑا ہی بدتمیز ہوگا۔

سدرہ خانم ---- ملتان

س: سنا ہے کھا کھا کر بہت موٹے ہو گئے ہو؟ کچھ اپنے بارے میں بھی سوچو۔
ج: آخر تم میرے بارے میں اتنی فکر مند کیوں ہو۔
س: گھر کی مرغی دال برابر ہو تو پڑوسی کی مرغی کو کیا کہیں گے؟
ج: ہم تو گھر کی بھی نہیں کھاتے، یہ تو چوری کرنے والا جانے۔
س: سنا ہے دنیا بڑی ترقی کر رہی ہے، کیا خیال ہے؟
ج: انٹرنیٹ کلب ترقی کی وجہ سے آباد ہیں۔
س: ذرا یہ بتائیں کہ شادی شدہ شریف ہوتا ہے یا کنوارہ؟
ج: کھل کر بات کرو دل میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔

آسیہ فرید ---- خانیوال

س: اگر کوئی کسی سے بے پناہ محبت کرتا ہو اور وہ اس سے بے وفائی کرے تو؟
ج: تم کن چکروں میں پڑ گئی ہو۔
س: محبت کی آخری حد کہاں ختم ہوتی ہے؟
ج: یہ راستے بڑے خاردار ہوتے ہیں۔
س: جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟
ج: میں نے تو نہیں دیکھا۔

مریم انصاری ---- سکھر

س: کیا کہہ رہے ہیں ادھر دیکھیں؟
ج: دیکھ تو رہا ہوں، میں ناک پر رومال رکھ لوں۔

عالیہ وحید ---- میر پور خاص

س: محبت کیا صرف ایک بار ہوتی ہے؟
ج: جی ہاں بعد میں عادت بن جاتی ہے۔
س: مکمل تنہائی کسے اچھی لگتی ہے؟
ج: جسے محبت ہوگئی ہو۔
س: حسن کو چاند کیوں کہتے ہیں؟
ج: اس تک رسائی جو مشکل ہے۔
س: عام طور پر تو شادیاں ہوتی ہیں؟
ج: شادیاں عام طور پر ہی ہوتی ہیں۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: کیا تمہیں نہیں معلوم۔
س: روشنی کیا ہے؟
ج: لو یہ بھی بتانا پڑے گا۔
س: محبت میں کامیابی کا راز؟
ج: محبت کیا ہے تمہیں معلوم نہیں اور کامیابی کا راز پوچھنے لگے ہو۔
س: کسی سے پیار ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: علاج اپنے ماں باپ کے پاس جاکر۔

حمیرا اکرم ---- کراچی

س: میری آنکھوں میں دیکھو؟
ج: تمہیں نیند آرہی ہے۔
س: اپنوں کی جدائی کیوں برداشت نہیں ہوتی؟
ج: ان کی عادت سی جو ہو جاتی ہے۔
س: زندگی میں انسان کی ہار کب ہوتی ہے؟
ج: جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو۔
س: انسان اپنی بے عزتی کب برداشت کر لیتا ہے؟
ج: جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

سدرہ وزیر ---- خوشاب

س: ایک عورت کے لئے زندگی کا سب سے بھاری بوجھ کون سا ہوتا ہے؟
ج: جب تمہارے جیسے نکمے خاوند کا بوجھ اٹھانا پڑے۔
س: محبت کرنے کے لئے کیا چیز چاہیے؟
ج: دل۔
س: دنیا کی خوبصورت کیا چیز ہے؟
ج: دنیا خود بہت خوبصورت ہے۔
س: زندگی کی اداس راہوں میں؟
ج: خوشیاں بکھیر دو۔

ثنا خواجہ ---- لاہور

س: آداب عین جی! تو پھر کیا اظہار ویلنٹائن پر؟ کیا تو کیا ملا؟
ج: روز۔
س: یوں زندگی کی راہ میں ٹکرا گیا کوئی، اب وہ بیچ راہ میں کہہ رہا ہے ہمیشہ کے لئے ''گڈ بائے'' اب میں کیا کروں؟
ج: راہ بدل لو۔
س: ''گھٹیا'' لفظ کا معنی تو لکھ دیں کہ کیا ہے؟
ج: لغت سے استفادہ کرلو۔
س: کیا اپنی محبت کو گھٹیا کہنے والے محبت کر سکتے ہیں کسی سے؟
ج: محبت کبھی گھٹیا نہیں ہوتی۔
س: کیا آپ نے کبھی کسی کی محبت کی توہین کی ہے؟
ج: نہیں۔
س: جب کوئی پیار سے بلائے گا......تم کو......؟
ج: ایک شخص بہت یاد آئے گا۔

☆☆☆

صائمہ محمود

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے ایک غزل

جو خیال تھے نہ قیاس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جو محبتوں کی اساس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں ماننا ہی نہیں یہ دل، وہی لوگ میرے ہیں ہمسفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے سراب اور ستائیں گے
مری عمر بھر کی جو پیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
یہ خیال سارے ہیں عارضی، یہ گلاب سارے ہیں کاغذی
گل آرزو کی جو باس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں کر سکا نہ قبول میں، وہ شریک راہ سفر ہوئے
جو میری طلب، میری آس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مری دھڑکنوں کے قریب تھے مری چاہ تھے میرا خواب تھے
وہ جو روز و شب میرے پاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

مہین آفریدی: کی ڈائری سے ایک نظم

وفا جب مصلحت کی شال اوڑھے
سر درت کا روپ دھارے
دل کے آنگن میں اترتی ہے
تو پلکوں پر ستاروں کی دھنک مسکانے لگتی ہے
کبھی خوابوں کے ان چھوئے ہیولوں سے بھی
ان دیکھی سی، ان جانی سی خوشبو آنے لگتی ہے
کسی کے سنگ بیتے، ان گنت لمحوں کی زنجیریں
اچانک ذہن میں جب گنگناتی ہیں
نفس کے تار میں سناٹا یکدم چیخ اٹھتا ہے
تو یوں محسوس ہوتا ہے
ہوائیں سرگوشی سی کرتی ہیں
محبت کا تمہیں ادراک اب تو ہو گیا ہو گا؟

راحیلہ فیصل: کی ڈائری سے ایک نظم

سفر میں شام سے پہلے
اگر
بے آس ہو جاؤ
کوئی جگنو، کوئی تتلی، کوئی بھی رنگ
اپنے پاس نہ پاؤ
تو
اک پل کو
مجھے تم یاد کر لینا
اور
اپنا سفر آغاز کر لینا
تمہیں ہر موڑ پر رستہ صاف اور روشن دکھائی دے گا
دھنک کے ساتوں رنگ تمہارے گرد اک ہالہ بنائیں گے
تتلیاں اپنے پروں کا مخملی پن تمہارے ساتھ کر دیں گی
سفر کی سختیوں سے وہ تمہیں محفوظ کر دیں گی
بس
اک پل کو
مجھے تم یاد کر لینا

آمنہ خان: کی ڈائری سے ایک نظم

''مجبوری''

بارشوں کے موسم میں
تم کو یاد کرنے کی
عادتیں پرانی ہیں

اب کہ ہم نے سوچا ہے
عادتیں بدل ڈالیں
پھر خیال آیا کہ
عادتیں بدلنے سے
بارشیں نہیں رکتیں

صابرہ سلطانہ: کی ڈائری سے ایک نظم

''شیشے کا''

اعتبار شیشے کا، امتحان شیشے کا
دیکھو کھیل مت کھیلنا شیشے کا
ان دنوں جہاں ہم ہیں ہم کو ایسا لگتا ہے
ہے زمین شیشے کی، آسمان شیشے کا
ٹوٹنا تو ہے آخر، ٹوٹنے سے کیا ڈرنا
پتھروں کی بستی میں کیا دھیان شیشے کا
ہم بھی کتنے سادہ ہیں، دھوپ سے بچاؤ کو
سر پہ تان رکھا ہے سائبان شیشے کا
شہر ہے محبت کا اور حیران ہوں میں
ہر مکین شیشے کا، ہر مکان شیشے کا
جز مرے بتاؤ تو اور کون دے سکتا
فصل بوئی پتھر کی اور لگان شیشے کا

حنا شاہین: کی ڈائری سے ایک نظم

کوئی سورج جاگے میری دھرتی پہ
کچھ ایسا ہو یہ رات ڈھلے
کوئی ہاتھ میں تھامے ہاتھ میرا
کوئی لے کر مجھ کو ساتھ چلے
کوئی بیٹھے میرے پہلو میں
میرے شانے پر ہاتھ رکھے
آنسو پونچھ کر آنکھوں سے
رک کے رکے لہجے میں کہے
یوں تنہا سفر بھی کٹتا نہیں
چلو ہم تم دونوں ساتھ چلیں

حنا شاہین: کی ڈائری سے ایک غزل

میں نے پایا ہے وہی جو تھیں آشائیں تیری
میرے آنچل سے لپٹی رہیں دعائیں تیری
گہرے پانیوں پہ جھکی آنکھیں میری سر شام
اور میری آنکھوں میں چھلکیں نگاہیں تیری
ایک ہم کو بھی راس نہ آئے تیرے موسم دنیا
ایک بے مہر بہت تھیں ہوائیں تیری !
صدیوں کی مسافت بھی رائیگاں ٹھہری
بڑھنے ہی نہ دیتی تھیں آگ صدائیں تیری
جانے والے نے وقت رخصت یہ بھی نہ پوچھا
قدم اٹھتے ہی کیوں آنکھیں بھر آئیں تیری
میں دشت کے سفر پہ کب تنہا تھی غزل
مجھ کو ہر گھڑی تھامے رہیں بانہیں تیری

سدرہ خانم: کی ڈائری سے ایک غزل

وہ جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے
تو سمندر، وقت، ہوا ٹھہر جائے
وہ مسکرائے تو ہنس پڑے کئی موسم
وہ گنگنائے تو باد صباء ٹھہر جائے
وہ ہونٹ ہونٹوں پہ رکھ دے دم آخر
مجھے گماں ہے آئی قضاء ٹھہر جائے
میں اس کی آنکھوں میں جھانکوں تو جیسے جم جاؤں
وہ آنکھ جھپکے تو چاہوں ذرا ٹھہر جائے

آسیہ فرید: کی ڈائری سے ایک غزل

تجھے اظہار محبت سے اگر نفرت ہے
تو نے ہونٹوں کو لرزنے سے تو روکا ہوتا
بے نیازی سے مگر کانپتی آواز کے ساتھ
تو نے گھبرا کے مرا نام نہ پوچھا ہوتا
تیرے بس میں تھی اگر مشعل جذبات کی لو
تیرے رخسار میں گلزار نہ بھڑکا ہوتا
یوں تو مجھ سے ہوئیں صرف آب و ہوا کی باتیں

...وں کو تو پرکھا ہوتا
...ی ضرورت کیا تھی
...گر یاد نہ آیا ہوتا
میرا ... خود تیرا انداز خرام
دل نہ سنبھلا تھا تو قدموں کو سنبھالا ہوتا
اپنے بدلے میری تصویر نظر آ جاتی
تو نے اس وقت اگر آئینہ دیکھا ہوتا
حوصلہ تجھ کو نہ تھا مجھ سے جدا ہونے کا
ورنہ کاجل تیری آنکھوں میں نہ پھیلا ہوتا

مریم انصاری: کی ڈائری سے ایک نظم

''کبھی کبھی''

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ زندگی تیری زلفوں کی نرم چھاؤں میں
گزرنے پاتی تو شاداب ہو بھی سکتی تھی
یہ تیرگی جو میری زیست کا مقدر ہے
تری نظر کی شعاعوں میں کھو بھی سکتی تھی
عجب نہ تھا کہ میں بے گانہ الم ہو کر
تیرے جمال کی رعنائیوں میں کھو رہتا
ترا گداز بدن، تیری نیم باز آنکھیں
انہی حسین فسانوں میں محو ہو رہتا
پکارتیں مجھے جب تلخیاں زمانے کی
تیرے لبوں سے حلاوت کے گھونٹ پی لیتا
حیات چیختی پھرتی برہنہ سر اور میں
گھنیری زلفوں کے سایہ میں چھپ کے جی لیتا
مگر یہ ہو نہ سکا اور اب یہ عالم ہے
کہ تو نہیں تیرا غم، تیری جستجو بھی نہیں
گزر رہی ہے کچھ اس طرح زندگی جیسے
اسے کسی کے سہارے کی آرزو بھی نہیں
زمانے بھر کے دکھوں کو لگا چکا ہوں گلے
گزر رہا ہوں کچھ انجانی راہ گزاروں سے
مہیب سائے مری سمت بڑھتے آتے ہیں
حیات و موت کے پرہول خارزاروں سے
نہ کوئی جادۂ منزل نہ روشنی کا سراغ
بھٹک رہی ہے خلاؤں میں زندگی میری
انہی خلاؤں میں رہ جاؤں گا کبھی کھو کر
میں جانتا ہوں میری ہم نفس مگر یونہی
کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے

عزہ فیصل: کی ڈائری سے ایک غزل

ملے کیسے صدیوں کی پیاس اور پانی ذرا پھر سے کہنا
بڑی دلربا ہے یہ ساری کہانی، ذرا پھر سے کہنا
کہاں سے چلا تھا جدائی کا سایہ نہیں دیکھ پایا
کہ رستے میں تھی آنسوؤں کی روانی، ذرا پھر سے کہنا
ہوا یہ خبر سناتی رہے اور میں سنتا رہوں
بدلنے کو ہے اب یہ موسم خزانی، ذرا پھر سے کہنا
مکر جانے والا کبھی زندگی میں خوشی پھر نہ پائے
یونہی ختم کر لیں، چلو یہ کہانی، ذرا پھر سے کہنا
سبے کے سمندر کہا تو نے جو بھی، سنا پر نہ سمجھے
جوانی کی ندی میں تھا تیز پانی، ذرا سے کہنا

نور انور: کی ڈائری سے ایک نظم

''میں گرہ میں باندھ کے حادثات''

نکل پڑا تیری کھوج میں
کہیں تارکول کی تھی سڑک
جہاں آگ بانٹتی دھوپ تھی
کبھی کچی راہ کی دھول میں
جہاں سانس لینا محال تھا
سر رزم جاں کبھی دل کے درد سے ہار کر
میں تو خانقاہوں پر مانگتا پھرا منتیں
کبھی رات رات دعاؤں میں بسر ہو گئی
کبھی قافلے میری آس کے کسی دشت شناس میں
کھو گئے

تو خدائے لم یزل تیری عمر دراز کرے

ارج گل: کی ڈائری سے ایک نظم

''صرف''

چاند تو کسی فلک کو
نصیب ہی سے ملتا ہے
میں نے کب
کسی ماہتاب کے لئے
کوئی بے چین آرزو کی تھی
میں نے تو صرف اپنے آسماں کے لئے
تارے مانگے تھے

عظمی نعیم احمد: کی ڈائری سے ایک نظم

میں دعائیں مانگتی
بس اتنا کہتی ہوں
اے میرے خدا!
میری زندگی کے چاہے
سارے دیپ بجھادے
اس کی آنکھوں کا ہر خواب
سلامت رکھنا

امان اللہ انجم: کی ڈائری سے ایک غزل

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
تو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے ربط ہے اس کو خراب حالوں سے
تو اپنے آپ کو برباد کرکے دیکھتے ہیں
سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کرکے دیکھتے ہیں
سنا ہے دن کو اسے تتلیاں ستاتی ہیں
سنا ہے رات کو جگنو ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے حشر ہیں اس کی غزال سی آنکھیں
سنا ہے ہرن اس کو دشت بھر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں
مبالغے ہی سہی، سب کہانیاں ہی سہی
اگر وہ خواب ہے تو تعبیر کرکے دیکھتے ہیں

حنا ناز: کی ڈائری سے دلکش نظم

''چوڑیوں کا موسم''

تو رکھ لے مری چوڑیاں
اب نہیں ضرورت ان کی
تو جو چلا جائے گا
یہ بے درد بہت درد دیں گیں
راتوں کو تیری یاد دلائیں گیں
ساری رات جگائیں گیں
اس سے بہتر تو ساتھ لے جا اپنے
جب ملے گا کچھ عرصہ بعد
پہنا دینا اپنے ہاتھوں سے
مسکرا دینا اس کے ساز پر
بس میں انتظار کروں گی
تیرے جلد لوٹ آنے کا
عید پہ چوڑیوں کے موسم کا

سعدیہ عمر: کی ڈائری سے ایک نظم

''تم سے بچھڑ کر میں کیا ہوں؟''

ایک ادھوری نظم کا مصرعہ
یا کوئی بیمار پرندہ
کاپی میں اک زندہ تتلی
یا اک مردہ پیلا پتہ
آنکھ ہو کوئی خواب زرہ سی
یا آنکھوں میں ٹوٹا سپنا
پلکوں کی دیوار کے پیچھے
پاگل قیدی یا اک آنسو
دھوپ میں لپٹا لمبا صحرا
یا پھر خوف زدہ سا بچہ
ٹوٹی ہوئی چوڑی کا ٹکڑا
یا کوئی بھولا بسرا وعدہ

☆☆☆

خودکشی اور محرومی

ایک صاحب رنگین ٹی وی اور ڈی وی ڈی اٹھائے تیز تیز قدم اٹھاتے نہر کی طرف جارہے تھے راستے میں ایک دوست نے دیکھا اور پوچھا۔

''کیا بات ہے، کدھر جارہے ہو؟''

''خودکشی کرنے جارہا ہوں۔'' ان صاحب نے جواب دیا۔

''مگر ان چیزوں کا کیا مطلب ہے؟''

دوست نے حیرانی سے پوچھا۔

وہ صاحب غصے سے چلائے۔

''ان ہی چیزوں کے ساتھ ڈوبوں گا، میری بیوی مجھ پر نہ سہی ان چیزوں پر تو محرومی کا ماتم کرے گی ناں۔''

یقین

وکیل، چور سے۔

''اب جبکہ میں نے تمہیں بری کروادیا ہے تو یہ تو بتاتے جاؤ، کہ تم نے چوری کی بھی تھی یا نہیں؟''

چور۔

''عدالت میں آپ کی بحث سن کر مجھے یقین سا ہورہا ہے کہ میں نے چوری نہیں کی۔''

سدرہ خانم، ملتان

مرغی کی دعا

ایک مرغی نے تین انڈے دیئے اور دعا مانگی کے بچے نیک نکلے چند دنوں بعد ایک بچہ نکلا جو نماز پڑھ رہا ہے پھر دوسرے دن دوسرا بچہ نکلا جو تسبیح پڑھ رہا تھا، تیسرے دن بچہ ہی نہ نکلا، دو دن اور گزر گئے آخر کار مرغی پریشان ہوگئی اور اللہ سے دعا مانگنے لگی، تب ہی انڈے سے آواز آئی امی جان! پریشان مت ہوں میں اعتکاف پر بیٹھا ہوا ہوں۔

آسیہ فرید، خانیوال

ٹی وی

ایک آدمی گھر پہنچا تو دیکھا کہ ٹی وی ٹوٹا پڑا ہے اور اس کا بیٹا اس میں جھانک رہا ہے۔

باپ نے حیران ہوکر پوچھا۔

''ارے تم نے یہ کیا کیا؟''

بیٹے نے جواب دیا۔

''اس میں ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ مجھے باہر نکالو، اب میں نے ٹی وی توڑا ہے تو نجانے وہ کہاں چلا گیا ہے۔''

فون

ایک آدمی فون پر دوسرے آدمی سے۔

''آپ کون بول رہے ہیں؟''

دوسرا آدمی۔

''میں بول رہا ہوں۔''

''آپ کون بول رہے ہیں؟''

پہلا آدمی ادھر سے۔

''میں بھی میں بول رہا ہوں۔''

مریم انصاری، سکھر

پرانی کاریں

''دادو ماں، دادو ماں!'' چار سالہ اصغر نے بڑے تجسس سے اپنی دادی سے پوچھا۔
''جب کاریں پرانی ہو جاتی ہیں، گلنے سڑنے لگتی ہیں تو ان کو کیا کرتے ہیں؟''
''کچھ بھی نہیں۔'' دادی اماں نے سکون سے کہا۔
''وہ تمہارے دادا خرید لیتے ہیں۔''

عزہ فیصل، قصور

نظم

''تاکید''

سنو! زمیں زادے
ملک یوں کہساروں کے سفر پہ جاؤ
تو سفرِ طلب میں امانِ دل کھو نہ دینا
وہ خواب جو ابھی تیری پلکوں میں زندہ ہیں
انہیں ابھی تعبیر کا آئینہ مت دینا
وہ آرزوئیں جو ابھی تیرے من میں پوشیدہ ہیں
انہیں فقط احساسات کا پیرہن عطا کر دو
کہ یہ پیرہن امانت دل
اور خوبصورت جذبوں کا
سب سے بڑا امین ہے

نورا نور، فیصل آباد

وجہ

ایک ٹریولنگ سیلز مین نے ایک بڑے کاروباری ادارے کے منیجر سے کہا۔
''میں آپ کو تمام ملازمین کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ کون شادی شدہ ہے اور کون کنوارا۔'' اس وقت ملازم وقفے میں کھانا کھانے باہر گئے ہوئے تھے۔
جب وقفہ ختم ہوا تو سیلز مین دروازے میں کھڑا ہو گیا اور اندر داخل ہونے والے افراد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اس نے جن ملازموں کو شادی شدہ بتایا، وہ واقعی کنوارے نہیں تھے۔
منیجر نے حیران ہو کر پوچھا۔
''آپ نے یہ اندازہ کیسے کر لیا؟''
سیلز مین نے جواب دیا۔
''شادی شدہ ملازمین جب کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے پائیدان پر پاؤں صاف کیے لیکن کسی بھی کنوارے نے اس سلیقے کا اہتمام نہیں کیا۔''

فاریہ سلیم، شرقپور

صحیح جواب

ٹیچر نے کلاس کے لڑکوں کو کلاس روم میں ہی بیٹھ کر مضمون لکھنے کے لئے موضوع دیا۔
''اگر مجھے دس کروڑ روپے مل جائیں تو میں کیا کروں گا؟''
سب لڑکے تیزی سے مضمون لکھنے میں مصروف ہو گئے لیکن سلیم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا، وقت ختم ہونے پر ٹیچر نے سب سے پیپرز جمع کیے تو سلیم نے سادہ کاغذ تھما دیئے۔
''یہ کیا......؟'' ٹیچر نے غصے سے کہا۔
''سب لڑکوں نے دو، دو تین تین صفحوں کے مضمون لکھے ہیں مگر تم نے کچھ بھی نہیں لکھا، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔''
''سر! دس کروڑ روپے ملنے کے بعد میں یہی کروں گا۔'' سلیم نے اطمینان سے کہا۔

سارا حیدر، ساہیوال

یقین

یونیورسٹی کے ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے سے پوچھا۔
''جب مرد کسی لڑکی سے کہتا ہے کہ وہ اس

کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہے، تو کیا لڑکی اس کی بات پر یقین کر لیتی ہے؟''
''ہاں...... بشرطیکہ وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا جھوٹا ہو۔'' دوسرے لڑکے نے جواب دیا۔

ساجدہ احمد، ملتان

راز

مسز کاشف کا کہنا ہے کہ ''ان کی پیدائش کے ساتھ ایک راز وابستہ ہے۔''
''کیا آپ کو معلوم ہے وہ راز۔''
''کیوں نہیں! یہ راز ان کی تاریخ پیدائش ہے۔''
''میرے خیال میں یہ کہنا مشکل ہے، ابھی آپ کے کتے کو میری گاڑی نے کچل دیا۔''
''اُف...... ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ میرے ٹرک نے آپ کی گاڑی کو ٹکر مار کر کباڑا کر دیا ہے۔''

قوت گویائی

''اللہ کی قدرت بھی عجیب ہے، ایک گدھے کو گدھے نے دولتی ماری تو وہ بولنے لگا۔''
''اچھا...... مگر قوت گویائی واپس لانے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔''
''وہ کیا؟''
''وہ یہ کہ بیوی کو میکے بھیج دیا جائے۔''

طریقہ

''بیٹے! رک جاؤ تم اتنے تیز کیوں بھاگ رہے ہو، تمہاری سانس پھولی ہوئی ہے۔''
''انکل! میں دو لڑکوں کو جھگڑا کرنے سے بچا رہا ہوں۔''
''کون ہیں وہ لڑکے؟''
''ایک میں اور دوسرا عاصم! وہ دیکھیں وہ میرے پیچھے آ رہا ہے۔''

صفہ خورشید، لاہور

تاثیر مسیحائی کی

آپریشن ٹیبل پر مریض کو دیکھتے ہوئے سینئر سرجن نے نئے سرجن سے کہا۔
''آپ نے یہ کیا آپریشن کیا ہے؟''
نئے سرجن نے چونک کر جواب دیا۔
''کیا اس کا آپریشن کرنا تھا، میں نے تو اس کا پوسٹ مارٹم کر دیا ہے۔''

عابدہ حیدر، بہاول نگر

شریفانہ طریقہ

ایک شخص نے اپنے پڑوسی سے پوچھا۔
''آج کل خالد صاحب نہیں آ رہے، وہ خیریت سے تو ہیں؟''
''آپ کو معلوم نہیں، انہیں کار چرانے کے الزام میں تین سال کی سزا ہو گئی ہے۔'' پڑوسی نے بتایا۔
''کمال ہے۔'' ان صاحب نے حیرت سے کہا۔
''خالد صاحب بھی بڑے بے وقوف آدمی ہیں، انہیں بھلا ایسی کیا آفت آ پڑی تھی کہ کار چرانے چل دیئے، کار حاصل کرنے کے لئے شریفانہ طریقہ اختیار نہیں کر سکتے تھے؟ بھئی قسطوں پر کار لے لیتے اور قسطیں ادا نہ کرتے۔''

آصفہ نعیم، فورٹ عباس

☆☆☆

افراح طارق

چکن مشروم سوپ

اشیاء

چکن کا گوشت	ایک سو پچاس گرام
(پکا اور باریک کٹا ہوا)	
چکن یخنی	ڈیڑھ لیٹر
خشک براؤن مشروم	پچاس گرام
خشک کالی مشروم	پچاس گرام
اجینو موتو	چوتھائی چائے کا چمچہ
لائٹ سویا	ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سفید مرچ	ایک چٹکی
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
آئل	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

مشروم کو آئل گرم کر کے دو منٹ تک فرائی کریں، پھر نکال لیں، اب یخنی ڈال دیں اور کارن فلور کے علاوہ تمام اشیاء ڈال کر پانچ منٹ تک ابلنے دیں، اب اس میں پہلے مشروم پھر کارن فلور ملائیں اور اسے دو منٹ مزید پکنے دیں پھر فوراً گرم گرم پیش کریں۔

چکن نوڈلز سوپ

اشیاء

مرغی کا گوشت	دو سو پچاس گرام
نوڈلز	چار سو پچاس گرام
بند گوبھی	ایک سو پچاس گرام
مرغ یخنی	ڈیڑھ لیٹر
نمک، چینی	دونوں آدھا آدھا چائے کا چمچہ
لائٹ سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
آئل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

بڑے برتن میں پانی لے کر نوڈلز ڈالیں، انہیں ہلائیں، تاکہ بنڈل کھل جائے، چولہے پر چڑھا دیں اور چار پانچ منٹ پکائیں، اب انہیں اچھی طرح نچوڑ لیں، پھر کسی چھلنی میں تھوڑا سا تیل ملا لیں، گہرے فرائی پین میں آئل گرم کر کے مرغی کا گوشت دو منٹ تک فرائی کریں۔

مرغی نکال کر اسی تیل میں بند گوبھی فرائی کر لیں، اب یخنی اور باقی اشیا ڈال کر ایک منٹ پکنے دیں تاکہ بند گوبھی نرم ہو جائے، اب گوشت شامل کر دیں اور ایک دو منٹ پکائیں، ابلی نوڈلز کو آٹھ گرم پیالوں میں برابر برابر ڈال دیں اور اوپر سے گرم گرم سوپ ڈالیں، چلی سوس کے ساتھ فوراً پیش کریں۔

چکن ٹماٹو ودھ پاستا

اشیاء

مرغی کا قیمہ	ایک کپ
مکرونی	ایک کپ
ٹماٹر	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ

کالی مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد
چائنیز نمک	آدھا چائے کا چمچہ
مکھن	دو کھانے کے چمچے
ٹماٹو کیچپ	دو کھانے کے چمچے
ادرک کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	تھوڑا سا
ہری مرچ	تین عدد (بڑی)
تیل	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

ایک نان اسٹک پین میں تیل گرم کریں، مرغی کا قیمہ، ادرک پیسٹ اور تھوڑا سا نمک ڈالیں اور اچھی طرح بھون لیں، ٹماٹروں کو ابال کر ان کا چھلکا اتار لیں اور میش کرلیں، ایک الگ پین میں ان میش کیے ہوئے ٹماٹروں کو ایک منٹ تک پکائیں، اس میں مکھن، کالی مرچ پاؤڈر، چائنیز نمک، نمک اور پیاز ڈال کر دو منٹ تک پکائیں۔

ٹماٹو کیچپ اور کارن فلور بھی ڈال دیں، جب یہ مکسچر گاڑھا ہونے لگے تو اس میں مرغی کا قیمہ بھی ڈال دیں، پانچ منٹ کے لئے ہلکی آنچ پر پکائیں، میکرونی کو پیکٹ پر درج ہدایت کے مطابق ابال لیں۔

ایک سرونگ ڈش میں میکرونی کی تہ بچھا دیں اور اوپر سے ٹماٹو مکسچر، ہرا دھنیا اور ہری مرچ کو لمبائی کے رخ پر کاٹ کر ڈال دیں اور پیش کریں۔

چکن جلفریزی

اشیاء

مرغی	ایک عدد
پیاز درمیانہ	دو عدد
لہسن	دو جوے
سرخ مرچ	پچیس گرام (پسی ہوئی)
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
گرم مسالا (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچہ
ٹماٹر	چار عدد
ادرک	تھوڑا سا
تیل	سو گرام
سوکھا دھنیا (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

مرغی کو ہڈی سے الگ کر کے چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنالیں، ٹماٹر اور پیاز چوپ کرلیں اور لہسن باریک کاٹ لیں، سوس پین میں تیل گرم کر کے پیاز تل کر نکالیں، اسی تیل میں مرغی کی بوٹیاں تلیں اور پھر ادرک، لہسن، نمک، مرچ، دھنیا، ہلدی ملا دیں، چمچہ چلاتے جائیں اور بھون لیں۔

اب ٹماٹر ملا کر مزید بھونیں، دو تین منٹ پکائیں، آخر میں تلی ہوئی پیاز ملا دیں اور گرم مسالا چھڑک دیں، ایک سرونگ ڈش میں ڈال کر پیش کریں۔

چکن جنجر

اشیاء

مرغی کا بغیر ہڈی کے	ایک پاؤ گوشت
ٹماٹر (آٹھ ٹکڑے کرکے)	تین عدد
ادرک (باریک کٹی ہوئی)	دو کھانے کا چمچے
ہلدی، مرچ سیاہ و سرخ	آدھی چائے کا چمچہ
اجینو موتو	آدھا چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	تین چار
لہسن	چار جوئے
نمک	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

گوشت، لہسن، ادرک اور ٹماٹر ایک پین میں ڈال کر چولہے پر رکھ دیں، (بغیر پانی کے) قدرے خشک ہو جائیں تو آدھی چائے کا چمچہ، اجینو موتو، ایک چائے کا چمچہ نمک، آدھی چائے کا چمچہ، ہلدی، سیاہ مرچ و لال مرچ ڈال کر بھونیں، پانی خشک ہونے کو ہو تو آدھا کھانا پکانے کا چمچہ گھی (تیل) ڈالیں۔

جب بھننے کے بعد سالن گھی چھوڑنے لگے تو دو کھانے کے چمچے دہی بغیر پھینٹے ڈال دیں پھر کٹی ہوئی ہری مرچیں، ہرا دھنیا اور ایک کھانے کا چمچہ، ٹماٹو کیچپ ڈال دیں، آدھا چائے کا چمچہ پسا ہوا گرم مسالا ڈالیں اور چولہا بند کر دیں۔

چکن اور سویٹ کارن

اشیاء

مرغی کے ٹکڑے	چار عدد
ہری پیاز	تھوڑی سی
مکئی کے دانے	ایک کپ
دودھ	ایک کپ
مکھن	تین اونس
آلو کے قتلے	آدھا پاؤ
میدہ	ایک اونس
نمک و سیاہ مرچ	حسب ذائقہ

(پودینہ اور لیموں کی قاشیں سجاوٹ کے لئے)

ترکیب

مرغی کے ٹکڑوں پر دو اونس مکھن ملیں، تھوڑا نمک چھڑکیں اور ان کو گرل کر لیں یا فرائی پین میں مل لیں، ایک دوسرے پین میں بقایا مکھن گرم کر کے پیاز آلو فرائی کریں اور ساتھ مکئی کے دانے بھی ڈال دیں، میدہ چھڑک کر فرائی کریں۔

آنچ سے ہٹا کر قدرے ٹھنڈا ہونے پر دودھ ملائیں اور پکا کر قدرے گاڑھا کریں، نمک و سیاہ مرچ ملائیں، ایک ڈش میں ڈالیں اور اوپر تلے ہوئے چکن کے ٹکڑے ڈال دیں، اوپر پودینے کے پتے اور لیموں کی قاشیں سجا دیں، یہ ڈش مزے دار اور خوشنما ہے۔

چکن ٹماٹوز

اشیاء

مرغی (بغیر ہڈی)	دو سو پچاس گرام
ٹماٹر	آدھا کلو
پانی	دو پیالی
آئل	ایک بڑا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سفید مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

مرغی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں اور پانی میں ابلنے کے لئے رکھ دیں، جب دیکھیں کہ گوشت گل گیا ہے تو اتار لیں، کڑاہی میں آئل گرم کر کے ٹماٹر ڈال دیں، دو منٹ پکنے دیں، چمچہ برابر ہلاتے رہیں، پھر مرغی کا ابلا ہوا گوشت اور نمک مرچ ملا کر تھوڑی دیر پکائیں، ابلے چاولوں کے ساتھ یہ ڈش خوب مزا دے گی۔

چکن ود مشروم گارلک

اشیاء

مرغی کا گوشت	ایک پاؤ
ادرک لہسن	دو، دو چائے کا چمچے
اجینو موتو	دو چائے کے چمچے
مرغی کی یخنی	ایک کپ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
مشروم	بارہ عدد

چلی سوس	ایک چائے کا چمچہ
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
مرغی کے ٹکڑوں پر (اجینو موتو)	ایک چائے کا چمچہ
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

گوشت میں تمام اجزا لگا کر رکھ دیں، پھر ایک کپ تیل گرم کر کے گوشت کو تل کر نکال لیں، فالتو تیل بھی نکال دیں، تھوڑا سا تیل رہنے دیں، اس میں ادرک، لہسن ڈال کر تلیں اور پھر گوشت کو دوبارہ ڈالیں اور ریڈ چلی سوس، سویا ساس، یخنی، نمک، چینی، اجینو موتو وغیرہ ڈال دیں۔

گرم ہونے پر مشرومز کو دو یا چار حصوں میں کاٹ کر ڈالیں، کارن فلور کو تھوڑے سے پانی میں گھول کر ملائیں اور مناسب گاڑھا ہونے پر گرم گرم چائنز چاولوں کے ساتھ پیش کریں۔

چائنز چکن چیلو

اشیاء

مرغ	آدھا کلو
بند گوبھی	ایک پیالی
گاجر	ایک پیالی
سبز مرچ	بارہ عدد
سویا ساس	دو بڑے چمچے
زیتون کا تیل	حسب ضرورت
سیاہ مرچ، نمک	حسب ذائقہ
یخنی	دو پیالی

ترکیب

گاجر اور بند گوبھی کو باریک کاٹ لیں، سبز مرچ درمیان سے چیر دیں اور پیاز کاٹ لیں، مرغ کے ٹکڑوں کو تیل میں تل لیں، گاجر اور بند گوبھی کو ابال لیں، اب مرغ کے ساتھ مرچیں، پیاز اور تمام اشیا دو پیالی پانی میں ڈال کر پکائیں، پانچ منٹ بعد دو پیالی یخنی اور کارن فلور ملا دیں، جب گوشت گل جائے تو اتار لیں، دم دے کر سرو کریں۔

چکن نوڈلز لوف

اشیاء

نوڈلز	تین پیکٹ
(85 گرام فی، دو منٹ میں تیار ہونے والی)	
تازہ پارسلے یا ہرا دھنیا	چوتھائی کپ
مٹروں کے دانے تازہ فریز شدہ	آدھا کپ
چکن کارن سوپ	ایک بڑا پیکٹ
انڈے (ہلکے پھینٹے ہوئے)	دو عدد
ٹماٹو پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک وسیاہ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

سب اشیا اچھی طرح مکس کریں، 14+21 سینٹی میٹر کا ایک لمبوترا ڈبہ روٹی والا لے کر اسے اندر سے چکنا کر لیں، نوڈلز کو پیکٹ پر دی ہوئی ہدایات کے مطابق ابال کر سارے حل شدہ مسالے و سبزیاں ملائیں، ڈبل روٹی کے ٹن میں ڈال کر اوپر المونیم فوائل یا ڈھکن لگا کر گرم اون میں 180 پر اتنی دیر پکائیں کہ نوڈلز سیٹ ہو جائیں، ٹھنڈا ہونے پر سلائس کی صورت میں کاٹ لیں۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

بے یقینی اور بے سمتی کی کیفیت کے ساتھ گزرتے دنوں میں ناامیدی اور مایوسی کا اندھیرا گہرا ہوا ہے، نام نہاد روشن خیالی کا جو راستہ اختیار کیا گیا، اس نے ہمیں معاشی لحاظ سے ہی نہیں ذہنی طور پر بھی دوسروں پر انحصار کرنے کا عادی بنا دیا ہے، ہم نے ان لوگوں کی سوچ کو اپنا لیا جو دنیا کے نقشے پر ہمارا وجود برداشت نہیں کر سکتے، ہماری اپنی سوچ اور فکر نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے، صرف کتابوں کا مطالعہ علم تو بڑھا سکتا دانش نہیں، شعور، حکمت اور دانائی غور فکر سے حاصل ہوتی ہے، انسانی تاریخ گواہ ہے جن قوموں نے ذہنی غلامی قبول کی وہ بتدریج فنا ہوتی گئیں۔

ہمیں اپنا انداز فکر اپنی سوچ اور طرز عمل پر نظر ثانی کرنا ہوگی، سچائی، دانائی اور ذہانت ہی کسی قوم کی مضبوط بنیاد ہوتی ہے، پاکستان آج مشکل ترین حالات سے گزر رہا ہے اس گرداب سے نکلنے کے لئے ہمیں موثر حکمت عملی اور محکم طرز عمل کی ضرورت ہے، اندرونی طور پر مضبوط قوم ہی بیرونی خطرات کا مقابلہ کر سکتی ہے، ہمیں لسانی، صوبائی فرقہ بندی جیسے تمام تعصبات کو خیر باد کہہ کر ایک قوم بن کر سوچنا ہے اسی میں ہماری بقاء ہے۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔

آیئے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں، درود پاک استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے

رابعہ نور: سیالکوٹ سے تشریف لائی ہیں وہ لکھتی ہیں۔

جولائی کا شمارہ ''عید نمبر'' عید کے بعد ملا، عید نمبر کی مناسبت سے ٹائٹل اچھا تھا اگر تھوڑا اس کا کلر برائٹ کر دیتے تو مزید خوبصورت لگتا، حسب عادت سب سے پہلے حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھیں پڑھ کر دل و دماغ کو تقویت ملی، انشاء نامہ میں انشاء جی کے سوال پڑھتے ہوئے محظوظ ہوتے ہوئے اور انشاء جی کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکے، جلدی سے عید سروے کی طرف بڑھے سبھی مصنفین نے فوزیہ آپی کے سوالوں کے جواب مزے کے دیئے مگر مصباح علی کے جواب پڑھ کر تو ہنسی ہی نہیں رک رہی تھی، شکریہ مصباح جی اتنے مزے کے جواب دینے پر، فوزیہ آپی آپ نے سروے کا نام بہت خوبصورت دیا ''باد نو بہار'' بہت اچھوتا اور پیارا نام تھا، لیکن آپی اس سروے میں ہمیں سدرۃ المنتہیٰ، اُم مریم، نایاب جیلانی، حمیرا نوشین، رمشا احمد وغیرہ کی کمی بے حد محسوس ہوئی، جبکہ بشریٰ سیال کی آمد خوشگوار اضافہ تھی اس کے بعد ہم مبشرہ انصاری کے ناولٹ ''ان لمحوں کے دامن'' کی تلاش میں نکلے مگر وہ اس مرتبہ غائب تھیں، کیوں؟ حیرت سی حیرت؟ خیر آپ نے عید کے

حوالے سے دل کھول کر تحریر لگائیں، بے حد اچھا لگا سب سے پہلے بات کریں سعدیہ عابد کی، ''بچھڑن رات نہ ہوئے'' سعدیہ آپ کی تحریر کا آغاز جتنا دکھی تھا اینڈ اتنا ہی اچھا تھا، تحریر میں کہیں کہیں آپ کی گرفت بے حد کمزور رہی مگر پھر بھی پڑھ کر اچھا لگا، حنا بشریٰ کا ناولٹ ''بہار عید ہو تم'' بھی اچھی کوشش تھی، جبکہ حنا اصغر نے ''عید تیرے سنگ'' لکھ کر میدان مار لیا نے مکمل ناول میں فرح طاہر نے ''تم رہتے ہو دل میں'' کے عنوان سے لکھا اور اچھا لکھا، جبکہ فصیحہ آصف کا مکمل ناول ''تجھ سنگ عید منائیں'' ہماری کوئی خاص توجہ حاصل نہ کر سکا وجہ کہانی کو بلا وجہ لمبا کیا گیا اور کہانی میں بڑی جگہ جھول تھی، ''زیست کی رانی'' ثناء کنول کی پہلی طویل تحریر، پہلی قسط پڑھی ہے اس لئے ابھی اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں مکمل پڑھ کر ہی بتائیں گے، افسانوں میں شبانہ شوکت اور قرۃ العین رائے کی تحریروں نے متاثر کیا شبانہ شوکت آپ کے شوہر کی وفات بلاشبہ آپ کا ایک عظیم نقصان ہے ہم آپ کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور نظر کرم آپ کے گھر پر سایہ فگن رکھے آمین۔

سلسلے وار ناول میں پہلے اُم مریم کو پڑھا، ''دل گزیدہ'' اُم مریم کی انتہائی افسردہ تحریر کہلائے گی خدا کی پناہ پہلی قسط سے لے کر اس ماہ کی بیسویں قسط تک منیب کے ماتھے کے بل ہی نہیں اترتے اور بیچاری غانیہ کے لئے کوئی سکھ کا جھونکا نہیں آیا، اوپر سے اس کے بیٹوں کو بھی فرمانبرداری کی سولی پر چڑھایا جا رہا ہے یہ حمدان آخر کس مرض کی دعا ہے کہ وہ ماں کے لئے اسٹینڈ نہیں لے سکتا، اپنی بہنوں کو تحفظ نہیں دے سکتا، پلیز مریم جی کوئی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ان کی قسمت میں بھی لکھ دیں۔

''پربت کے اس پار کہیں'' کی کہانی نے بڑی سبک رفتاری سے چلتے ہوئے اب انتہائی دلچسپ موڑ پر داخل ہو چکی ہے اتنا اچھا لکھنے پر نایاب جی مبارک باد کی مستحق ہے، مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح نمبر ون رہے، دستر خوان میں ہرے بھرے کباب کی دلچسپی بے حد پسند آئی جبکہ آلو کوفتہ بوٹی بریانی کی ترکیب پڑھ کر مزہ آ گیا انشاء اللہ جلد بناؤں گی اور آپ کو بھی بھیجوں گی، حاصل مطالعہ میں تمام ساتھیوں کا انتخاب بہترین تھا، بیاض اور ڈائری ہمیشہ کی طرح اعلیٰ تھی۔

رابعہ نور اس محفل میں آپ پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہیں، دل و جاں سے خوش آمدید، آپ کا پیغام ام مریم تک پہنچا دیا ہے دیکھیں وہ اب منیب کو خوش اخلاق دکھاتی ہیں یا مزید سڑیل مزاج کا، اس کا تو آپ کے ساتھ ہمیں بھی انتظار ہے، جولائی کے شمارے کے لئے آپ کی رائے اور تبصرہ بہترین رہا، ہم آئندہ بھی آپ کی پر خلوص رائے اور محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

مسز نگہت غفار: ایک بار پھر تشریف لائیں وہ اپنی محبتوں کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

دوسری بار خط لکھ رہی ہوں فیس بک پر اور حنا اور ایک اور ماہنامے کے نام پڑھے تو دل نے کہا چلو ان دونوں میں ٹرائی کرتے ہیں دونوں رسالے خریدے دونوں میں خط بھی اپنا تعارف اور چند تحریریں ارسال کہیں دو دن پہلے سیما بنت عاصم نے میسج کیا کہ آپ کی آمد کو پسند کیا گیا مجھے خوشی ہوئی، آج بہو نے رسالہ لا کر دیا اور اب رات کے ڈھائی بجے آپ سے باتیں ہو رہی ہیں آپ بھی مزے سے سو رہی ہونگی۔

''رفعت سعید'' بہت ہی پیاری سی رفعت بیٹا کہوں یا بہن، بہر حال ہزاروں سال جیو آپ کا میری آمد پر پسندیدگی کا اس خلوص سے اظہار

کرنا بہت پسند آیا اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی خاص عنائتیں فرمائے آمین۔

دوسرے نمبر پر ایک اور بہت ہی پیاری سی قاری بہن جنھوں نے بہت ہی محبت سے میرے تبصرے کو پسندیدگی کی سند سے نوازا ہے، اللہ رب العزت آپ کو اپنی بیش بہا نعمتوں سے نوازے آمین۔

بھئی مجھے رسالے کی جان دل رونق سب کچھ خطوط اور پیارے پیارے پر خلوص تبصرے لگتے ہیں اس لئے میں نے پہلے کس قیامت کے یہ نامے پر تبصرہ کیا۔

ٹائٹل اس ماہ کے حساب سے مناسب نہیں لگا لیکن ماڈل پیاری ہے۔

''کچھ باتیں ہماریاں'' محترم جناب سردار محمود آپ نے بہت ہی سہل اور خوبصورت انداز میں اس ماہ بابرکت کا ذکر کیا قرآن پاک کو سمجھ کر اور صحیح پڑھنے کے بارے میں کہا بالکل درست ہے۔

''حمد باری تعالیٰ'' نعت رسول مقبولؐ کی روشن کرنیں روح کو منور کر گئیں۔

''پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں'' اس قدر قلب و روح کو خیر کی نوید دینے والی باتیں ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہیں۔

''فضیلت کی راتیں'' بے حد پر اثر معلوماتی بے حد مفید تحریر تھی، اللہ آپ کو جزائے خیر دے آمین، فوزیہ شفیق اس تحریر کو پیش کر کے آپ نے بڑی نیکیاں کمائی ہیں۔

''کہانیاں'' جو سلسلے وار ہیں وہ تو نہیں پڑھیں، عرشیہ راجپوت، عشق سفر کی دھول، رمشہ احمد، بکھرنے سے ذرا پہلے، ان لمحوں کے دامن میں یہ ہی کہانیاں پڑھیں اچھی تھیں۔

''بیاض'' میں تقریباً اکثر ہی اشعار اور قطعات پسند آئے۔

''حاصل مطالعہ'' علینہ طارق، فرح اسد، فریال امین، رابعہ حیدر، ثناء حیدر کی تحریریں اچھی تھیں۔

''رنگ حنا'' رنگ حنا نے خوب رنگ جمایا تقریباً ساری تحریروں میں مزاح کا پہلو عیاں تھا، میرا خیال جبکہ اب اور باقی باتیں انشاء اللہ اگلی بار زندگی نے وفا کی تو، اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ آپ پر آپ کی فیملی پر حنا پر اس کی فیملی پر اپنی رحمتوں کی بارش کر دے۔

مسز زعفار بہت بہت شکریہ اس محفل کو رونق بخشنے کا جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے جس ماہ آپ کا خط شامل ہوا اسی ماہ آپ کی تحریریں بھی لگیں تھیں، شاید آپ کی نظر سے نہیں گزریں، اس ماہ بھی آپ کا انتخاب خاصا لیٹ ملا جس کی وجہ سے شائع نہیں ہو سکا اس کے لئے میں معذرت خواں ہوں انشاء اللہ اگلے ماہ شامل کیا جائے گا، لیکن یہاں ہمیں بھی آپ سے ایک شکوہ ہے کہ عید آئی اور گزر بھی گئی مگر آپ کا افسانہ عید نمبر کے لئے موصول نہیں ہوا، جولائی کا ٹائٹل آپ کے ذوق پر پورا نہیں اترا معذرت انشاء اللہ آئندہ اس کا خاص خیال رکھیں گے، آپ ہمیں جس رشتے سے بھی پکاریں گی ہمارے لئے وہ ہی معتبر ہوگا، اپنی صحت کا خیال رکھیئے گا اور اپنی رائے اور محبتوں سے نوازتی رہیے گا، آپ جیسی پر خلوص ہستیاں ہی ہمارا سرمایہ ہیں، شکریہ۔

زینب سحر: نا معلوم مقام سے لکھتی ہیں۔

حنا کی محفل میں پہلی دفعہ شرکت کر رہی ہوں خط شائع کر کے حوصلہ افزائی کا موقع دیجئے گا اس ماہ کے حنا میں ساری کہانیاں بہت زبردست تھیں بہت مزا آیا پڑھ کر، اس کے علاوہ ام مریم آپی کا ناول ''دل گزیدہ'' اور نایاب آپی کا

ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' دونوں بہت اچھے جارہے ہیں، حنا کا ٹائٹل بھی اچھا تھا اور ڈریس تو بہت پیارا لگا، اب آتی ہوں اس کہانی کی طرف جس کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوئی وہ ہے مبشرہ آپی کی کہانی ''ان لمحوں کے دامن میں'' مبشرہ آپی آپ کی کہانی کی تو کیا ہی بات ہے۔

ماہنامہ حنا میرا فیورٹ ماہنامہ ہے اور جب بھی میرے ہاتھ میں آتا ہے ایسا لگتا ہے کہ خزانہ مل گیا ہو، اللہ پاک حنا اور اس کے ادارے کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

زنیب سحر خوش آمدید عید نمبر کو پسند کرنے کا شکریہ، مبشرہ انصاری کا ناولٹ اس ماہ شامل اشاعت ہے اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہمیں خوشی ہو گی اور ہاں آئندہ اپنے نام کے ساتھ اپنے شہر کا نام بھی ضرور لکھئے گا شکریہ۔

تبسم بشیر عروسی اور کائنات خان: ساہیوال سے آئیں ہیں وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

اس ماہ کا حنا سات کو ملا، ٹائٹل پیارا تھا، مگر ماڈل کا نام نہ تھا ماڈل کا نام بھی لکھ دیا کریں، اس کے بعد اپنے پسندیدہ ناول کو ڈھونڈا مگر نہ تھا، ''ان لمحوں کے دامن میں'' اس کے بعد حمد و نعت کے بعد اسلامیات کا صفحہ پڑھا ایمان زیادہ ہو گیا پیارے نبیﷺ کی باتیں بہت پیاری ہیں۔

اس کے بعد سروے پڑھا سب کے سوال اچھے لگے، سلسلے وار ''دل گزیدہ'' بہت اچھا ہے، پربت کے اس پار کہیں، اسے ختم کر دیں مزہ نہیں آتا، ناولٹ ''بہار عید'' بہت اچھا تھا، ''بچھڑن رات نہ ہوئے'' ویل ڈن سعدیہ ''عید تیرے سنگ سجنا'' ویل ڈن، ''تم ہی رہتے ہو دل میں'' فرح طاہر اس سے پہلے آپ کے افسانے پڑھے تھے، ''تجھ سنگ عید مناؤں پیا'' فصیحہ آپ کو پہلی بار دیکھا اچھا لگا۔

''زیست کی رانی'' ثناء کنول آپ کے افسانے سارے اچھے تھے ناول بھی اچھا ہو گا لیکن مکمل ہونے پر تبصرہ کروں گی، انشاءاللہ۔

افسانے صرف دو کتنی نا انصافی، ''سچی لگن'' قرۃ العین رائے اچھا تھا واقعی، اگر سچی لگن سے ہر کام کیا جائے تو وہ ضرور ہوتا ہے۔

''من سرالو اس'' شبانہ شوکت کا اچھا ہی تھا، آپ کے شوہر کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔

مستقل سلسلے سارے ہی اچھے تھے، کس قیامت کے یہ نامے میں تو رائٹرز کا راج تھا، پڑھ کر خوشی ہوئی کہ لڑکے بھی حنا پڑھتے ہیں، بہت خوشی ہوئی، اگلے ماہ تک کے لئے خدا حافظ حنا ایسے ترقی کرتا رہے، آپی میں نے کچھ تحریریں لکھی ہیں وہ بھجوانا چاہتی ہوں۔

تبسم بشیر اور کائنات خان خوش آمدید اس محفل میں، جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، ماڈل کا نام مہوش حیات تھا، آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہیں، آپ اپنی تحریریں ہمیں ضرور بھیجیں قابل اشاعت ہوئیں تو انشاءاللہ ضرور شائع ہوں گی، مستقل سلسلوں میں شامل ہونے کے لئے آپ الگ الگ کاغذ کا استعمال کریں، ہم آئندہ بھی آپ کی محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆